



مواعظ نعیمیہ

جس میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
کے وہ معرکۃ الآرا چند وعظ جمع کر دیئے گئے ہیں جو آپ
نے مختلف مجالس میں برجستہ ارشاد فرمائے تھے۔

نعیمی کتب خانہ 5۔ الحمد مارکیٹ

پندہا دادیم حاصل شد فراغ
ما علینا یا اخی الا البلاغ

الحمدللہ کہ مجموعۂ تقاریر دلنشیبہ

مسمّٰی بہ

مواعظ نعیمیہ (مکمل)

جس میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
کے وہ معرکۃ الآرا چند وعظ جمع کر دیئے گئے ہیں جو آپ
نے مختلف مجالس میں برجستہ ارشاد فرمائے تھے۔

نعیمی کتب خانہ گجرات
نعیمی کتب خانہ
۱۵ الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ ۴۰ اردو بازار لاہور

کمپیوٹر کوڈ 1Z98　　قیمت　[redacted] روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ التُّقٰى ؛

شکر ہے اس ارحم الراحمین کا جس نے ہدایت انسانی کے لئے انبیاء کرام صلوٰت اللہ علیہم بھیجے ۔ پھر آخر میں آفتاب نبوت ماہ تاب رسالت پر یہ سلسلہ ختم فرمایا ۔ اور اس امام المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے علماء و صوفیاء کا سلسلہ تا قیامت قائم کیا ۔ اور علمائے کرام کے زبان و قلم و صوفیائے عظام کے نفوس قدسیہ کو شریعت و طریقت کا ستون بنایا ۔ مبارک ہیں ۔ وہ آنکھیں جوان ماثبین پیغمبر کی زیارت کریں ۔ مبارک ہیں وہ کان جو ان کے کلام سنیں اور مبارک ہیں وہ دل جو ان کے برکات و فیوض کے خزانہ بنیں ۔ سعید ہیں وہ لوگ جن کی عمر کا کچھ حصہ ان کی تحریر پڑھنے ، ان کا کلام سننے ، ان کی صحبت حاصل کرنے میں گزرے ۔ کیا ہی مبارک تھی وہ گھڑی جب حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی گجرات میں رونق افروز ہوئے ۔ جناب نے صوبہ پنجاب میں تشریف لاکر زبان و قلم کے ذریعے گجرات ہی نہیں بلکہ سارے پنجاب میں علم کی روشنی پھیلادی ۔ آپ کے فیض قلم سے پنجاب ہی نہیں ، بلکہ دیگر صوبے بھی مستفیض ہوئے ؛

چنانچہ آپ کی تصنیفات بہار الحق ، شان حبیب الرحمٰن ، سلطنت مصطفےٰ ، اسلامی زندگی ، دیوان سالک ، تفسیر نعیمی سورہ بقرہ و آل عمران اور اسرار الاحکام کے فیوض و برکات پنجاب ہی میں محدود نہ رہے ۔ بلکہ ہندوستان و پاکستان کے ہر گوشہ میں پہنچے ۔ جہاں علمی فیوض کا چشمہ بہ رہا ہے ۔ وہاں ہی زبانی برکات بذریعہ مواعظ تقاریر مسلمانوں کے

قلوب کو منور کر رہے ہیں لہٰذا میں نے چاہا قلمی خدمات کی طرح زبانی خدمات کا فیض بھی عام کیا جاوے چنانچہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک جگہ کتابی شکل میں جمع کیا اور ان رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ بلکہ ایک ہار تیار کیا۔ رب تعالیٰ اس ہار کو میری جیت کا ذریعہ بنائے میں مسلمانوں کی خدمت میں یہ قیمتی مزین ہار پیش کر رہا ہوں۔ درحقیقت یہ ان تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو حضرت حکیم الامت مدظلہ نے صوبہ پنجاب میں مختلف مجالس میں برجستہ فرمائیں۔ ناظرین دیکھیں گے۔ کہ تقریریں کیا ہیں، فیوض ربانی ہیں۔ علمی تحقیق، فیوضانہ نکات، والہانہ مضامین، مسائل کے دلائل، مخالفین کے جوابات، اولیاء اللہ کی حکایات کا چشمہ ہیں، انشاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ معمولی استعداد کے طلباء بہترین واعظ و مبلغ اور عام مسلمان اعلیٰ محقق بن سکتے ہیں۔

لیجئے کتاب حاضر ہے۔ اس سے اپنے جلسوں کی رونق بڑھائیے۔ اپنے مجالس کی زینت دوبالا کیجئے۔ تنہائی میں اس کے مطالعہ سے لطف اٹھائیے۔ غرضیکہ خلوت و جلوت میں اس کی بہاریں لوٹیے۔ اس کے مطالعہ سے آنکھیں ٹھنڈی، دل منور، ایمان تازہ کیجئے۔ اگر پسند آجائے تو مجھ مؤلف کے لئے دعائے خیر فرمادیجئے اسی لالچ سے یہ محنت کی گئی ہے ؎

ایکہ بر ما مے روی دامن کشاں ٭ از سر اخلاص الحمدے بخواں

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ٭

حافظ محمد عارف فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات پنجاب

وعظ نمبر ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

معراج کا بیان

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا الآیۃ یہ آیت کریمہ نعت پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا گنجینہ ہے۔ اس میں واقعہ معراج کا اجمالی ذکر ہے۔ تین باتیں اس جگہ قابل غور ہیں۔

(۱) معراج کیوں ہوئی (۲) کس طرح ہوئی (۳) اس سے کیا نصائح حاصل ہوئیں۔

معراج چند مصلحتوں سے ہوئی

اولاً یہ کہ تمام انبیائے کرام کو جو مراتب فرادی فرادی ملے وہ سب جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے۔ حضرت خلیل پر آگ گلزار ہوئی۔ تو جس دسترخوان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست مبارک پونچھے۔ وہ تنور میں نہ جلا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مردوں کو زندہ فرمایا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے حضرت جابر کے دو فرزند زندہ ہوئے دیکھو خرپوتی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مردے کو زندہ کر کے اپنی گواہی لی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوکھی لکڑیوں اور کنکریوں سے اپنا کلمہ پڑھوالیا۔ حضرت کلیم علیہ السلام نے عصا مار کر پتھر سے پانی پیدا کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پیدا ہوئے۔ حضرت جابر کے ہاں کچھ دم فرمادیا۔ تو شوربا اور بوٹیاں اور

آٹے میں برکت ہوتی۔ بلکہ حضرت جابر کی بیوی کے ہاتھ میں یہ طاقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی توجہ سے آئی کہ سینکڑوں آدمیوں کا کھانا پکا لیا۔ چونکہ حضرت کلیم نے طور پر رب تعالیٰ سے کلام کیا۔ حضرت مسیح چہارم آسمان پر تشریف لے گئے۔ تو ضرور تھا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ملے۔ جو سب سے بڑھ کر ہو۔

کلیم اللہ طور پر تشریف لے گئے۔ کلمۃ اللہ چہارم آسمان پر، کلمات اللہ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش سے آگے۔ کلمات اللہ کے برکات یہ ہیں کہ اس میں بلندی ہے۔

دوم۔ تمام نبیوں نے خدا کی ذات وصفات، جنت ودوزخ کی گواہی دی۔ مگر کسی نے آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ اور شہادت کی تکمیل یہ ہے کہ یا تو شاہد نے واقعہ خود دیکھا ہو۔ یا دیکھنے والے سے سنا ہو۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ گروہ انبیاء میں ایک ہستی ایسی بھی ہو۔ جس نے یہ تمام چیزیں اپنی آنکھ سے دیکھی ہوں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا میں اسی طرف اشارہ ہے اور اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم الانبیا کہا گیا۔ یہ شہادت ختم ہو چکی گویا اور انبیائے کرام کی خبریں اسناد تھیں اور حضور پر یہ اسناد ختم ہوئی۔

سوم۔ خدائے قدوس نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اللہ خریدار ہے مسلمان بائع۔ اور سودا ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت سے۔ ضروری ہے جس کی معرفت سے سودا ہو۔ وہ قیمت اور مال کو خود دیکھے۔ تو فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب تم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو ملاحظہ فرما لیا۔ اب آؤ جنت ودوزخ کی بھی سیر کر لو۔ ہم نے تم کو دیکھا۔ تم بھی ہم کو دیکھ لو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیکھنا مسلمانوں کا دیکھنا ہے۔ قُرَّةُ الْاِمَامِ لَهٗ قُرَّةٌ۔

چہارم۔ عرش و فرش اور تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیئے گئے۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ اسی لئے جنت کے دروازے پر پتہ پتہ اور ڈالی ڈالی پر لکھا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی یہ تمام چیزیں کارخانہ قدرت الٰہیہ کی بنی ہوئی ہیں محمد رسول اللہ کی ملکیت میں دی ہوئی ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کی چیز اسی کا نام منظور الٰہی ہوا کہ مالک کو اس کی ملکیت دکھا دی جائے۔

پنجم۔ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا!
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود!

معراج کس طرح ہوئی

نبوت کے گیارہ برس چھ ماہ بعد رجب کی ۲۷ تاریخ کی آخر شب یعنی شب دو شنبہ کو حضرت ام ہانی کے گھر سے ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں بیان ہوا۔ کہ رجب کی ستائیسویں رات ہے شب کا آخری حصہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ہمشیرہ ام ہانی بنت ابوطالب کے دولت خانہ میں آرام فرما ہیں۔ کہ حضرت جبریل امین، براق اور برات لے کر حاضر ہوئے پیغام الٰہی لائے۔ اپنے کافوری بازو مبارک تلووں سے مل کر حضور علیہ السلام کو جگایا۔ رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ سینہ بے کینہ کو چاک فرما کر آب زمزم سے قلب پاک کو دھویا۔ پھر اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھرا۔ پھر آب کوثر سے غسل کرایا۔ حضور کو دولہا بنایا۔ حلہ بہشتی پہنایا۔ براق حاضر کیا۔ جس کی برق رفتاری عقل سے باہر ہے ہے

تھا براق نبی یا کہ نور نظر ٭ یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

حضرت جبریل نے لگام پکڑی، اسرافیل علیہ السلام پیچھے ہوئے، ملائکہ نے چاروں طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے اس نرالے دولہا کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی آن کی آن میں بیت المقدس آیا۔ وہاں تمام انبیاء اور رسل و ملائکہ کو موجود پایا۔ کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں۔ اور نماز کی تیاری ہے۔ امام الانبیاء کا انتظار ہے۔ دولہا کا پہنچنا تھا کہ سب نے اسلامی مجرا ادا کیا۔ تمام انبیاء اور فرشتے مقتدی بن کر صف بستہ پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی۔ سبحان اللہ کیا نماز ہے کہ انبیاء مقتدی۔ امام الانبیاء امام پہلا قبلہ جائے نماز ملائکہ مقربین مؤذن جبریل علیہ السلام نے اذان و تکبیر کہی ؎

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر ٭ عیاں ہوں معنے اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر ٭ جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اس نماز سے فارغ ہونا تھا۔ کہ سفر آسمان تیار تھا وہ ہی براق۔ وہ ہی برات، وہ ہی دولہا، وہ ہی براق، آن کی آن میں پہلا آسمان آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا۔ اپنے فرزند کی بلائیں لیں۔ مدتوں کی تمنا بر آئی مرحبا کہا۔ پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے۔ گذرتے گئے۔ دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ و عیسیٰ، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون۔ چھٹے پر حضرت موسیٰ۔ ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام زیارت سرکار سے مشرف ہوئے یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا۔ یہ سدرہ حضرت جبریل کے لئے سدراہ بن گیا پھر یہ حال ہوا ؎

بنور صد اسما یہ بندھا ٭ یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا
صفوف سما نے سجدہ کیا ٭ ہوئی جو اذان تمہارے لئے

جبریل امین نے آگے جانے سے معذرت کی فرمایا کہ جبریل یہ طریقہ ہمراہی نہیں۔ کہ ساتھ چھوڑ دو۔ عرض کیا سے

اگر یک سر موئے برتر پرم ٭ فروغ تجلے بسوزد پرم!

آگے یا تو ے جانے والا رب جانے یا جانے والے محبوب۔ کہ کہاں گئے، وہاں گئے جہاں کہاں ہی ختم ہو چکا تھا سے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا ٭ کدھر سے گذرے کہاں اتارا
بھرا جو مثل نظر طرارا! ٭ وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے!

رب نے کیا دیا۔ محبوب نے کیا لیا۔ رب نے کیا فرمایا۔ اور مصطفٰے نے کیا سنا۔ اور حبیب و محبوب، طالب، و مطلوب میں کیا راز و نیاز ہوئے، یہ تو وہ دینے والا اور یہ لینے والا جانیں۔ قرآن کریم نے بھی یہ بھید نہ کھولا۔ بلکہ فرمایا۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ہاں اپنا پتہ لگتا ہے کہ وہاں امت گنہگار کا ذکر بھی آیا۔ اور رب کی طرف سے دن رات میں پچاس نمازوں کا مبارک تحفہ ملا۔ واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر پانچ پانچ کم ہو کر صرف، پانچ باقی رہیں۔ نیز اسی سفر میں جنت و دوزخ کی سیر بھی فرمائی۔ کہ جو واقعات بعد قیامت ہونے والے تھے۔ وہ اسی شب ملاحظہ فرمائے چنانچہ ایک، جماعت، کو گرم پتھر کھاتے ملاحظہ فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ بخیل مالدار ہیں۔ جو مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ ایک شخص کو خون کے دریا میں کھڑا دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ سود خوار ہیں جو غریبوں کا خون چوستے تھے۔ ایک

قوم کو ملاحظہ فرمایا ان کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ بے عمل عالم ہیں۔ جن کے کردار گفتار کے مطابق نہیں تھے۔ بعض لوگوں کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے ہیں۔ جن سے وہ اپنے جسم و چہروں کو زخمی کر رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے کہا کہ یہ چغل خور اور غیبت کرنے والی قوم ہے۔

واقعہ معراج میں حسب ذیل نکات ہیں

(۱) نبوت کی مدت ۲۳ سال ہے۔ جس کے نصف ۱۱ ۱/۲ سال میں معراج ہوئی۔ نبوت کا سال ربیع الاول سے شروع ہے۔ جس کے بالکل وسط میں رجب واقع ہے۔ ہفتہ شروع [illegible] سے شروع ہوتا ہے۔ دوشنبہ بالکل اس کے وسط میں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ [illegible] نبی کا دین درمیانی دین ہے۔ اور امت [illegible] امت وسط وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا الآیۃ لہٰذا معراج ماہ رجب دوشنبہ کی شب میں ہوئی۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت [illegible] ہجرت [illegible] مدینہ منورہ میں داخلہ، غار نبو [illegible] معراج اور وفات تمام امور دوشنبہ کو ہوئے۔ اسی لئے [illegible] دن کا نام ہے یوم الاثنین۔ اور حضور کا درجہ ہے [illegible]

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

غرضکہ دوسرے درجہ والا دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اسی لئے اردو والے اس دن کو پیر کہتے ہیں۔ کہ تمام ایام ہفتہ اس سے مستفیض اور یہ فیاض ہے۔

۳۔ معراج [illegible] میں ہوئی وہ بھی آخری رات [illegible] کہ نہ دشمنوں کو علم ہوا۔ اور نہ

دوستوں کو خبر۔ وہ دو وجہ سے۔ اول تو اس لئے کہ معراج میں وصال ہے۔ اور ہر وصال کیلئے رات موزوں۔ اسی لئے عبادات اور راز و نیاز کے لئے رات موزوں مانی گئی ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ آج حقیقت محمدیہ اصلی رنگ میں جلوہ گر ہے کس کی آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو دیکھ سکے ہاں ملائکہ کی آنکھ نہیں ہے جو اس جلوے کی متحمل ہو۔ ان میں بھی حسب طاقت ہی ساتھ دے سکے اس شب حضور کی مثال آفتاب کی سی تھی۔ کہ جوں جوں چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے۔

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جو عرش خدا پایا

۴۔ بیت المقدس میں انبیاء کی امامت فرمائی۔ کہ آپ نبی الانبیاء اور امام الحرمین کے لقب سے کتب سابقہ میں ملقب ہیں۔ نیز ارشاد ہوا ہے۔ ھو الاول والآخر آج اس کا ظہور ہے کہ سلاطین اولین مقتدی بن کر پیچھے حاضر ہیں۔

۵۔ انبیائے کرام سے آسمانوں پر ملاقات ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی رفتار ایسی تیزی خیال کی تھی۔ انبیائے کرام ابھی بیت المقدس میں تھے اور ابھی استقبال کے اپنے اپنے مقامات پر آسمانوں میں پہنچ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام اور ارواح مقدسہ کی رفتار براق کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔

۶۔ اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی۔ پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بار بار عرض کرنے پر پانچ رہیں۔ اس میں چند حکمتیں تھیں۔ اولاً تو یہ کہ لوگوں کو بتا دیا کہ ارواح مقدسہ بعد موت کے بھی زندوں کی امداد کرتی ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی امداد سے پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ملاحظہ فرمالیں کہ حضور کو وہ درجہ عطا ہوا ہے کہ

بے تکلف بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاویں۔ نہ روزوں کی قید اور نہ نعلین پاک کے اتارنے کا حکم۔ سوم یہ کہ عرش معلےٰ کو بار بار قدم پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یابی کا موقعہ ملے۔ چہارم اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیۡ اس وقت، موقعہ نہ ملا۔ آج بتوسط مصطفےٰ علیہ السلام خوب خدا کا دیدار کریں۔

۷۔ معراج پر ناواقفوں کے کچھ اعتراض ہیں۔ اولاً یہ کہ جسم ثقیل اوپر نہیں حرکت کرسکتا دوم یہ کہ درمیان میں آگ اور زمہریر ہے۔ وہاں سے انسان کی گذر ناممکن ہے۔ سوم یہ کہ آسمان میں دروازہ نہیں کس طرح داخلہ ہوا۔ چہارم یہ کہ ہزار سال کا راستہ اتنی دیر میں کس طرح طے ہوا کہ واپسی پر زنجیر ہل رہی تھی اور بستر پاک گرم تھا۔ ان سب کا جواب فقیر کے پیچھر کی طرح صرف ایک ہے کہ حضور نور ہیں اور نور کے لئے یہ کوئی بات نہیں۔ نور نظر عینک میں سے نکل جاتا ہے بغیر دروازے کے آناً فاناً آجائے آسمان پر ہو کر لوٹتا ہے نہ جلتا ہے نہ سرد پڑتا ہے۔

آیت کے نکات

(۱) اس آیت کو سُبْحٰنَ الَّذِیۡۤ سے اس لئے شروع کیا گیا۔ کہ آئندہ مضمون بہت تعجب انگیز ہے۔ اور عرب کا قاعدہ ہے کہ تعجب کی بات کو سبحان اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ نیز منظور یہ ہے کہ کوئی اعتراضات مذکورہ کی بنا پر معراج کا انکار نہ کر بیٹھے۔ اس پر نگاہ کرے۔ کہ رب تعالیٰ مجبوری اور معذوری سے پاک ہے۔ اور اسی کا یہ فعل ہے۔ اس جگہ حضور کو عبدہٗ فرمایا رسولہٗ یا نبیہٖ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ حسب موقعہ لقب سے

یاد کیا جاتا ہے۔ خدا کے پاس دنیا میں آویں گے۔ تو رسول کی حیثیت سے۔ اور دنیا سے خدا کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ تو شان عبدیت سے۔ نیز عبد فنافی المولےٰ ہوتا ہے کہ ذات اور مال سب مولےٰ کا۔ حضور کو درجہ فنافی اللہ عطا فرمایا گیا۔ جو ولایت کا درجہ اعلیٰ ہے۔ سفر معراج کی ابتداء مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ہے اور انتہا اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی یعنی دور والی مسجد خواہ بیت المقدس ہو۔ خواہ بیت المعمور غایۃً لِلْغُرْبَۃِ ۔

وعظ نمبر ۲

ذکر خدا

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ ہر مرض کا ایک علاج ہے۔ قرآن کریم جو کہ عالم کے لئے شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے۔ جس کو دنیا کے طبیب اعلیٰ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا۔ وہ بے قراری دل کیوں ہے اس لئے کہ علاج نام ہے دفع سبب کا۔ اور اکثر اوقات اختلاج دل کا سبب کثرت گناہ ہوتا ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ آید بر تو از ظلمات وغم ٭ ایں زبے باکی وگستاخی ست ہم
ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ ٭ وز زنا افتد بلا اندر جہات

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ اور ذکر حق گناہوں کے لئے ایسا ہے۔ جیسا کہ پلیدی کے لئے پانی ؎

ذکر حق پاکی ست چوں پاکی رسید ٭ رخت مے بندد بروں آید پلید

توپلیدی گناہ سے اضطراب قلب ہے۔ اور طہارت ذکر سے اطمینان قلب ہوتا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی زندگی کو ذکر الٰہی میں اس طرح گھیرا ہے کہ کوئی وقت اس سے خالی نہیں بچہ پیدا ہو۔ تو کان میں آذان و تکبیر کہو، ماں بچہ کو گود میں کھلائے تو خدا کے نام سے جب بچہ سمجھ دار ہو تو یاد الٰہی کرے ؎

ذکرش کردن از بے خردی است ٭ وصفش کردن از کم عقلی است

صبح کو اٹھو، تو پہلے نماز پڑھو، سوتے وقت نماز پڑھ کر سوؤ، غرضکہ ہر وقت یاد الٰہی کرو، مرتے وقت خدا کا نام لے کر مرو، غسل اور کفن اور دفن کے وقت ذکر الٰہی کرو۔ غرضیکہ زندگی کو یاد الٰہی میں گھیر دو۔ کہ ابتدا بھی اللہ کی یاد پر ہو۔ اور انتہا بھی۔ ذکر ہر عضو کا علیحدہ ہے۔ ذکر زبان شکر حق، تلاوت قرآن صدق مقال ہے۔ ذکر دل اچھے ارادے اور دل کا جاری ہونا ہے آنکھ کا ذکر خوف الٰہی سے رونا، اور آیات الٰہی کو دیکھنا۔ غیر عورت وغیر مال پر نگاہ نہ کرنا ہے ہاتھ کا ذکر بے زوروں کی امداد کرنا۔ قرآن کریم چھونا۔ پاؤں کا ذکر محبوبان الٰہی کی زیارۃ اور مسجد اور مقامات متبرکہ میں جانا۔ غرضیکہ ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔ ذکر تین طرح کا ہے۔ ذکر عام۔ ذکر خاص، ذکر خاص الخاص، ذکر عام ذکر زبانی ہے، ذکر خاص دل جاری۔ خاص الخاص، ذکر خیالی ؎

تجھ ہی کو دیکھنا، تیری ہی سننا۔ تجھ میں گم ہونا

حقیقت، معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

ذکر اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے طیبہ میں سے ایک نام بھی ہے۔ اگر وہ مراد ہے تو معنے ہوئے کہ ہمارے محبوب کی برکت سے بے قرار دل چین میں آجاتے ہیں ؎

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو

جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

آخر یہ کیوں ؟ یہ اس لئے کہ ہر روح کو انس و محبت ہے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور محبوب کا ذکر بیمار کی دوا ہے لِقَاءُ الْخَلِیْلِ شِفَاءُ الْعَلِیْلِ نیز حدیث پاک میں ارشاد ہوا اَنَا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر موجود کی اصل ہیں سے

تو اصل وجود آمدی از نخست ٭ دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اور ہر شئے کو اپنی اصل پر پہنچ کر قرار ہوتا ہے۔ اسی لئے وطن اصلی میں پہنچ کر ہر شخص کو قرار ہوتا ہے۔ اسی لئے ثقیل چیز اپنے مرکز کی جانب بھاگتی ہے اور مرکز پر پہنچ کر قرار پاتی ہے۔ حضور بھی مرکز عالم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ عمل مجرب ہے کہ اختلاج قلب والے کے دل پر لکھ دیا جاوے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ نیز بے قرار اور جس پر جن غلبہ کر لیں۔ اس کے کان میں آذان کہی جاوے۔ کہ ان [illegible] نام سے قرار آجاوے۔ اسی لئے بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے۔ کہ جن دفع ہوں اور مردے کے دل کو سکون ہو۔ اور جواب نکیرین کی تلقین ہو۔

حکایت:۔ مثنوی شریف میں ہے۔ کہ کسی بادشاہ نے ایک خوبصورت لونڈی خریدی اس کے حسن و جمال پر عاشق ہو گیا۔ مگر دیکھا کہ لونڈی بیمار ہے۔ بہت کچھ علاج کیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا کی۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر لونڈی مرگئی تو میرا جینا بھی بے کار ہے۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے۔ کہ فلاں راستے سے تیرے یہاں ایک مرد کامل آوے گا۔ جو طبیب قلوب ہے۔ اس کے ہاتھ سے لونڈی کو شفا ہو گی۔

پھر کیا تھا بادشاہ کو رات کاٹنا مشکل ہو گیا۔ صبح سویرے ہی بادشاہ اس راستہ پر بیٹھ گیا جو خواب میں دیکھا تھا۔ اچانک ایک بزرگ نورانی شکل آتے ہوئے نمودار ہوئے۔ بادشاہ نے اس کا استقبال کیا۔ گھر لایا تو اضع کے بعد دلی مدعا کہا۔ انہوں نے مریضہ کے سرہانے بیٹھ کر معلوم کر لیا کہ مریض عشق ہے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کسی سے کہا کہ ملکوں کے نام لینا شروع کر، جب اس شخص نے بخارا کا نام لیا۔ تو فرمایا کہ بس ٹھہر جا۔ اب اس علاقہ کی ساری بستیوں کا جو نام ہے ان کے نام گنا ؤ۔ ایک بستی کا نام جو لیا۔ تو مریضہ کے چہرے پر سرخی آگئی۔ فرمایا ٹھہر جا۔ اس بستی کے محلے شمار کر اس نے شمار کیے۔ ایک محلے کے نام پر مریضہ کے حال پر اور فرق نمودار ہوا۔ فرمایا اس محلہ کے گھر گن۔ اس نے گنے۔ ایک گھر کے نام پر مریضہ نے آنکھیں کھول دیں، پھر فرمایا اس گھر کے آدمی شمار کر۔ ایک آدمی کے نام پر مریضہ کے منہ سے بے اختیار آہ نکلی، اور آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے تب اس طبیب نے بادشاہ کو فرمایا کہ یہ عشق کی مریض ہے اور بخارا کی فلاں بستی کے فلاں شخص پر عاشق ہے۔ کیونکہ بخارا کے نام سے اس کی نبض کی حرکت میں فرق پیدا ہوا۔ پھر اس بستی اور اس محلہ اور اس شخص کے نام پر تو یہ تڑپ گئی۔

اے مسلمان! وہ تو ایک عشق مجازی کا قصہ تھا۔ اگر تو عرب کے نام پر وجد نہ کرے اگر حجاز کے نام سے تجھ میں تڑپ نہ پیدا ہو، اگر مدینہ پاک کے نام اور وہاں کے کوچہ و بازار کے ذکر پر تجھے جوش نہ آئے، اگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک پر تو تڑپ نہ جائے، تو تو اس جھوٹی عاشق عورت سے بھی ابتر ہے۔

انسان تو صاحب عقل ہے جانور مثلاً اونٹ، ہرن وغیرہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریادیں کیں، لکڑیاں آپ کے فراق میں روئیں اور وصال میں چین و قرار پایا جیسا

کہ استن حنانہ۔

روح کا وطن ہے عالم ارواح، جسم کا وطن ہے عالم اجسام، اور وطن کا خط آوے تو خوشی ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکر آتی روح کے وطن کا ذکر ہے۔ اس سے آرام ہونا ہی چاہیئے۔ مولانا احمد اشرف صاحب کے تعویذ نویسی پر وہابی نے اعتراض کیا انہوں نے فرمایا اُلّو۔ گدھا، سؤر، وہابی بگڑا تو فرمایا کہ ارزل مخلوقات کے ناموں میں ایسی تاثیر ہے کہ آپ کو رنج آگیا۔ تو خالق کے نام میں تاثیر ہے کہ اس سے بیماری جاتی ہے، شفا آتی ہے۔

وعظ نمبر ۳

اطاعتِ رسول

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط

ہر چیز کی آزمائش و امتحان ہوتا ہے۔ اس آیت میں ان مدعیان باطل کا امتحان ہے۔ جو کہتے تھے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ۔ فرمایا گیا کہ اپنے اس دعوے کی دلیل لاؤ، کہ میری پیروی کرو، اطاعت اور پیروی تین طرح کی ہوتی ہے اطاعت بالخوف، اطاعت بالغرض، اطاعتِ بالمحبۃ۔ ان تینوں اطاعتوں میں اطاعت بالمحبت اعلیٰ ہے۔ کہ وہ دل سے ہوتی ہے اور دائمی۔ اسی لئے اس آیت کو محبت سے شروع کیا گیا۔ یہ کہ نہ کہا گیا کہ اِنْ کُنْتُمْ تَخَافُوْنَ اللّٰہَ۔ نیز اطاعت مختلف مقصدوں سے ہوتی ہے۔ مطاع کی محبت حاصل کرنے کے لئے۔ مطاع کے شر کو دفع کرنے کے لئے یہاں اطاعت

محبت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ محبت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ محبت طبعی و سببی محبت طبعی سببی سے اعلیٰ ہے جیسے کہ اولاد سے والدین کو۔ وہ ہی محبت یہاں درکار، فرمایا گیا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یہاں محبت سے مراد طبعی محبت ہے۔ مقابلہ والدین اسی کو چاہتا ہے۔ اور یہ ہر مسلمان کو بفضلہ تعالےٰ حاصل ہے ہر ماں اپنے اکلوتے کو ار تداد سے علیحدہ رکھتی ہے اتبعونی کے معنے ہیں پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ یعنی نہ تو بھائی بن کر ساتھ آؤ اور نہ باوا بن کر آگے بڑھو۔ بلکہ غلام بن کر پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ ہی گاڑیاں سفر کرتی ہیں جو انجن کے پیچھے رہتی ہیں۔ اگر کچھ ڈبے ریل کے شنٹنگ کے وقت انجن سے آگے لگ گئے۔ تو وہ وہاں ہی کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل دونوں کی ضرورت ہے۔ اتباع سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی اتباع ہے۔ باطنی اتباع تو خیالات، عقائد وغیرہ کو محفوظ رکھنا ہے۔ ظاہری اتباع یہ ہے کہ ہر عضو حضور صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کا مظہر ہو ؎

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

اس آیت میں محبت کو اتبعونی سے بیان کیا۔ اور اَتَّبِعُوْا کو تُحِبُّوْنَ سے یعنی محبت بھی تین طرح کی ہے۔ محبت مع عظمت، جیسے اولاد کو والد سے۔ اور محبت مع تحقیر، جیسے والد کو اولاد سے، جس کو مامتا کہتے ہیں۔ محبت مساوات کے ساتھ۔ جیسے شوہر کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے اَتَّبِعُوْنِیْ نے بتایا کہ محبت مع عظمت درکار ہے جس میں اتباع ہوتی ہے۔ محبت کا دعوے کر کے برابری کا دم نہ بھرنا ہے ؎

قل کہہ کر اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی ۔ اتنی ہے تیری گفتگو اللہ کو پسند!

قل فرما کر اشارۃً فرمایا کہ اے محبوب کلام تو ہمارا ہے۔ مگر زبان تمہاری چاہیئے۔ ہمارا پیغام اپنی زبان سے بندوں تک پہنچا دو۔ کیونکہ بغیر تمہاری زبان سے ادا ہوئے مخلوق کے لئے واجب العمل نہیں۔

وعظ نمبر ۴

ختم نبوت کا بیان

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی۔ بعد میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا۔ سبحان اللہ تمام عورتوں سے تو نکاح زمین پر ہو۔ مگر حضرت زینب وہ خوش نصیب بی بی ہیں، کہ ان کا نکاح آسمان پر ہوا۔ رب العالمین نے کیا۔ حضرت زید چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبنٰی تھے۔ اس لئے کفار نے اعتراض کیا، کہ حضور نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ ان کو جواب دیا گیا کہ ہمارے محبوب تو کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر حضرت زید کی بیوی ان کی بہو کس طرح ہو گئیں۔ کسی کو اپنا بیٹا منہ سے کہہ دینے سے وہ بیٹا نہیں ہوتا، نہ میراث پاوے اور نہ دیگر کام مرتب ہوں۔

اس آیت میں چند فوائد ہیں:۔

(۱) سارے قرآن میں کسی جگہ حضور علیہ السلام کو اسم مبارک کے ساتھ ندا نہیں فرمائی گئی ہے

یا آدم است باپدر انبیاء خطاب
یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ خطابِ محمد است

اور نہ کہیں حضور کو اسم شریف سے یاد فرمایا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف سے ہی تذکرہ اور ندا ہوئی۔ بجز چار جگہ کے ایک تو یہاں، دوسرے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ تیسرے سورہ محمد وَاٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ چوتھے سورہ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ آخر یہ کیوں؟ اس لئے اگر قرآن کریم میں کسی جگہ اس طرح نہ ہوتا۔ تو قرآن پاک سے آپ کی پوری معرفت نہ ہوتی۔ کیونکہ پوری پہچان نام سے ہوتی ہے۔ اسی لئے نکاح میں زوجین کا نام لیا جاتا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ حضور تو خدا کی پوری معرفت کرائیں۔ اور خدا حضور کی معرفت ناقص فرمائے۔ نیز اس لئے کہ قرآن نے ایمان مکمل سکھایا اور ایمان کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام جاننا ضروری ہے۔ اسی لئے کلمہ طیبہ میں نام ہی آتا ہے۔ اگر کوئی بجائے نام کے اور کسی وصف سے کلمہ پڑھے۔ اور آپ کا نام نہ جانے۔ تو مومن نہ ہوگا (روح البیان یہ ہی مقام) لہذا تکمیل ایمان کے لئے اسم مبارک آنا ضروری تھا۔ نیز اگر صراحتاً نام پاک نہ آتا۔ تو کوئی بددین کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ قرآن حضور پر نہ آیا، بلکہ ان صفات کا بزرگ کوئی اور تھا۔ کسی اور ملک میں تھا۔ اس لئے صاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بیان فرمایا گیا۔ کہ کسی بددین کو اس کا موقعہ نہ ملے۔ چونکہ لفظ محمد میں حرف بھی چار ہیں اسی لئے چار ہی مقام پر اسم پاک بیان فرمایا گیا۔

(۲) اسماء پاک مصطفےٰ علیہ السلام اسماء الٰہیہ کی طرح بہت ہیں۔ حتیٰ کہ روح البیان نے دونوں اسم ایک ایک ہزار فرمائے ہیں مگر اسم ذات محمد یا احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ لفظ محمد کو اسم ذات الٰہیہ کے ساتھ بہت مناسبت ہے۔ وہاں حرف (۴) میں حرکتیں (۳) اور تشدید ایک۔ یہاں بھی یہ ہی ہے۔ البتہ وہاں تشدید پر کھڑا زبر ہے۔ مگر یہاں نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بادشاہ یہ وزیر اعظم۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں حرف بارہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں بھی بارہ حرف، اسی طرح ابوبکر الصدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان ابن عفان علی ابن ابی طالب (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کہ سب میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے ناموں میں بھی مناسبت ہے، اور کاموں میں بھی۔

(۳) لفظ محمد کے عدد ۹۲ ہیں جس میں دہائی کا ۹ ہے اور اکائی ۲۔ ۹ کا خاصہ ہے، کہ دو اکائیوں سے مل کر ہمیشہ ۹ بنے گا۔ جیسے کہ ۱+۸ اور ۲+۷ اور ۳+۶ اور ۴+۵ اسی طرح سارے پہاڑے میں کبھی فنا نہ ہوگا ؎

تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے ۹ کا سدو بنا!
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

اس ۹ میں اشارہ اس جانب ہے، کہ جو فانی فی الرسول ہو وہ باقی ہو جاتا ہے۔ اکائی دو کی اس لئے کہ ان کا درجہ دوسرا ہے۔

نیز نانک صاحب نے ایک وجہ اور بھی بیان کی ہے وہ کہتے ہیں ؎

نام لیو جس کس کو تو کر دو چوگنا تا + دو ملا و پچگن کر کا ٹو بیس ۲۰ بنا!
نانک بچے سو ۹ گنے اس میں اور ملا + اس بدھبر کے نام سے نام محمد بنا

نیز اس کے عدد ابجد۔ (میم) (حا) (میم) (میم) (دال) کے حساب کے کل ۳۱۴ ہوتے ہیں۔ اور یہی عدد انبیاء ہے۔ ایک روایت کی رو سے یعنی کل پیغمبر ۳۱۳ ہیں۔ یا ۳۱۴۔

(۴) اس نام سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ علیا اور برزخ کبریٰ ہیں۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبرے میں ہے حرف تشدد کا

کہ جب لفظ اللہ بولو۔ دونوں لب دور ہو جاتے ہیں۔ اور لفظ محمد بولو تو لب سے لب مل جاتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو، کہ اللہ تمام مخلوق سے علیحدہ اور اعلیٰ ہے۔ مگر اب اگر نیچے والے اس اعلیٰ سے قرب چاہتے ہو۔ تو دامن مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پکڑیں۔ جس طرح کہ لفظ محمد نے زیریں لب کو اعلیٰ لب سے ملا دیا، اسی طرح وہ ذاتِ کریم پستی والوں کو رب اعلیٰ سے قریب کرتے ہیں۔ اور ملاتے ہیں۔ کیا ہی میٹھا نام ہے۔

(۵) عبدالمطلب نے بالہام فرشتہ حضور کا نام رکھا۔ محمد۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کہ آپ کے خاندان میں تو کسی کا نام آج تک ایسا نہ ہوا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں امید کرتا ہوں۔ میرے اس بچہ کی تمام دنیا تعریف کرے گی۔ محمدؐ کے معنے ہیں۔ بہت تعریف کیا ہوا۔ حضورؐ کی تعریف ہر طرح ہوتی ہے۔ آپ کے عقائد کی تعریف، اعمال کی تعریف، اخلاق کی تعریف۔ حسن و جمال کی تعریف۔ حلم و علم و عدل و کرم کی تعریف غرضکہ ہر وصف کی تعریف ہوتی ہے۔ اور ہر جگہ ہوتی ہے۔ فرش پر۔ عرش پر مقامِ محمود میں، کوثر پر، اور ہر ایک تعریف کرتا ہے۔ انسان، جن و ملائکہ، شجر و حجر، بحر و بر۔ کوہ و جبل سے

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہِ امم

تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم

روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔

(۶) جس کے لڑکیاں ہی ہوتی ہوں۔ کوئی بیٹا نہ ہو، یا اولاد زندہ نہ رہتی ہو۔ تو بجالت حمل نیت کرے۔ کہ میں اپنے اس بچہ کا نام محمد رکھوں گا۔ خدا چاہے تو بیٹا ہوگا۔ اور زندہ رہے گا۔ اسی طرح حاملہ عورت کے پیٹ پر روزانہ انگلی سے لکھ دیا کریں هٰذَا الْبَطْنُ فَاسْمُهٗ مُحَمَّدٌ۔ جس دستر خوان پر محمد نام کا آدمی ہوگا۔ کھانے میں برکت ہوگی۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے بیٹے کا نام محمد رکھے، وہ جنتی ہے، حضرت سلطان محمود نے ایک بار ایاز کے بیٹے کو جس کا نام محمد تھا، نام لے کر نہ پکارا، بلکہ ابن ایاز کہا، ایاز نے عرض کیا۔ کہ آج غلام سے کیا قصور ہوا، کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ میں اس وقت بے وضو تھا۔ اور تیرے فرزند کا نام محمد ہے۔ ادباً یہ نام نہ لیا۔ ایک شخص نے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں سو برس کی عمر میں گناہ کر لیا۔ لوگوں نے دفن نہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ کہ آپ اس کو نماز پڑھ کر دفن کریں، کیونکہ اس نے توریت میں لفظ محمد کو دیکھ کر چوما تھا۔ اسی لئے۔ اذان میں لفظ محمد پر انگوٹھے چومتے ہیں۔ کہ سنت حضرت آدم ہے۔ اور شامی میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

(۷) اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ کہ حضور علیہ السلام کو باپ کہہ کر پکارے، چہ جائیکہ بھائی کہنا، قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جن القاب سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، آبا

بھتیا۔ چچا وغیرہ کہہ کر نہ پکارو۔ نیز باپ کی اولاد حرام ہوتی ہے، اور باپ کی میراث کا حقدار بیٹا ہوتا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کی نہ تو اولاد حرام، اور نہ کوئی حضور کی میراث پاوے کَمَا فِی الْحَدِیْثِ نیز باپ کی گواہی اولاد کے حق میں قبول ہی نہیں۔ اور حضور امت کے گواہ ہیں وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا اس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام مردوں کے والد نہیں۔ یہ ظاہری احکام تھے۔ ورنہ حقیقت میں تو تمام دنیا کے باپ ان کے قدم پر قربان۔ جہاں باپ بیٹے کو نہ پوچھے۔ وہاں آپ مدد فرمادیں۔

جب ماں اکلوتے کو بھولے ٭ آ آ کہہ کے بلاتے ہیں یہ !!

نبی امت کے لئے حکمی والد ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کی بیبیاں سب پر حرام ہیں۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہمارے نبی جسمانی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ ہاں روحانی حیثیت سے خاتم النبیین ہیں یعنی روحانی والد۔ اسی لئے آپ کی اولاد ذکور باقی نہ رکھی گئی۔ کہ اگر رہتی تو نبی ہوتی۔ اور حضور ہیں۔ خاتم النبیین، نیز ان کی میراث اسی لئے تقسیم نہیں ہوتی۔ کہ اگر دی جاوے۔ تو قیامت تک کے مسلمانوں کو اور یہ غیر ممکن ہے۔ اگر بعض کو دی جاوے تو اولاد روحی تو سب تھے۔ بعض کو میراث کیوں دی گئی۔ اس لئے حضور پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ زکوٰۃ اولاد کو دینا جائز نہیں۔ کہ اگر مسلمانوں کو زکوٰۃ دیں۔ تو وہ حکمی اولاد ہیں۔ اور اگر کفار کو دیں، تو وہ کافر ہیں۔ زکوٰۃ کے مصرف نہیں، ختم کے معنی مہر کے ہیں، یا انتہا کے، مہر بھی آخر میں لگتی ہے۔ نیز مہر لگنے کے بعد کوئی چیز پارسل وغیرہ میں نہیں داخل ہو سکتی۔ حضور آدم و من سواہ سے مقصود ہیں۔ اور مقصود شے کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ مگر وجود میں شے کے بعد جیسے کہ جلوس تخت کے لئے یا پھول درخت کے لئے۔ اسی لئے حضور اول بھی ہیں اور آخر بھی هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ دیکھو خطبہ مدارج، نیز

متغیر شئے کی انتہا ضروری ہے۔ جیسے کہ بڑھاپا جسم انسانی کے لئے۔ نبوت انبیاء میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اس کی انتہا حضور علیہ السلام پر ہوئی۔

وعظ نمبر ۵

خدا کا دروازہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

مریض کو چاہیئے کہ شفا کے لئے طبیب کے پاس جاوے، اور نسخہ استعمال کرے اس آیت میں بیماران گناہ کو طبیب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دار الشفا میں بھیجا گیا ہے۔ جس دار الشفا کا یہ حال ہے۔ کہ بیمار آتے ہیں۔ تو کوئی صدیق بن کر، کوئی فاروق اور کوئی ذوالنورین اور کوئی حیدر کرار اسد اللہ بن کر نکلتا ہے۔ جس شخص کو جس جگہ تبلیغ کے واسطے بھیجا جاتا ہے۔ وہ اس سرحد میں پہنچ کر وہاں کی زبان سے خودبخود واقف ہو جاتا ہے۔ دیکھو خرپوتی۔

اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

(۱) ھُمْ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص کو وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ ظَلَمُوْٓا کے عموم سے معلوم ہوتا ہے، کہ کسی قسم کا ظلم ہو، شرک ہو، کفر ہو، ارتداد ہو، کوئی بھی گناہ ہو، وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ یہ شفاخانہ نہیں کہ جہاں صرف آنکھ، کان

یا ہاتھ پاؤں کا علاج ہو یہ وہ دارالشفا ہے۔ کہ یہاں، دل، جگر، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ سب کا ہی علاج ہوتا ہے۔ ایک جاری دریا ہے۔ کہ کیسا ہی میلا آدمی آوے۔ جہاں غوطہ لگایا۔ صاف ہو گیا اِذْ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف زندگی پاک میں ہی نہیں تھا۔ بلکہ قیامت تک کے بیماروں کو اعلان عام ہے، کہ حاضر ہوں اور شفا پائیں یہ شفاخانہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

(۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ بعد وفات بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی اُمت کے احوال کی خبر رہتی ہے۔ ورنہ کیا قرآن کریم الیسی بارگاہ میں بھیجتا ہے۔ جس کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا، کہ بعد وفات بھی ارواح مقدسہ فیض پہنچاتی ہیں۔

(۳) جَآءُوْكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ معافی گناہ کے لئے حاضری بارگاہ ضروری ہے۔ لیکن ہر شخص کو وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں۔ اور ان کی وسعت رحمت سے بعید ہے کہ صرف اہل مدینہ اہل دولت جو وہاں پہنچیں۔ ان تک ہی رحمت محدود ہے۔ تو وہ ایسے کریم ہیں۔ کہ عورتوں کے مجمع میں جب بچوں کے مرنے پر صبر کرنے والوں کا ثواب بیان فرماتے ہیں۔ تو ایک بی بی جس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا تھا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ اس کو جنت میں پہنچانے والے ہم ہیں۔ لہذا اس آیت میں جَآءُوْكَ سے مراد حاضری قلب ہے ابوجہل باوجود مکہ میں رہنے کے دور رہا۔ حضرت اویس قرنی باوجود یمن میں رہنے کے نزدیک رہے۔ اپنی اولاد کتنی دور ہو۔ مگر دل میں رہتی ہے۔ دشمن کیسا ہی نزدیک ہو۔ مگر دور ہے ؎

گرچہ صد مرحلہ دورم زبر پیش نظرم ✽ وَجْهُهٗ فِیْ نَظَرِیْ كُلَّ غَدَاةٍ وَّ عَشِیْ

دوران باخبر در حضور ✽ نزدیکان بے بصر دور

حَدِیۡثُ مَدِیۡنَتُنَا کِیۡرٌ یَنۡفِیۡ خُبۡثَہٗ کَمَا یَنۡفِی الۡکِیۡرُ خُبۡثَ الۡحَدِیۡدِ
سے یہ ہی مراد ہے۔ کہ اگر کوئی خبیث مدینہ پاک میں مر بھی گیا تو بعد دفن نکال دیا جاوے گا۔ جیساکہ محمد حسین نے حضرت شاہ عبدالحق مہاجر الہ آبادی سے دریافت کیا، اور خواب میں جنت البقیع میں یہ ہی معاملہ دیکھا۔ اور جون پور کے لڑکوں کا واقعہ، کہ ایک ڈپٹی بنا۔ اور ایک معمولی مدرس۔ ڈپٹی صاحب حج کو گئے۔ مولوی صاحب کو نہ لے گئے۔ وہ انگریز کے گھر جسکی بیوی مسلمان تھی۔ لڑکی کو پڑھانے کے لئے نوکر ہو گئے۔ پھر جو یہ حج کو گئے۔ تو دیکھا کہ مدینہ منورہ میں ڈپٹی صاحب کی قبر میں تو وہ لڑکی ہے اور جون پور میں اس لڑکی کی قبر میں ڈپٹی صاحب۔

(۴) بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ بعد فجر مصافحہ کرنا منع ہے۔ کہ مصافحہ تو ملاقات کے وقت چاہیئے۔ یہ وقت رخصت ہے۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ ملاقات ہوتی ہے غائب کے بعد۔ غائب ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ نمازی لوگ اگرچہ ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ مگر روحاً غائب ہیں۔ ان پر کلام، طعام وغیرہ سب حرام۔ اسی لئے نماز کے سلام میں حکم ہے کہ امام تو مقتدیوں کو سلام کی نیت کرے۔ اور مقتدی امام اور دیگر لوگوں کی۔ کہیئے سلام کیسا ہے؟ یا یہ بھی ملاقات کے وقت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا، کہ یہ لوگ کہیں سے آ رہے ہیں۔ لہذا سلام بھی ہوا، اور مصافحہ بھی۔

(۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ شفاعت کے سب محتاج ہیں کیونکہ گناہ تو خدا کا کیا۔ مگر حاضر کیا گیا۔ بارگاہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اور فرمایا گیا۔ وَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَہُمُ الرَّسُوۡلُ یعنی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی

چاہیں اور آپ بھی ان کی شفاعت میں اپنے لب کو جنبش دیں۔ تو خدا ان کی مغفرت فرمادے گا۔ معلوم ہوا کہ صرف اعمال کافی نہیں۔ کیونکہ استغفار بھی تو ایک عمل تھا۔ مگر ان کے باوجود حاضری بارگاہ ضروری ہے اس آیت سے معلوم ہوا، کہ صرف اعمال کا وسیلہ کافی نہیں۔ اعمال تو مغفرت کا وسیلہ ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول اعمال کا وسیلہ ہیں۔

(۴) اس سے بزرگان دین سے مدد مانگنے کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ دنیا میں محتاج غنی سے، مریض طبیب سے۔ رعایا بادشاہ سے مدد مانگتے ہیں۔ آقائے دوجہان سخی داتا ہیں۔ اور ہم ان کے محتاج۔ تو کیا وجہ ہے؟ کہ ان سے استمداد نہ کی جاوے اسی لئے حضرت ماعز نے خطاب کر کے عرض کیا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طَھِّرْنِیْ۔ حضرت ربیعہ ابن کعب سلمی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سل! کچھ مانگو عرض کیا۔ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّۃِ حضور کا دروازہ رب کا دروازہ ہے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر ہی سوال کیا جاتا ہے۔ اسی لئے گناہ تو کیا خدا کا۔ اور بھیجا گیا باب مصطفےٰ پر صلی اللہ علیہ وسلم

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہوں یہیں آ کے ہوں جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
گر با منی دور میں پیش منی ٭ گر بے منی و پیش منی در یمنی:

جَاءُوْكَ فرمایا، یہ نہ کہا کہ مدینہ میں آویں، اور نہ کہا عندک۔ جس سے معلوم ہوا کہ جب گردن جھکا کر گنہگار متوجہ ہوا۔ حاضر ہوگیا نیز آقا ہر مسلمان کے پاس ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ دل میں ہیں۔ اسی لئے خالی گھر میں جاوے تو آقا پر سلام کہے۔ مگر جو آقا سے غائب ہیں۔ حکم دیا گیا۔ تم بھی حاضر ہو۔ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں

کر وہ گنہگار آپ کے پاس آکر اللہ کو پالیتے اور پاتے۔ کس صفت سے۔ قہاریت سے نہیں۔ جباریت سے نہیں۔ بلکہ صفت توابیت سے۔ تو وجد بمعنے اصاب سے۔ متعدی بہ یک مفعول تَوَّابًا رَّحِیْمًا حال، اللہ کو بھی پایا مولےتری گی ہیں +

وعظ نمبر ۶

فضیلت درود شریف

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ الآیۃ۔

قرآن کریم نے بہت سے احکام دیئے۔ لیکن کبھی یہ نہ فرمایا کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں فرشتے بھی یہ ہی کرتے ہیں اور تم بھی ایسا کرو مگر درود پاک کا حکم کیسا ہے۔ کہ اس کے لئے یہ سب کچھ فرمایا گیا۔ بات یہ ہے، کہ جس چیز کا حکم اہتمام سے دینا ہوتا ہے تو بادشاہ رعایا سے کہتا ہے۔ کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں، ہمارے ارکان دولت بھی اور اے رعایا تم بھی کرو۔ نیز ایسا کوئی کام نہ تھا۔ جو خالق کا بھی ہو اور مخلوق کا بھی۔ ہمارے کاموں سے رب پاک ہے۔ اس کے کام ہم نہیں کر سکتے۔ نماز۔ روزہ، حج۔ زکوٰۃ ہمارے کام ہیں۔ اور پیدا کرنا، مارنا، روزی دینا رب کا کام ہے۔ ہاں درود شریف ہی ایسا کام ہے، جو رب کا بھی ہے اور مخلوق کا بھی۔ اسی لئے حکم سے پہلے اپنا ذکر فرمایا۔ حضور وہ چاند ہیں، جس پر خالق کی نظر ہے، اور مخلوق

جی اُسے تکے۔

اس آیت میں اولاً انزال رحمت کی خبر ہے۔ بعد میں دعائے رحمت کا حکم، اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو حاصل نہ ہو۔ جب ہر دم اور ہر آن رحمت کا نزول ہو رہا ہے جیسا کہ یہ جملہ دوام استمراری تجددی کو چاہتا ہے۔ تو اب اس کے لئے دعا کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ فقراء کا قاعدہ ہوتا ہے کہ غنی کے دروازے پر جا کر صاحب خانہ کے جان و مال کی دعا کرتے ہیں۔ غرض سوال ہوتا ہے۔ اسی طرح حکم دیا گیا۔ کہ اے فقیرو! جب ہماری بارگاہ میں آؤ۔ تو ہم اولاد سے پاک ہیں۔ گھر بار سے پاک۔ ہاں ایک ہمارا محبوب ہے۔ اس کی خیر مانگتے ہوئے آؤ۔ تو جن رحمتوں کی ان کے اوپر بارش ہو رہی ہے تم پر بھی ایک چھینٹا مار دیا جاوے گا۔ تمہارا بھلا ہو جاوے گا۔

درود شریف کیوں پڑھتے ہیں۔ چند وجہ سے۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ اگر تم کسی کے گھر دعوت کھانے جاؤ۔ تو صاحب خانہ کو دعا کرو۔ معلوم ہوا کہ احسان کا شکریہ دعا بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کروڑوں احسان ہیں، اس کا شکریہ یہ دعا ہے، جو کہ درود پاک میں ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ جو شخص نام پاک سنے اور درود نہ پڑھے۔ وہ بخیل ہے۔ جب کوئی درود پڑھتا ہے۔ تو فرشتے ہدیہ کے طور پر اس کا درود بارگاہ عالی میں یوں کہہ کر عرض کرتے ہیں کہ یا حبیب اللہ! حضور کا فلاں غلام فلاں کا بیٹا فلاں مقام کا رہنے والا ہدیہ درود عرض کر رہا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوگی۔ کہ ہم فقیروں کا نام بارگاہ بے کس پناہ میں آجائے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا۔ کہ خدائے قدوس نے مجھے فرمایا ہے۔ کہ میں تم سے قرآن پاک سنوں۔ عرض کیا۔ کہ کیا رب العالمین نے میرا نام لیا۔ فرمایا کہ ہاں تو آپ رونے لگے۔

(۴) اگر کوئی شخص کوئی دعا نہ مانگے۔ ہر وقت درود پاک پڑھا کرے۔ تو ان شاء اللہ کسی دعا کے مانگنے کی حاجت ہی پیش نہ آوے گی۔ کوئی دعا اور نماز بغیر درود قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے دعائیں بیچ میں ہوتی ہیں۔ آس پاس درود شریف، کیونکہ اصل میں تو درود قبول ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت سے امید ہے کہ وہ بیچ کی دعا کو بھی رد نہ فرما دے۔

(۵) نماز میں التحیات اور درود پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور کے خیال سے نماز نہیں جاتی۔ بلکہ نماز ان کے ذکر کے بغیر ہوتی ہی نہیں اس لئے کہ التحیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے۔ اور درود میں حضور کے لئے دعائیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان سے خطاب نہ ہو۔ ان سے کلام ہو۔ اور ان کا خیال نہ آوے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ نمازی یہ خیال کرے کہ حضور کو سلام عرض کر رہا ہوں۔ اور حضور خود سن رہے ہیں۔ کیوں کہ حقیقت عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نمازی کو حضور طلب فرما دیں۔ تو اس پر واجب ہے کہ نماز چھوڑ کر اطاعتِ مصطفےٰ کرے۔ صلی اللہ علیہ وسلم یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِذَا دَعَاکُمْ عام ہے۔ نیز ان تمام امور سے نمازی کی نماز نہ جاوے گی۔ کیونکہ اس نے کلام کیا۔ تو ان سے کیا۔ جن سے کلام کرنا نماز میں واجب ہے۔ اور کعبہ سے منہ پھرا۔ تو کدھر پھرا۔ جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔

(۶) تمام دعاؤں سے تو حاجتیں ملتی ہیں۔ اور درود سے حضور ملتے ہیں جو حاجات

پوری فرمانے والے ہیں۔ ایک بار محمود نے حکم دیا۔ کہ یہاں کی ہر چیز تم لوگ لوٹ لو۔ سب تو مال لوٹنے میں مشغول ہوئے۔ مگر حضرت ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا سلطان نے کہا۔ کہ ایاز تم سامان کیوں نہیں لوٹتے۔ عرض کیا میں نے تو حضور کو لے لیا جب مجھے آپ مل گئے۔ تو سب کچھ مل گیا۔ ؎

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں

ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

(۷) سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ایک شخص پر قرضہ قابو سے زیادہ ہو گیا۔ اس نے اپنی بے بسی دیکھ کر درود شریف کی کثرت کی۔ خواب میں زیارت سے مشرف ہوا۔ حکم ملا کہ سلطان کے پاس جا کر کہو، کہ حضور فرماتے ہیں میرا قرضہ ادا کر دو۔ اور نشانی یہ ہے کہ تم تکبیر فجر سے پہلے درود پڑھتے ہو جس کی کسی کو خبر نہیں، وہ قبول ہے۔ وہ سلطانی دربار میں گیا۔ اور اپنا خواب سلطان سے عرض کیا۔ سلطان وجد میں آکر اس کا ایسا طواف کرنے لگا۔ جیسا حاجی کعبہ کا۔ پھر اس شخص نے اپنے قرضہ کا قصہ بیان کیا بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا۔ کہ اس کا سارا قرضہ ہماری طرف سے ادا کر دو۔ خزانچی نے وجہ پوچھی تو بادشاہ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ خزانچی نے عرض کیا۔ کہ یہ قرضہ میں ادا کروں گا۔ قاضی کو خبر ملی۔ تو وہ بولا یہ قرضہ میں ادا کروں گا۔ قرض خواہوں نے سنا تو کہا کہ ہم قرضہ معاف کرتے ہیں۔ غرض کہ قرض معاف ہوا۔ اور اتنی جگہ سے روپیہ ملا۔ کہ یہ شخص بہت مالدار ہو گیا۔ ؎

جب آ گئی ہیں جوش رحمت پر ان کی آنکھیں

جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں!

نیز سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک شخص کو حج میں ہر جگہ درود پڑھتے ہوئے دیکھا۔ سبب دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ اس کا باپ راہ میں فوت ہوگیا تھا۔ منہ سیاہ ہوگیا۔ یہ جنگل میں تنہا پریشان تھا۔ کہ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا سرکار نے توجہ فرما کر میت کو اچھا فرمایا۔ انہوں نے دریافت کیا ارشاد ہوا، کہ تمہارا باپ سخت مجرم تھا۔ مگر درود شریف کثرت سے پڑھتا تھا (روح البیان) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ درود پڑھتے ہیں۔ مگر خصوصیت سے ستر ہزار فرشتے دن بھر، اور اتنے ہی رات بھر ہمیشہ روضہ مطہر پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ بعض موقعہ پر درود شریف پڑھنا منع بھی ہے۔ اسی طرح غیر انبیاء پر درود مستقلاً پڑھنا منع ہے صَلُّوْا کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر طرح درود پڑھنا جائز ہے۔ اگر منقول افضل جیسے کلوا واشربوا کے عموم سے ہر کھانے کی حلت ثابت ہے اگرچہ طعام منقول جو کی روٹی وغیرہ کھانا افضل ہے اسی طرح دوائیں اور سواریاں ہیں۔ کہ منقول افضل غیر منقول جائز۔ درود شریف کی برکت سے بگڑے کام اچھے اور اچھے کام بہت ہی اچھے ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے ہر دوا کے اول اور آخر درود شریف پڑھنا چاہیئے مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔ اور کیوں بیٹھتی۔ وہ ہر جائی ہے۔ گندی جگہ بھی بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس بارگاہ میں ہر جائی کا کام نہیں۔ اسی طرح جو شخص ہر مجلس کی زینت بن جاتا ہو۔ اچھی بری ہر صحبت میں بیٹھتا ہو وہ بھی یہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ مگر شہد کی مکھی حاضر بارگاہ ہوتی تھی کبھی لباس شریف پر قربان ہوتی۔ کبھی جسم پاک پر تصدق ہوتی۔ ایک بار شہد کی مکھی حاضر خدمت تھی۔ اس سے سوال فرمایا۔ کہ اے مکھی یہ تو بتا کہ تو شہد

کس طرح بناتی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ یا حبیب اللہ ہم نیلا چنبیلی۔ گلاب، جوہی وغیرہ ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستے ہیں اور جب اپنے گھر آکر اگل دیتے ہیں۔ تو وہ شہد ہوتا ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ ان پھولوں کا رس تو پھیکا ہوتا ہے۔ اور شہد میٹھا، یہ بتا کہ ان پھیکے رسوں میں شیرینی کہاں سے آتی ہے، اس نے جواب دیا سے

گفت چوں خوانیم بر احمد درود ✽ می شود شیرین و تلخی را ربود

یا حبیب اللہ ہمارے پیٹ یا منہ میں شکر نہیں ہے۔ بلکہ ہم جب گلشن سے پھول چوس کر چلتے ہیں۔ تو آپ پر درود شریف پڑھتے ہوئے اپنے گھر آتے ہیں۔ شہد کی یہ شیرینی اس درود پاک کی برکت سے ہے۔

سبحان اللہ جب درود شریف کی برکت سے پھولوں کے پھیکے رس میٹھے بن سکتے ہیں۔ تو ہم گنہگاروں کو بھی امید ہے۔ کہ درود شریف کی برکت سے ہمارے پھیکے روکھے اعمال شیریں اور قابل قبول ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ وہ منہ عطا فرماوے۔ جس کے درود کی یہ تاثیر ہو۔ ایک ہی غذا کسی کے منہ میں پہنچ کر شہد بنتی ہے۔ اور کسی کے منہ میں پہنچ کر زہر ہو جاتی ہے۔ رب تعالیٰ اعمال خیر کی توفیق دے۔ آمین۔

وعظ نمبر ۷

اتفاق کی فضیلت

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

حضرت انسان کے سوا تمام جانور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ہر طرح یکساں پیدا کئے گئے۔ بکری۔گائے۔کوّے۔مینڈک وغیرہ غرضیکہ تمام چرندوں پرندوں کا رنگ آواز، بولی، خوراک میں ساری دنیا میں یکساں، جو رنگ اور بولی، غذا جہاں کے کوّے کی ہے۔ وہ ہی دوسرے ملکوں کے کوّوں کی ہے۔ غرضیکہ اُس واحد نے اپنی شانِ وحدت کا ان تمام جانوروں کو مظہر بنایا۔ کہ ہر جگہ ایک ہی رنگ و جلوہ ہے۔ جو لاٹ صاحب کی بکری کھاتی ہے۔ وہ ہی غریبوں کی بکری بھی کھاتی ہے۔ غرضیکہ تمام جانور ہر جگہ ایک ہیں۔ ہاں حضرت انسان ہی وہ ذات ہے جو كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ کی مظہر ہے۔ ان میں رنگ زبان، اور خوراک، لباس، طرز معاشرت غرضیکہ ساری ہی چیزیں ملک اور موسم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود منظور الٰہی یہ تھا۔ کہ اس جماعت انسانیہ میں یک جہتی پیدا ہو۔ اور تمام رنگ برنگے انسان ایک نظر آنے لگیں۔ ان کو ایک کرنے کے لئے اس ایک نے اپنا ایک محبوب بھیجا جو بے مثل و بے نظیر ہے ؎

بے مثلی حق کے مظہر ہو، پھر مثل تمہارا کیونکر ہو

نہ کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی ہمپایہ پایا

یہ محبوب اللہ کی رسی ہیں۔ کہ ان کو پکڑ کر وہاں کی رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اور اس لئے آئے ہیں۔ کہ بکھروں کو جمع فرمادیں۔ جیسے بکھرے ہوئے سامان کو ایک رسی جمع کر دیتی ہے۔ اس مناسبت سے ان کو حبل اللہ فرمایا گیا۔ حضرت بوصیری فرماتے ہیں ؎

دَعَا اِلَى اللهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ

مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمٖ

اس اللہ کی رسی نے بکھرے ہوؤں کو ایک کر دیا۔ جس طرح اعضاء بدن، صورت اور کیفیت میں جداگانہ ہیں۔ ہر ایک کا کام علیحدہ ہے۔ مگر رشتہ روح نے ان تمام کو ایسا ایک کر دیا کہ اگر پاؤں میں چوٹ لگے۔ تو سر کو خبر ہو جاوے۔ مگر بعد مرون چونکہ رشتہ روح کھل گیا اب سر پر چوٹ مارو تو آنکھ کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ نے اسی حَبْلُ اللّٰہِ یعنی دین اللہ اور رسول اللہ کو پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مسلمان کو اتفاق ضروری ہے۔ مگر کس چیز پر اسلام پر تنظیم اسلامی ضروری ہے۔ غیر مسلم اگر باپ بھی ہو تو ہمارا اپنا نہیں۔ مسلمان غیر بھی ہو۔ وہ ہمارا بھائی ہے

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ٭ فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

مسلمان آپس میں مثل شہد کے ہیں۔ کہ شہد کا ہر قطرہ علیحدہ پھول کا رس ہے۔ مگر اب سب کو شہد کہا جاتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ گلاب کا رس ہے۔ اور یہ چنبیلی کا۔ اسی طرح اس آقائے دوجہان نے حبشہ سے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا لیا۔ اور روم سے حضرت صہیب کو۔ فارس سے حضرت سلمان کو۔ غرض کہ ہر ملک کے لوگوں کو اس طرح شیر و شکر کر دیا۔ کہ کوئی ملکی اور قومی فرق ہی نہ رہا ہے

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا ٭ نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا!

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی ٭ زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

مختلف لکڑیاں جل کر راکھ کہلاتی ہیں۔ ہر قوم کے لئے اتحاد و اتفاق ضروری ہے جھاڑو کی تھوڑی سی سینکیں بہت سے غیر منظم کوڑے کو جھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ تشریف فرما کر پہلا جو کام کیا۔ وہ عقد مواخات تھا۔ آج بھی جیسی تنظیم اسلامی میں ہے۔ کسی قوم میں نہیں۔ عیسائیوں کا قبرستان گرجا علیحدہ علیحدہ

ان میں قومیت کا بڑا فرق۔ مگر اسلام میں سب غریب و امیر ایک ہیں۔ مسلمانوں کا خدا ایک ایک رسول۔ قرآن ایک، کعبہ ایک۔ تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان ایک نہ ہوں۔ ہماری مسجد، قبرستان سب ایک ہے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

قومی اور نسبتی فرق صرف پہچان کے واسطے ہے۔ نہ کہ عزت اور ذلت کے لئے جیسے سمندر کا پانی مختلف دریاؤں میں پہنچ کر گنگا اور جمنا کہلاتا ہے۔ سادات کرام تو بیشک ہمارے شاہزادے ہیں۔ کہ ان کے لئے روایات میں آگیا کہ کُلُّ نَسَبٍ وَّسَبَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا نَسَبِیْ وَسَبَبِیْ اسی لئے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضرت کلثوم بنت زہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نکاح کیا۔ باقی تمام اقوام اسلام مساوی ہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یہاں رسی کہا۔ چادر نہ کہا۔ کیونکہ رسی سے اوپر چڑھتے ہیں۔ گرتے وقت پکڑتے ہیں۔ جھاڑو اسی سے بندھ کر بہت کوڑے کو دفع کرتی ہے۔ اس سے کشتی چلتی ہے۔ بخلاف چادر کے کہ اس میں بہت سی چیزیں بندھ تو جاتی ہیں۔ مگر ان میں قوت نہیں آتی۔

وعظ نمبر ۸

کوثر کی تحقیق و اولاد رسول کے فضائل

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (الآیتہ)

حضرت ابراہیم یا حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال ہوا۔ تو عاص ابن وائل کافر نے اپنی قوم سے ایک دن کہا کہ میں ان ابتر کے پاس سے آرہا ہوں۔ معاذ اللہ۔ ابتر کے معنے ہیں منقطع النسل۔ نیز کافروں کا خیال تھا کہ حضور کی وفات شریف کے بعد کوئی ان کا نام لیوا نہ ہوگا۔ یہ خبر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار ہوئی۔ تو خاطر اقدس پر کچھ ملال آیا۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب ہم نے تو آپ کو کوثر دے دیا۔ اب اس کے شکریہ میں نماز و قربانی ادا فرمادیں۔ آپ کا بدگو ہی ابتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بارگاہ الٰہی میں حضور کی وہ عزت ہے۔ کہ اگر کوئی گستاخ اپنی گستاخی سے حضور کو ایذا پہنچائے۔ تو بذلئے قدوس کو ایذا ہوتی ہے اور رب تعالیٰ خود اس کا جواب دیتا ہے۔ جیسا کہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ سے ثابت ہے کہ اس کے آگے پیچھے کی سورتوں میں قل ہے مگر یہاں قل نہ فرمایا۔ بلکہ خود جواب دیا۔

یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ اس کافر نے تو ابتر کہا تھا۔ جواب میں فرمایا گیا۔ کہ ہم نے آپ کو کوثر دیا۔ آخر اس سے مناسبت کیا۔ اس لئے کوثر کے معنے میں بہت توجیہیں ہیں۔ اور ہر توجیہ کی علیحدہ علیحدہ مناسبت یا تو کوثر سے مراد ذکر کثیر اور ذکر خیر۔ تو مطلب یہ ہوا۔ کہ یہ

کافر تو سمجھا کہ ذکر اور نام اولاد سے چلتا ہے۔ مگر ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ذکر کثیر عطا فرمایا کہ بغیر اولاد ذکور کے ہی تمام دنیا میں آپ کا ذکر رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بڑے بڑے بادشاہ، پہلوان، فقیر و امیر ہر طرح کے لوگ گزر گئے۔ مگر کسی کی ایسی تاریخ نہ لکھی گئی۔ جیسی کہ آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی وقت ولادت سے تا وقت وفات ایک ایک حال اس طرح تاریخ میں آگیا۔ کہ جس نے ایک تبسم کی بھی روایت کی۔ خود اس کی تاریخ لکھ گئی۔ مجنوں نے تمام عشق کی داستانیں دیوان قیس میں لکھیں۔ مگر اس نے بھی یہ نہ کیا۔ کہ کسی کو نوکر رکھ کر اپنے احوال زندگی لکھواتے۔ آخر اس میں راز کیا تھا۔ جیسے مجنوں اپنے فراق کی داستان لکھ سکتا تھا ویسے ہی وہ اپنے محبوبہ لیلےٰ کی سوانح عمری بھی تحریر کر سکتا تھا۔ مگر اس میں راز تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ لیلےٰ میری تو محبوبہ ہے۔ مجھے اس کی ہر بات پسند ہے۔ مگر دنیا کے سامنے اگر اس کے احوال زندگی پیش کئے گئے تو کوئی اعتراض کریگا۔ کوئی مذاق اڑائے گا۔ تو میں اپنے محبوب کی ذلت کا باعث بنوں گا۔ لیکن صحابہ کرام کو یقین تھا کہ یہ تو عالم کے محبوب ہیں۔ ہر شخص پسند ہی کرے گا۔ بے دھڑک احوال ظاہر کر دیئے۔ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ کہ ان کا ذکر رُکے مگر نہ رُکا نہ رُکے گا ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ٭ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

یا کوثر سے مراد اولاد کثیر ہے۔ یعنی اگرچہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ وصال فرما گئے۔ اور نسل بیٹے سے ہوتی ہے مگر آپ کو ایک صاحبزادی سے وہ نسل دی جاوے گی۔ جو قیامت تک باقی رہے گی۔ چنانچہ آج آٹھ آٹھ دس دس بیٹوں والوں کی نسلیں مٹ گئیں۔ مگر صاحبزادی والے آقا کی ایسی نسل باقی رہی۔ کہ ہر جگہ سادات کرام نظر آتے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ ہاں بدگو اپنی خبر لے۔ کہ اگرچہ وہ بیٹوں والا ہے، مگر

اس کے فرزند کو توفیق اسلام دے دی جاوے گی۔ جس سے کہ وہ حکماً اپنے باپ سے نسلاً منقطع ہو جاویں گے۔ اور وہ ابتر رہ جاوے گا۔ کیونکہ اختلاف دین سے توراث وغیرہ سب ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمرو ابن عاص مسلمان ہوئے اور باپ سے جدا ہو گئے۔ اور وہ ابتر ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ نسل پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی معظم ہے کہ خدا نے اُن کو کوثر فرمایا۔ ان کی عظمت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھئے۔ کہ آپ ایک بادشاہ کے پہلوان تھے۔ بادشاہ نے اعلان کیا تھا۔ کہ جو کوئی ہمارے اس پہلوان کو پچھاڑے اس کو بہت انعام دیا جاوے گا۔ ایک غریب سید نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا۔ کہ فاقوں سے ہم تنگ ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ جنید سے کشتی لڑوں۔ سنا ہے کہ وہ اہل بیت کا محب ہے۔ اگر وہ مجھ سے پچھڑ گیا۔ تو کافی انعام ہاتھ آوے گا۔ اور اگر میں گر گیا تو میرا کیا بگڑے گا۔ بیوی صاحبہ نے اس رائے کی تائید کی۔ سید صاحب نے شاہی دربار میں آکر عرض کیا۔ کہ جنید پہلوان سے میں کشتی لڑوں گا۔ بادشاہ نے اس کا اترا ہوا رنگ، کملایا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا کہ تم جنید سے کشتی نہیں لڑ سکتے۔ کسی اور پہلوان کو اپنی کشتی کے لئے منتخب کرو۔ مگر سید صاحب نے کہا کہ تم میرے دبلے جسم اور زرد چہرے کو نہ دیکھو میرے جوہر اکھاڑے میں نظر آئیں گے۔ غرضکہ تاریخ مقرر ہوئی، اور سارے شہر میں اعلان ہوا۔ وقت مقررہ پر شاہ و گدا۔ امیر و فقیر اور عام رعایا جمع ہو گئے۔ خود بادشاہ مع وزراء کے وہاں پہنچ گئے۔ حضرت جنید مست ہاتھی کی طرح اکھاڑے میں آگئے۔ ادھر سے سید صاحب بھی کھڑے ہو گئے، سید صاحب کو یہ خبر نہ تھی کہ کشتی لڑتے کیسے ہیں۔ آخر کار اولاً ہاتھ میں ہاتھ ملا، پھر پیچ شروع ہوئے۔ سید صاحب نے جنید کے کان میں کہدیا۔ کہ حضرت میں

پہلوان نہیں ہوں، بلکہ سید زادہ ہوں۔ غریب ہوں، ذرا خیال رکھنا۔ یہ سنتے ہی جنید کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ کچھ دیر معمولی سی کشتی لڑ کر خود چت گر گئے اور سید صاحب کو اپنے سینے پر لے لیا۔ پھر کیا تھا۔ شور مچ گیا۔ کہ مار دیا۔ مار دیا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ ہمارے پہلوان کو دھوکہ ہو گیا۔ کشتی پھر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ پھر کشتی ہوئی۔ سید صاحب نے پھر کان میں کہہ دیا کہ فاطمہ زہرا کی اولاد میں ہوں، بھوکا ہوں۔ خیال رکھنا۔ حضرت جنید نے پھر سید صاحب کو اپنے سینے پر لے لیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے سید صاحب کو بے بہا انعام و خلعت وغیرہ سے مالا مال کر دیا گیا۔ کسی نے حضرت جنید سے کہا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟ تم نے اس کے ہاتھ زور سے کیوں نہ پکڑے تم نے اس کے مقابل اپنا فن کیوں نہ دکھایا؟ آپ نے کہا کہ میں یزید نہ تھا۔ جو سید زادے پر زور دکھاتا۔ میں شمر نہ تھا۔ کہ اولاد رسول کے سینہ پر بیٹھتا۔ رات کو حضرت جنید جب سوئے۔ تو سوتے ہی تقدیر جاگ اٹھی۔ آنکھ بند ہوتے ہی قسمت کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حکم ہوا کہ جنید آج تم نے ہماری اولاد کی لاج رکھی۔ رب تعالیٰ قیامت میں تمہاری آبرو رکھے اور آج سے تم اولیاء اللہ کے سردار کر دیئے گئے۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سید حاکم کی خطا فوراً معاف کر دی۔ جس نے بے قصور آپ کے دُرے لگوائے تھے اور فرمایا کہ حضور ناراض نہ ہو جاویں۔ کہ تمہاری وجہ سے میری آل قیامت میں گرفتار ہوئی۔

کوثر سے مراد ہے عالم کثرت یعنی ماسوی اللہ سب آپ کو عطا فرمایا ہے

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اس لئے حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک لکھا دیکھا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مالک عرش آپ ہیں۔

نکتہ:۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بغیر کسی سے علم سیکھے نام پڑھ لیا۔ معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالم ہی پیدا ہوتے ہیں پھر یہ کیوں پوچھا کہ یہ کس کا نام ہے؟ جب نام پڑھ لیا۔ تو پہچانا کیوں نہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ سوال پوچھنے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ طلب کے لئے تھا۔ کہ یہ ہم کو عطا فرما دیا جاوے۔ اسی لئے عرض کیا۔ کہ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ ھٰذَا الْوَالِدَ بِھٰذَا الْوَلَدِ۔ جنت میں ہر شئے پر لکھا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اس کا خالق خدا ہے اور مالک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یا کوثر سے مراد امت کثیرہ یا حوض کوثر یا بے شمار خوبیاں ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا۔ کہ حوض کوثر پر تمام مخلوق آپ کی تعریف کرے گی۔ اگر ایک بدگو نے گستاخی کی بھی، تو آپ رنج کیوں فرماتے ہیں۔ یا ہم نے آپ کو بے انتہا اولاد یعنی امت عطا فرمائی۔ آپ ابتر کیسے ہو سکتے ہیں۔

فصل لربک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی نعمت کسی کو عطا ہو تو اس کا شکر نوافل اور قربانی سے عطا کرے۔ نعمت ملنے پر خوشی کرنا سنت انبیاء ہے راحت میں شکر اور مصیبت میں صبر چاہیئے۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدگو کسی رحمت الٰہی کا حقدار نہیں۔ آج بھی حضور کے بدگو بے اولاد دیکھے گئے۔ ان بدنصیبوں کی نسل چلتی نہیں۔ رب تعالےٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب کرے۔ آمین۔

وعظ نمبر ۹

روزہ کی فضیلت کا بیان

وَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

اس آیت کریمہ میں روزے کی فرضیت کا بیان ہے۔ مگر اس جگہ چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) رمضان شریف کیوں آتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کرے اسی لئے اس کو رمضان کہتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں کرم کرنے والا اور جلانے والا۔ یہ بھی گناہوں کو جلا دیا کرتا ہے۔ لہذا رمضان ہے۔ اس کے کل چار نام ہیں۔ رمضان، شہر الصبر، شہر المواسات یعنی بھلائی کرنا، شہر وسعت رزق۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم۔ جیسے بھٹی میں رکھ کر لوہے کا میل نکالتے ہیں۔ اسی طرح گنہگار مسلمانوں کے لئے یہ بھٹی ہے کہ ان کو صاف کرتی ہے ہاں کبھی صاف لوہے کو بھی بھٹی میں رکھتے ہیں۔ تاکہ اس کو کچھ سے کچھ کر دیں۔ مثلاً اس سے کوئی مشین کا پرزہ بنادیں۔ جس سے کہ اس کی قیمت بڑھ جاوے۔ اسی طرح نیک کار لوگ اس سے رفع مراتب پاتے ہیں۔ بھٹی میں گندا لوہا صاف ہوتا ہے۔ صاف لوہا کوئی پرزہ بنکر قیمتی ہو جاتا ہے اور سونا بھٹی میں جاکر زیور بن کر محبوب کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ ایسے ہی گنہگار روزے سے پاک ہوتا ہے۔ متقی روزے سے زیادہ پرہیزگار بنتا ہے۔ اور انبیاء و رسل کا اس سے قرب بڑھتا ہے۔

(۲) ایک بار حضرت روح الامین حاضر خدمت ہوئے۔ جس وقت حضور نے قدم پاک

منبر کے پہلے درجے پر رکھا۔ تو فرمایا آمین۔ دوسرے درجے پر فرمایا آمین۔ اسی طرح تیسرے درجے پر، فرمایا آمین، صحابہ کرام نے عرض کیا یا حبیب اللہ! آمین کس پر فرمایا گیا۔ تو فرمایا کہ حضرت جبریل نے تین دعائیں فرمائیں، جو حضور کا نام پاک سنے اور درود نہ پڑھے۔ وہ ہلاک ہو جاوے۔ جو والدین کا بڑھاپا پائے اور جنت نہ حاصل کرے۔ وہ ہلاک ہو جاوے۔ جو ماہ رمضان کو پائے اور جنت نہ خریدے وہ ہلاک ہو جاوے۔ ہم نے فرمایا آمین۔ (در منثور زیر آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ)

نکتہ: حضرت جبریل دعا کرنے کے لئے سدرہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟ اور حضور سے آمین کیوں کہلایا۔ اس لئے کہ سدرہ سے مدینہ منورہ کو وہ افضل جانتے تھے۔ کہ وہاں شاہی مقام ہے۔ اور وہ دار السلطنت ہے۔ اور دوسرے ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ہی دعا قابل قبول ہے۔ جس پر آمین مصطفےٰ کی مہر لگ جاوے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ پاک میں کیا رکھا ہے وہاں کا سفر کیوں کیا جاوے۔ وہ غور کریں۔ کہ وہاں تو وہ ہے جو سدرہ میں نہیں۔ اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام سفر کر کے وہاں آئے۔

(۳) یہ ماہ خدا کا مہمان ہمارا پاسبان اور مہربان ہے۔ چاہیئے کہ اس کی قدر کی جاوے۔ قدر یہ ہے کہ مسلمان کوشش کریں۔ کہ اس مبارک ماہ میں گناہوں اور کھیل تماشوں سے پرہیز کریں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مہمان ہم سے خفا ہو کر جاوے اور ہم وبال میں پھنس جاویں۔ قرآن میں صرف ماہ رمضان ہی کا نام لیا گیا۔ اسی طرح عورتوں میں صرف حضرت مریم کا۔ صحابہ کرام میں صرف حضرت زید کا نام صراحتاً مذکور ہوا۔ اس سے ماہ رمضان کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

۴۔ روزہ کیوں فرض کیا گیا۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ اول تو ہر شئے کی زکوٰۃ ہے

تندرستی کی زکوٰۃ بیماری، مال کی زکوٰۃ صدقہ۔ اعضاء کی زکوٰۃ حجامت، لہذا شکم سیری کی زکوٰۃ گرسنگی ہے۔ اور زکوٰۃ سے ہر چیز میں برکت ہوتی ہے۔ اسی لئے رمضان میں رزق میں برکت ہوتی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلہ رزرا ٭ چو باغبان بدرو بیشتر دہد انگورا

نیز روزہ بہت سے شکمی امراض کا علاج ہے۔ نیز بھوکے کی قدر وہ جانے جس کو کبھی بھوکا رہنے کا اتفاق ہوا ہو۔ لہذا مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا۔ کہ اگر کسی بھوکے کو دیکھیں۔ تو اپنی روزے والی بھوک یاد کر کے اس کی امداد کریں۔ جیسے کہ حج فرض کیا گیا۔ تاکہ مسافر کی قدر معلوم ہو۔ چہارم روزے میں نفس کشی ہے۔ کیونکہ بھوک سے نفس کشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مجاہدہ کرنے والے حضرات سیری سے بچتے ہیں۔ سیری سے نفس کی پرورش ہوتی ہے اور بھوک سے روح کی۔

۵۔ روزے کے بہت سے فضائل ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہوا اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ روزہ ہمارا ہے اور ہم اس کی جزا دیں گے یا اس کی جزا ہم ہیں یعنی ہم اس کی جزا ہیں۔ روزہ میرا ہے یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ میں ریا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ایک اندرونی شئے ہے۔ بخلاف دیگر عبادات کے۔ کہ وہ ظاہر طور پر ہوتی ہے۔ ان میں ریا کا احتمال ہے یا یہ مراد ہے کہ ظالم کی تمامی عبادات حقوق کے بدلے مظلومین کو دلوا دی جاویں گی۔ مگر روزہ نہ دیا جاوے گا۔ فرمایا جاوے گا۔ کہ روزہ تو خاص ہمارا ہو چکا۔ اور ساری عبادات کا بدلہ جنت۔ مگر روزے کی جزا جنت والا۔ جیسا جزاؤں میں فرق ہے ویسا ہی عبادات میں۔

۶۔ روزے میں بہت سے فرق ہوئے، اولاً صرف عاشورہ کا روزہ ہی ہوا۔ یہ شکریہ نجات حضرت موسےٰ علیہ السلام میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی یادگار اور ان پر اظہار

شکر و سرور جائز ہے۔ جیسے کہ محفل میلاد پھر ہر ماہ میں تین روزے۔ پھر ماہ رمضان مگر فدیا کا اختیار رہا۔۔ مگر سوتے ہی کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت صرمہ ابن قیس غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بھوکے سو گئے اور روزے پر روزہ رکھ لیا۔ پھر جب مزدوری کو گئے۔ تو بے ہوش ہو گئے۔ تب سحری تک کھانا حلال ہوا۔ پھر رمضان کے ماہ میں جماع حرام رہا۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک دفعہ رمضان کی رات میں جماع ہو گیا۔ حضور کی بارگاہ میں اظہار ندامت فرمایا۔ اس پر آیت وَاُحِلَّ لَکُمْ نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بڑوں کی خطا بھی چھوٹوں کے لئے عطا کا باعث ہوتی ہے۔ دنیا کا سارا ظہور حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی ایک خطا کا نتیجہ ہے چونکہ آپ کے پشت مبارک میں کفار وغیرہ کی روحیں بھی تھیں، جو کہ جنت کے لائق نہ تھیں۔ لہٰذا انہیں دنیا میں بھیجا گیا۔ کہ ان روحوں کو نکال کر پھر یہاں ہی آ جائیے۔ تو یہ کہنا کہ حضرت آدم نے ہم کو جنت سے نکالا غلط ہے۔ بلکہ ہم ان کو جنت سے باہر لائے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود ✽ کفر گیرد ملتی ملت شود !!

ایک صحابی نے مجبوراً کلمہ کفر منہ سے نکالا۔ اور بارگاہ بے کس پناہ میں آکر وجہ یہ عرض کی۔ کہ میں حضور کی مجلس پر حریص ہوں مجھے معلوم تھا کہ میرا ایک پارس موجود ہے۔ جو کہ لوہے خراب کو بھی سونا بنا دیتا ہے۔ اس لئے میں نے جرأت کی۔ تو آیت نازل ہوئی۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ یہ اس شعر کی تفسیر ہے غرضکہ ع

خطائے بزرگان گرفتن خطاست

(۷) روزہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ عام کا۔ خاص کا۔ خاص الخاص کا۔
روزہ عام یہ ہے۔ کہ صبح سے مغرب تک اپنے حلق کو کھانے پینے اور فرج کو جماع سے محفوظ رکھے اور روزہ خاص یہ ہے کہ اور اپنے تمام اعضاء ظاہری کو برائیوں سے بچائے روزہ خاص الخاص یہ ہے کہ اعضاء ظاہری اور باطنی کو حتیٰ کہ خیالات کو غیر حق سے بچائے۔ اسی لئے اس ماہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ کہ اس سے ترک دنیا کا ایک نقشہ سامنے آجاوے اور اس سے نصیحت حاصل ہو۔ دیگر عبادات میں کچھ کرنا ہوتا ہے۔ مگر روزہ نہ کرنے کا نام ہے، اور روزہ سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ادا ہوتا رہتا ہے۔

۸۔ اس ماہ میں حسب ذیل کام کرنے چاہئیں (۱) روزہ (۲) تراویح (۳) اعتکاف (۴) افطار اور سحری کے وقت دعا۔ کہ یہ وقت اجابت ہے (۵) سحری کے لئے رات کا آخری چھٹا حصّہ مستحب ہے (۶) سخاوت کہ اس ماہ پاک میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوا سے بھی زیادہ کریم ہوتے تھے۔ اور اس ماہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر۔ اور فرض کا ستر گنا ثواب ہے۔ نیز اس ماہ کے آخر میں حسرت اور افسوس کرنا کہ نعمت الٰہی کے چھن جانے پر افسوس منقول ہے۔ حتیٰ کہ عورت پر طلاق اور وفات شوہر کی صورت میں سوگ بھی ضروری کر دیا گیا۔ اسی لئے جمعۃ الوداع میں غم کے اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ جس قدر کہ وقت رہ گیا ہے۔ اس کو غنیمت جان کر عبادات میں کوشش کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امیرالمؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عید کے دن روتے ہوئے دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ نہ معلوم یہ خدا کا مہمان

مجھ سے راضی گیا یا ناراض، یہ ایسا مہمان ہے۔ کہ وائسرائے آئے تو لندن سے اعلان ہو۔ مگر یہ مہمان آئے تو آسمان سے اعلان ہو کر یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر (مشکوٰۃ) سخی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو فقیروں کو بلا کر دیں۔ دوسرے وہ جو فقیروں کے گھر جا کر دیں۔ کعبہ شریف بلا کر دیتا ہے۔ مگر ماہ رمضان آ کر دیتا ہے۔ اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ سائنے روزے کے تمام نیکیاں اہل حقوق لیں گے اس میں بھی اصل نیکی چھوڑ دی جاوے گی۔ رب کی طرف سے جو اعمال میں برکت دی جاتی ہے۔ وہ زیادتی اہل حقوق لیں گے۔ دیکھو روح البیان زیر آیت من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ سال میں رمضان تمام مہینوں سے افضل، کہ دن و رات عبادت کے لئے ہیں۔ قرآن بھی اسی میں ملا۔ پھر ماہ ربیع الاول کہ صاحب قرآن اس میں جلوہ گر ہوئے۔ پھر ذی الحجہ (روح البیان)، ذی الحجہ میں اگر فریضہ حج ادا ہوتا ہے۔ مگر صرف چار دن میں اور وہ بھی بعض لوگ ادا کرتے ہیں۔ مگر رمضان میں پورا مہینہ اور ہر مسلمان عبادت کرتا ہے۔ پھر ذی الحجہ بلا کر دے، یہ آ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ کنوآں اور دریا لہذا اس کا فیض عام ہے۔

وعظ نمبر ۱۰

نماز کی فضیلت کا بیان

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

اس مقام پر تین امور قابل غور ہیں۔ گذشتہ آیت سے اس کو کیا تعلق کہ وہاں تو طلاق قبل الدخول اور اس کے مہر کا ذکر تھا۔ یہاں نمازوں کا ذکر آگیا۔ اس کی شان نزول کیا ہے۔ اس سے احکام کیا معلوم ہوئے۔

(۱) شان نزول یہ ہے کہ ایک قوم مکانات بنانے اور ان کے آراستہ کرنے میں مشغول ہوگئی۔ اور مساجد کو ویران کر دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) اس کا تعلق گذشتہ آیت سے دو طرح ہے۔ یا تو اس طرح کہ قرآن کریم کا قاعدہ ہے کہ جہاں دنیاوی احکام بیان فرماتا ہے۔ وہاں دینی احکام بھی فوراً بیان فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جاویں پہلے فرمایا تھا کہ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ چونکہ بہت دور سے طلاق کے احکام بیان ہو رہے تھے۔ اور بعد میں بھی اسی قسم کے احکام آرہے ہیں۔ لہٰذا اب نماز کا ذکر کیا۔ اس میں علماء کو تنبیہ ہے۔ کہ ان مسائل میں مشغول ہو کر نمازوں سے غافل نہ ہو جاویں اور عامۃ الناس کو یہ تنبیہ ہے کہ طلاق و نکاح کے جھگڑوں میں ایسے نہ پھنسیں، کہ نماز و غیرہ عبادات سے غافل ہو جاویں۔ حضرت امام غزالی کے چھوٹے بھائی امام حامد غزالی ولی کامل تھے۔ مگر حضرت امام غزالی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے شکایت کی۔ والدہ صاحبہ نے وجہ دریافت کی۔ تو حامد صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ نماز میں کھڑے ہو کر مسائل شرع سوچتے ہیں۔ محراب عبادت کی جگہ ہے۔ یا دار الافتاء والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ کہ وہ تو مسائل ڈھونڈتے رہیں۔ اور تم ان کے عیب۔ وہ قرآن میں رہتے ہیں، تم نماز سے نکل کر ان کے دل میں گھستے ہو۔ نماز میں نہ تم رہتے ہو، نہ وہ آخر حامد غزالی نے معذرت کی۔ دوسرے یہ کہ آیت طلاق میں آیا تھا۔ کَلَا تَنْسَوُا

اَلْفَضْلَ بَیْنَکُمْ آپس کے احسانات نہ بھولو۔ جب مخلوق کے احسانات کا شکریہ ضروری ہوا تو خالق کے احسانات کا شکریہ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اس کا شکریہ نمازوں کی محافظت ہے اس حکمت سے یہاں نماز کا ذکر فرمایا گیا۔

۲۔ اس آیت سے بہت سے احکام معلوم ہوئے۔ اولاً یہ کہ تمام نمازوں کی محافظت ضروری ہے۔ محافظت میں بہت وسعت ہے۔ ہمیشہ پڑھنا۔ صحیح وقت پر پڑھنا۔ فرائض وواجبات، مستحبات تک کا لحاظ رکھنا خشوع وخضوع و حضور قلب سے ادا کرنا۔ دوسرے یہ کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ حدیث احزاب میں ہے۔ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی تیسرے یہ کہ وسطیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں پانچ ہیں۔ اس لئے کہ وسطیٰ یعنی بیچ کی نماز وہ کہلاوے گی۔ جس کے آس پاس برابر کا عدد ہو۔ اور عدد کم سے کم دو ہیں، ایک عدد نہیں۔ کیونکہ عدد اسے کہتے ہیں جو مجموعہ حاشیتین کا نصف ہو۔ تو وسطیٰ نماز جب ہی ہو سکتی ہے۔ کہ آس پاس دو دو نمازیں ہوں اور درمیان میں یہ ہو تو لامحالہ نمازیں پانچ ہوئیں۔ تین کے آس پاس عدد نہیں۔ ان میں وسطہ نہ بن سکے گا۔

۴۔ چند وجہوں سے نماز عصر کی تاکید زیادہ ہے۔ اولاً تو یہ کہ یہ وقت ہے تجارت کے فروغ اور سیر وتفریح اور کھیل وکود کا۔ ممکن ہے۔ کہ لوگ اس سے غافل ہو جاویں۔ دوم حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں میں مشغول ہو کر اسی نماز کو نہ پڑھ سکے تھے۔ سوم۔ اس نماز میں رات دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ بروایت بعض۔ چہارم۔ یہ نماز قصری اور غیر قصری کی درمیانی ہے۔ پنجم۔ مرتے وقت اور قبر میں سوالات کے وقت یہ ہی وقت محسوس ہوگا۔ اگر بندہ اس نماز کا پابند ہے تو سوال نکیرین کے وقت کہتا ہے۔ کہ سوال بعد میں کرنا پہلے مجھے نماز عصر پڑھ لینے دو۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام بعد نماز عصر کھانا پینا

وغیرہ حتیٰ کہ کلام دنیا کو بھی پسند نہیں کرتے۔ کہ نزع میں پانی پینے کی ضرورت درپیش نہ آوے۔

۵۔ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ نماز میں قیام فرض ہے۔ کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ جماعت ضروری ہے۔ کہ صیغہ جمع اجتماع کو چاہتا ہے۔ قَانِتِيۡنَ سے معلوم ہوتا ہے بات کرنا سلام کرنا۔ کھانا پینا۔ ادھر ادھر دیکھنا منع ہے۔ یہ تمام امور نماز میں پہلے جائز تھے۔ اب ممنوع ہوگئے۔ اور اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے نماز میں امام کے پیچھے قرأت منع کر دی گئی۔ قنوت کے معنے سکوت کے بھی ہیں۔ اور اطاعت کے بھی۔ لِلّٰهِ سے معلوم ہوا۔ کہ نماز صرف رضاء الٰہی کے لئے چاہیئے۔ اس میں ریاکاری، نام ونمود کو دخل نہ ہو۔ نماز حاجت، نماز غوثیہ وغیرہ میں بھی رب تعالیٰ ہی کو راضی کرنا منظور ہوتا ہے۔ پھر رب تعالیٰ سے حاجت چاہی جاتی ہے۔ کسی مقصد کے لئے نماز پڑھنا للہ کے خلاف نہیں اسی للہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز اللہ کے لئے چاہیئے۔ کعبہ کے لئے نہیں۔ کعبہ کی طرف صرف رخ کرایا گیا ہے۔ چہرہ کعبہ کی طرف اور دل خالق کعبہ کی طرف ضروری ہے۔ رب تعالیٰ ایسی نمازیں نصیب کرے۔

وعظ نمبر ۱۱

مہاجرین کا بیان

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) اس آیت کا تعلق اگلی پچھلی آیتوں سے نہایت عمدہ ہے۔ اس کے پہلے ذکر ہوا ہے۔ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا۔ اور اس کے ضمن میں ذکر ہوا وفات کا اور طاعون بھی موت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا یہاں ذکر کیا گیا آئندہ حکم ہے جہاد کا۔ اور جہاد وہ ہی کرسکتا ہے۔ جو موت سے ڈرتا نہ ہو۔ اور زندگی کو بہت پیارا نہ سمجھتا ہو۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وزندگی قبضہ قدرت الٰہی میں ہے اس سے بچنے کی تدبیر حکم الٰہی کو نہیں پھیر سکتی۔ اور جب موت آنی ہی ہے تو راہِ مولیٰ میں آئے تو بہتر ہے۔ اس لئے یہاں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ ملک واسط میں ایک شہر تھا جس کا نام تھا۔ داوردان وہاں طاعون آیا۔ مالدار بنی اسرائیل بھاگ گئے اور غریب رہ گئے۔ رہنے والے بہت مرگئے۔ بھاگنے والے بچ گئے۔ تو رہنے والے پچھتائے۔ سال آئندہ پھر طاعون آیا۔ سب بھاگ گئے۔ ایک میدان میں پہنچے۔ تو سب بحکم الٰہی مرگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں گذر ہوا۔ تو ان کی ہڈیاں ملاحظہ فرماکر عرض کیا۔ کہ خدایا تو ان کو زندہ فرمادے۔ حکم ہوا کہ آپ انہیں پکاریں۔ آپ نے پکارا کہ اے بکھری ہوئی ہڈیو جمع ہوجاؤ۔ پھر دوسری آواز پر تمام زندہ ہوگئے۔ کئی سال تک زندہ رہے۔ پھر اپنی موت مرے۔ حضرت حزقیل موسٰے علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ پہلے حضرت یوشع۔ دوسرے حضرت کالب ابن یوحنا۔ تیسرے حضرت حزقیل۔

(۳) اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ واقعہ حضور علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے مگر فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ یٰ استفہام انکاری یعنی کیا آپ نے یہ نہ دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چشم انبیاء گذشتہ، آئندہ چیزوں کو دیکھتی ہیں۔ جیسے فرمایا گیا۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ

یَااَصْحٰبِ الْفِیْلِ اسی لیے حضور علیہ السلام نے عبداللہ قرآنی چکڑالوی اور خانہ کعبہ منہدم کرنے والے کی خبر دی۔ حالانکہ یہ واقعات بہت دنوں بعد ہوئے۔ دوسرے یہ کہ انبیائے کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ اگر ضد کریں تو پوری فرمائی جاوے۔ لَوْاَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی عرض پر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوبارہ موت نہیں آتی اسی لئے روح شہداء باوجود خواہش کے دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجی جاتیں (مشکوٰۃ باب الشہید) تو ان لوگوں کو دوبارہ موت کیوں آئی؟ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کی عمریں پوری ہو چکی تھیں۔ تو دوبارہ زندگی کیوں ملی؟ اور اگر نہیں تو ان کو پہلی بار موت کیوں آ گئی۔

جواب اول۔ تو یہ ہے کہ دوبارہ نزع کی شدت نہ ہوگی اور یہاں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام پھر حضور علیہ السلام کے زندہ کئے ہوئے مردوں کو ایک بار بغیر شدت سے جان نکالی گئی۔ جیسے سوتے وقت ہر انسان کی روح انسانی یا سلطانی یا سیرانی بغیر تکلیف نکال دی جاتی ہے۔ اور پھر بے تکلف داخل کر دی جاتی ہے۔ مگر روح مقامی یا حیوانی موت کے وقت نکلتی ہے۔ دیکھو روح البیان آیت اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا اور آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ

نکتہ۔ سونے کی حالت میں روح سیرانی نکل کر سیر کرتی ہے۔ مگر کسی جگہ ہو۔ جہاں جسم کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی۔ اس نے سن لی اور فوراً آ کر جسم میں داخل ہو گئی۔ اور جسم کو ہاتھ لگایا تو خبر بھی ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جسم سے نکلنے کے بعد روح کی ہر طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اسی واسطے مدفون مردے قبرستان سے گزرنے والوں کو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ اور ان کے پاؤں کی آہٹ بھی سن لیتے ہیں۔ باوجودیکہ صدہا من مٹی میں دبے

ہیں۔ اس سے چند نتیجے حاصل ہوئے۔

ارواح انبیاء و اولیاء بعد وفات بھی دور کی آواز سنتی ہیں۔ امداد کے لئے فوراً آ سکتی ہیں۔

اور اُمت مثل جسم ہے۔ اور آقائے دوجہان صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جان۔ جس طرح جسم کو چبھا اور روح کو خبر ہوگئی۔ اسی طرح مسلمان پر کوئی حال گذرا۔ کہ آقا کو خبر ہوئی سے

در فراق تو مرا چوں سوخت جان ٭ چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں

اسی لئے قبرستان پر فاتحہ پڑھتے ہیں کہ روح کو جسم سے تعلق رہتا ہے۔

جواب دوم۔ چراغ گل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو تیل و بتی موجود تھی مگر پھونک سے گل کر دیا۔ دوسرے دونوں چیزیں ختم ہو چکیں اور گل ہوگیا۔ ان لوگوں کی عمریں باقی تھیں۔ مگر ایک مصلحت خداوندی کے لئے موت دی گئی۔ اور بعد میں زندہ کیا گیا۔ مگر یہ زمانہ موت عمر کے حساب میں نہ آوے گا۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام آسمان کا زمانہ عمر کے حساب میں نہیں۔ بلکہ آپ کی عمر ۳۳ سال یا ۴۰ سال ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کی عمریں ختم ہو چکی تھیں۔ مگر پیغمبر کی دعا سے دوبارہ عمریں دی گئیں۔ دیکھو آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر ۴۰ سال سے زیادہ کی گئی۔ اور نیک اعمال سے عمر بڑھ جاتی ہے۔

۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعون اور وبائی امراض سے بھاگنا گناہ ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت سے روح مرتی نہیں صرف تعلق روح ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے کہ انجن وریل اور قمقمہ پاور ہاؤس۔ مگر جس طرح زندگی میں مختلف القویٰ حضرات ہیں اسی طرح بعد موت۔

وعظ نمبر ۱۲

صدقہ کی فضیلت

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اس آیت میں چند امور قابل لحاظ ہیں :-

(۱) اس آیت کا گذشتہ آیت جہاد سے نفیس تعلق ہے۔ جہاد میں جان بھی خرچ کی جاتی ہے اور مال بھی۔ اب فرمایا گیا۔ کہ ہر دو چیزیں ہمارے ذمہ کرم پر قرض کی بطور ہیں۔ کہ ضرور مع نفع کے واپس کی جاویں گی۔

(۲) ان کو قرض اس لئے فرمایا گیا۔ کہ جس طرح شاہی بنک میں روپیہ جمع کرنے والا مطمئن رہتا ہے اسی طرح اس کو بھی چاہیئے کہ مطمئن رہے کہ مع نفع کے واپس کیا جاویگا خدا کے بنک مدارس اور مساجد اور [illegible] ہیں۔ قرض کہا دین نہ کہا کہ دین کی مدت معین ہوتی ہے۔ قرض کی کوئی مدت ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس کے اجر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قیامت ہی میں ہے بلکہ دنیا اور قیامت دونوں جگہ بھی مل سکتا ہے۔ قرض اور دین میں فرق یہ ہے۔ کہ روپیہ دے کر روپیہ لینا قرض ہے اور مال دے کر قیمت کچھ مدت بعد لینا دین۔ قرض کے معنے ہیں کاٹنا۔ مقراض قینچی۔ چونکہ قارض اپنے مال سے کاٹ کر دیتا ہے۔ یا قرض کی وجہ سے دائن و مدیون کی محبت کٹ جاتی ہے۔ اسلئے

اسے قرض کہتے ہیں قرض کو حسنًا فرمایا۔ یعنی نیک نیتی یا خوش دلی سے خرچ کردیا پاک کمائی سے خرچ کردیا۔ اس قرضے سے ہماری تمہاری محبت میں کمی نہ آوے گی بلکہ بڑھے گی۔ کیونکہ یہ قرض حسن ہے۔ قرض حسن بندوں میں اس کو بھی کہتے ہیں جو بغیر مطالبہ کا قرض ہوا اسی طرح صدقہ اور بغیر سود کے قرض اور جس قرض میں ثواب کی نیت ہو سب قرض حسن کہلاتے ہیں۔

اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً سے معلوم ہوا کہ اس قرض میں اتنی زیادہ کی جاوے گی۔ جو تمہارے حساب سے باہر ہے۔ یہ زیادتی سود نہیں کہ مالک اور غلام میں سود نہیں ہوتا۔ نیز بندوں سے سود لینا حرام ہے۔ کیونکہ سود دینے والا تباہ ہو جاوے گا۔ خدائے قدوس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ لہٰذا اس سے سود لینا جائز ہے اگر یہ زیادتیاں نہ ہوں تو قیامت میں ہمارا دیوالہ ہو جائے کہ اہل حقوق سوائے روزے کے باقی تمام عبادات معاوضہ حق میں لے لیں گے۔ اگر یہ زیادتیاں رب نہ فرمادے تو کس طرح کام چلے (روح البیان یہ ہی آیت)

حکایت۔ امیرالمؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا آپ نے باہر سے غلہ منگایا۔ مدینہ پاک کے بیوپاری جمع ہوکر خریدنے کے لئے آئے۔ تو آپ نے فرمایا میں اس کو غلہ دوں گا جو سات سو گنا نفع دے۔ بیوپاریوں نے کہا کہ ایسا خریدار کون ملے گا؟ فرمایا میرا رب۔ خریدار ہے اور وہ آیت پڑھی کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ الآیۃ اور یہ تمام غلہ خیرات کردیا۔

وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ کی کئی توجیہیں ہیں۔ ایک یہ کہ طریقہ الٰہی یہ ہے کہ بعض سے لیتا ہے اور بعض کو دیتا ہے۔ اگر تم نے اس طرح نہ دیا تو اور طرح تمہارا مال دوسروں کے پاس پہنچ جائے گا۔ بیماری، مقدمہ بازی، چوری وغیرہ۔ دوم یہ کہ خدا تعالیٰ کسی پر روزی تنگ فرماتا

ہے اور کسی پر کشادہ۔ تو چاہیئے کہ اغنیار فقرار پر سخاوت کریں۔ سوم یہ کہ ایک ہی شخص پر کبھی تنگ زمانہ آتا ہے کبھی وسیع۔ تو آدمی وسعت کے زمانہ کو غنیمت جانے اور راہ مولیٰ میں خیرات کرے۔ یہ وقت سدا نہ رہے گا ؎

جو کل کرنا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کرلے
جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہو سے کیا ہووت ہے

نکتہ: قبض و بسط یعنی تنگی اور کشادگی ہر طبقہ کی ہوتی ہے واعظین۔ علمار، عابدین، عاملین، اولیار اللہ کوئی ہمیشہ ایک حال پر نہیں ملتا۔ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جب تک ہم مجلس پاک میں رہتے ہیں تو ہمارے قلوب کا اور حال ہوتا ہے اور جب گھر بار میں جاتے ہیں۔ تو بچوں اور بیوی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ فرمایا اگر ہمیشہ تمہارا یکساں حال رہے۔ تو ملائکہ تم سے مصافحہ کریں۔ مگر ساعۃ فساعۃ گلستان میں فرماتے ہیں کہ

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ؎

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند ۔ کہ اے روشن گہر پیرے خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ۔ چرا در چاہ کنعانش ندیدی!
بگفت احوال، برق جہانست ۔ دمے پیدو دیگر دم نہاں ست!
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے بر زیر پائے خود نہ بینم!

یعقوب علیہ السلام نے مصر سے قمیص فرزند کی خوشبو پالی۔ مگر جب دو ماہ کنعان چاہ کنعان میں رہا۔ تو خوشبو محسوس نہ ہوئی۔ کہ یہ قبض ہے وہ بسط۔

ایک بار فقرار اور اغنیار میں مناظرہ ہوا۔ اغنیار نے کہا کہ ہم فقرار سے افضل ہیں۔ کہ خدا نے ہم سے قرض طلب فرمایا۔ فقرار نے کہا کہ ہم افضل ہیں کہ ہمارے لئے قرض طلب

فرمایا اور کسی سے قرض لینا محبت کی خاص علامت نہیں ہاں کسی کے لئے قرض لینا علامت محبت ہے حضور علیہ السلام نے یہودی سے قرض لیا اپنے اہل کے لئے لیا تو اہل محبوب تھے نہ کہ یہودی۔

اس کا کرم تو دیکھو مال اس کا مالدار اس کا۔ اور بندہ محتاج اس کا۔ اپنے بندے کو اپنا مال دیا۔ پھر اپنے ہی بندے کو دلوایا۔ اور اسے قرض کی طرح اپنے پر لازم فرمالیا۔ ورنہ حق یہ ہے کہ ؎

جان تھوڑی ہوئی اسی کی تھی ٭ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وعظ نمبر ۱۳

عبادت کی فضیلت

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ○

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) دنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی مدعا کے لئے بنی ہے جو کوئی اس کے خلاف استعمال کرے اس کو دیوانہ کہتے ہیں۔ ٹوپی پاؤں میں پہننے اور جوتا سر پر رکھنے والا اور گلاس میں تھوکنے والا اور اگالدان میں پانی پینے والا دیوانہ ہے نیز اگر چیز اپنا مقصد نہ پورا کرے، تو بے قیمت اور بے کار ہوتی ہے اگر گھڑی کسی طرح کام نہ دے تو پھینکنے کے لائق ہے۔ اور اگر بکری گائے دودھ وغیرہ نہ دے تو قصائی کو دے دی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ہم کس مقصد کیلئے

بنتے ہیں اور وہ مقصد ہم نے پورا کیا یا نہ کیا۔ یہ آیت اس کو بتا رہی ہے۔

(۲) قاعدہ یہ ہے کہ ہر ادنیٰ اعلیٰ چیز پر قربان کی جاتی ہے۔ ہاتھ سر پر قربان ہوتا ہے کہ وار روکتا ہے۔ اور مال جان پر، جان آبرو پر اور آبرو ایمان پر نثار کئے جاتے ہیں۔ عناصر اور موالید اربعہ یعنی جمادات۔ نباتات حیوانات انسان میں یہ ہی ترتیب ہے۔ کہ زمین کو دانہ کیلئے چیرا گیا اور قربان کیا گیا۔ اور نباتات کو جانوروں نے کھایا اور جانوروں کو انسانوں نے کھایا اور ان سے کام لیا۔ غرضکہ ہر ادنے اعلےٰ پر قربان ہوا۔ انسان مخلوق میں سب سے اشرف وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ سب کچھ اس کے لئے پیدا کیا گیا۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ مگر یہ کسی مخلوق کے لئے نہ بنا۔ بلکہ رب کی عبادت کے لئے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ خیال رہے کہ ہر چیز انسان ہی کے لئے بنی۔ مگر کوئی کھانے کو کوئی دیکھنے۔ کوئی نصیحت حاصل کرنے کو۔ ہر چیز کھانے ہی کو نہیں بنی کہ خنزیر بھی کھاؤ اور گائے بھی۔ ہر عورت مرد کے لئے بنی۔ کوئی ماں بننے کو کوئی بیٹی اور بہن بننے کو۔ کوئی بیوی بننے کو۔ انسان کی ضرورتیں مختلف ہیں۔ یہ چیزیں مختلف ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا ہوئیں۔ ہر چیز سے ایک ہی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ انسان بھی کسی کے لئے بنا۔ یا نہیں؟ تو فرمایا گیا۔ کہ سب تمہارے لئے اور تم ہمارے لئے۔ مخلوق تمہارے لئے اور تم خالق کے لئے۔ اگر تم نے اپنی حکمت حیات یعنی عبادت کو پورا کیا تو ہم بھی تمہارے ہیں کہ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنَ اور اگر ہم نے اپنا مقصد حیات پورا نہ کیا، تو سمجھ لو کہ نمرود نے جب دعویٰ خدائی کیا تو مچھر نے اتنا پریشان کر دیا کہ دن رات جوتا اس کے سر پر پڑتا تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنے دماغ کو غیر ما خلق لہٗ میں استعمال کیا۔ تو اس کے سر پر غیر ما خلق لہٗ استعمال کیا گیا۔ وہ عابد سے معبود بنا تو جوتا بجائے پاؤں

کے اس کے سر پر پہنچا جس سر میں خیال عبادت ہے اس پر تاج ہے۔ اور جس سر میں ہوائے نفسی ہے اس پر جوتا ہے

آدمی جہت از برائے بندگی ٭ زندگی بے بندگی شرمندگی

(۳) عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی کو رب سمجھ کر یا رب کا شریک یا رب کا مثل وغیرہ سمجھ کر اس کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے جب تک کہ انتہائی تعظیم (جو الوہیت کا نتیجہ ہے) کا خیال نہ ہو۔ تب تک فاعل کو عابد نہ کہا جاوے گا۔ اور نہ اس کا فعل عبادت کہلائے۔ عبادت کی دس صورتیں ہیں۔ نماز۔ روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت قرآن، ہر حال میں خدا کا ذکر۔ طلب حلال، مسلمین کے حقوق کی ادائے تبلیغ، اتباع سنت۔ یہ اصول عبادت ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو مباح کام دنیاوی ہو یا دینی رضائے الٰہی کیلئے کیا جاوے۔ وہ عبادت ہے جیسا کہ شامی کتاب الاضحیہ اور مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ نیز انبیائے کرام کی اطاعت اور ان کی کسی قسم کی تعظیم اور ان سے استمداد نہ عبادت غیر اللہ ہے اور نہ شرک کہ استمداد کا حکم قرآن کریم میں ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ وَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ۔ حضرت ربیع ابن کعب اسلمی نے عرض کیا اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ حضور علیہ السلام نے فرمایا فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (مشکوۃ باب فضل السجود) اس سے حضور سے مانگنا بھی ہے اور استمداد بھی اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو۔

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں ٭ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اس آیت میں جن کو انسان پر اس لئے مقدم کیا کہ پیدائش میں جن مقدم ہیں نیز

جن زیادہ سرکش میں کرناری ہیں۔خیال رہے کہ کسی کو رضائے الہی کیلئے راضی کرنا بھی عبادت ہے۔ لہذا والدین، استاد، مرشد کو رضائے الٰہی کے لئے راضی کرنا رب تعالے کی عبادت ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم اور مصطفےٰ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کو راضی کرنا رضائے الٰہی کے لئے رب تعالیٰ کی عبادت ہے سے

چکی کے پاٹن دیکھ کر دیا کبیرا سے لٹرئے ؞ جو پاٹن میں آگیو سوان ہیں بچا نہ کوئے
چکیا چکیا سب کہیں کلیا کہے نہ کوئے ؞ جو کلیا سے لاگو اس کا بال نہ بیکا ہوئے

اگر سب آفات سے بچنا چاہے تو اس ایک کے ہوجاؤ۔ اور ایک کے اس طرح بنو۔ کہ اس ایک نے ایک بندہ خاص کو پیدا فرمایا ہے۔ جو اس بندے کا ہو رہا وہ سب کا ہو گیا سے

جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا ؞ جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا!

بلکہ وہ ہی عبادت قبول ہے جو اس محبوب کی اطاعت کے ساتھ کی جائے۔ مشرکین کفار، عیسائی، یہودی تارک الدنیا بھی ہوتے ہیں نفس کشی بھی کرتے ہیں۔ مگر نہ عابد ہیں نہ عارف۔ مومن اگرچہ دنیا کے سارے کاموں میں مشغول رہے۔ مگر صدق دل سے پنج وقتی ہی پڑھے ان شاء اللہ عابدوں کے زمرے میں آگیا۔ کہ اس نے حضور کی اطاعت میں رب کی عبادت کی۔ اسی لئے رب تعالےٰ نے عبادت کا حکم دیا مگر اس کی تفصیل نہ کی۔ کہ زندگی پاک مصطفےٰ اس آیت کی زندہ تفسیر ہے۔

وعظ نمبر ۱۴

شب قدر کا بیان

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جس کا نام تھا شمعون کہ اس نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال ۴ ماہ مسلسل جہاد و دیگر عبادات کیں۔ صحابہ کرام کو اس پر رشک ہوا جو شرعاً جائز ہے۔ اور مایوسی ہوئی کہ ہماری تو کل عمریں بھی اتنی نہیں ہوتیں۔ ہم اس کے درجہ تک کیسے پہنچیں۔ تب یہ سورۃ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ اے مسلمانو! تمہیں ایک رات یعنی شب قدر ایسی دی جاتی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اگر تم اس رات میں عبادت کرو۔ تو تم شمعون سے بڑھ چڑھ کر ثواب پاؤ گے۔ تو جو کوئی اپنی عمر میں چند بار شب قدر میں عبادت کرے اس کا پوچھنا ہی کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مسلمان وہ مزدور ہیں کہ کام کریں تھوڑا مگر اجرت پائیں زیادہ۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا۔ کہ یہود اس مزدور کی طرح ہیں۔ جو تھوڑی اُجرت پر صبح سے دوپہر تک کام کرے اور عیسائی اس مزدور کی طرح ہیں جو ظہر سے عصر تک تھوڑی مزدوری پر کام کرے۔ مگر اے مسلمانو! تم اس مزدور کی طرح ہو جو عصر سے مغرب تک دوگنی مزدوری پاتے۔

(۲) قرآن پاک آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں نازل ہوا۔ اور قراۃ نازل ہوا نہ کتابتہً

اس لئے کہ آہستہ اُترنے میں نسخ آیات ممکن ہے اور اس میں نبی کی تعظیم زیادہ ہے کہ ہمیشہ مالک کی طرف سے ہدیہ آتا رہے قرأۃً نازل فرمانے سے بہت سے معنی لب و لہجہ میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو کتابت میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ جیسے کوئی کہے کہ تم حج کو جاؤ اس ایک فقرے میں اختلاف لہجہ سے چند معنے بنتے ہیں، امر، اخبار، استفہام، تمسخر، تعجب۔ لیکن لکھنے کی صورت میں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر یہاں آرہا ہے اَنزَلْنَا یعنی اچانک اتارا اب اس آیت کو واقعہ کے مطابق کس طرح کیا جاوے۔ اس کے چند جواب ہیں اوّل تو یہ کہ عرش سے آسمان دنیا کی طرف نزول اس شب میں ہوا۔ مگر زمین پر ۲۳ سال میں یا ابتدا ر نزول حضور علیہ السلام پر اس رات میں ہوئی تو معنے ہوں گے کہ نزول کو شروع فرمایا۔ یا ہر سال روح الامین علیہ السلام اس شب میں آکر حضور علیہ السلام کو سارا قرآن کریم سناتے تھے۔ اگرچہ یہ سنانا اجرار احکام کے لئے نہ ہوتا تھا۔ مگر یہاں وہ ہی مراد ہے۔ جب قرآن کے نزول کے سبب یہ رات بہت افضل ہوئی تو جس رات یا جس دن میں صاحب قرآن کی جلوہ گری ہوتی۔ وہ تو اس سے بھی افضل ہونی چاہیئے۔ اسی لئے سیدنا امام مالک کا قول ہے کہ شب ولادت، شب قدر سے افضل و اعلیٰ ہے اور دو شنبہ جمعہ سے افضل ہے اور آبادی مدینہ آبادی مکہ سے کہ کونین کے دولہا سے ان کو خاص نسبت ہے۔

(۳) اس شب کو لیلۃ القدر چند وجوہ سے کہتے ہیں۔ اس میں سال آئندہ کے امور مقرر کر کے ملائکہ کو سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ قدر بمعنی تقدیر یا قدر بمعنی عزت یعنی عزت والی رات اضافۃ موصوف الی الصفۃ۔ یا اس میں قدر والی چیز یعنی قرآن نازل ہوا۔ یا جو عبادت اس میں کی جاوے۔ اس کی قدر ہے۔ یا قدر بمعنی تنگی وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ یعنی ملائکہ اس رات میں اس قدر آتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ ان وجوہ سے اسے شب قدر یعنی قدر والی رات

کہتے ہیں۔

(۴) یہ رات کب ہوتی ہے؟ اس کا قطعی علم تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے۔ اسی لیئے اگر کوئی شخص اپنی بی بی کی طلاق شب قدر پر معلق کرے۔ تو تعلیق سے ایک سال بعد واقع ہوگی جمعہ کی ساعت، شب قدر، اسم اعظم، صلوٰۃ وسطیٰ اسی لئے قطعاً ظاہر نہ فرمائے گئے۔ کہ لوگ اس کی تلاش میں کوشاں رہیں۔ ہاں ظاہر یہ ہے کہ رمضان کی ستائیسویں ہوگی۔ چند دلائل سے ایک یہ کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں نو حرف ہیں۔ اور اس کو اس سورۃ میں تین جگہ فرمایا گیا۔ جس کا مجموعہ ۲۷ ہوا۔ دوم اس لئے کہ اس سورہ میں کل تیس کلمات ہیں اور ھِیَ ۲۷ ستائیسواں کلمہ ہے معلوم ہوا۔ کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے۔ (ابن عباس در روح البیان) سوم عثمان ابن ابی عاص کے غلام نے کہا۔ کہ اے مولے دریا کا پانی ایک دن میٹھا ہو جاتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب کے خیال رکھنا۔ خیال کیا گیا کہ وہ تاریخ ستائیسویں تھی۔ نیز یہاں تو فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں اترا دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ یعنی ماہ رمضان میں قرآن اترا۔ معلوم ہوا کہ شب قدر ماہ رمضان میں ہے۔

(۵) اس رات کے اعمال یہ ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ہزار رکعتیں نفل پڑھے کم از کم دو دو درمیانی ہوں۔ ہر رکعت میں ایک بار اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ اور تین بار سورہ اخلاص پڑھے۔ دو دو رکعت میں الگ کرے۔ بعد سلام درود شریف پڑھے کثرت سے پڑھ کر پھر دوسری نیت باندھے، یہ ہی کرتا رہے اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ اسی رات تراویح میں ختم قرآن کرے۔ اگر ہو سکے تو تمام رات جاگے۔ ورنہ سحری کھا کر نہ سوئے۔ سحری رات کے آخری حصے میں کھائے۔

(۶) وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں ارشاد ہے کہ کس چیز نے آپ کو بتایا کہ شب قدر کیا ہے۔

یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی شئے اس سے مخفی راز کو نہیں بتا سکتی۔ یا مانافیہ ہے۔ تو درایتہ کے معنی ہوئے۔ عقل سے پتہ لگا لینا۔ یعنی اے محبوب باوجودیکہ آپ نبی کامل العقل ہیں۔ اس لئے کہ تمام عالم کی عقول آپ کے عقل کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ جب آپ بھی اس کو عقل سے معلوم نہیں فرماتے بلکہ وحی الٰہی سے۔ تو کسی اور عقل کی کیا مجال ہے۔ کہ اس کو خود معلوم کرے۔ جہاں دریتہ کی نفی ہے وہاں یہ ہی مراد ہے۔ علم اور درایتہ میں فرق ہے۔

(۷) روح میں چند احتمال ہیں۔ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام یا روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام یا روح ایک خاص جماعت ملائکہ ہے۔ باقی سے افضل۔ جیسے کہ ہماری روح اعضائے ظاہری سے افضل یا روح کوئی خاص فرشتہ ہے۔ جس کے ایک ہزار سر ہیں ہر سر دنیا سے بڑا۔ ہر سر میں ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ہزار منہ۔ ہر منہ میں ہزار زبانیں۔ ہر زبان سے ہزار طرح کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ ایک دوسرے سے ممتاز۔ مگر اس شب میں روزہ دار کے لئے تمام زبانوں سے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ یا روح وہ عابد ملائکہ ہیں جن کو باقی ملائکہ بھی سوائے اس رات کے کبھی نہیں دیکھتے۔ غرضکہ یہ رات خاص رحمت نازل ہونے کی رات ہے۔

(۸) سلام کے دو معنے ہیں یا تو یہ کہ تمام رات میں ملائکہ فوج در فوج آتے رہتے ہیں اور سلام کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کو جو اس رات میں نماز نفل پڑھ رہے ہیں۔ یعنی یہ وقت سلام ہے۔ یا یہ رات ہر آفات سے سلامتی کی ہے۔ کہ اس میں رحمت اور خیر ہی زمین پر اترتی ہے کہ اس میں نہ جادوگر جادو کر سکے نہ شیاطین اپنا تصرف حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ سے معلوم ہوا کہ یہ برکتیں تمام رات ہی رہتی ہیں۔ یوں اس رات کے کسی حصہ میں عبادت کرنے۔ وہ اس کے

فوائد سے محروم نہ رہا۔ اس لئے جو کوئی تمام رات نہ جاگ سکا وہ بقدر طاقت ہی جاگے۔ ورنہ کم ازکم عشار اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھے کہ یہ دو نمازیں جماعت سے پڑھنے میں تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ نیز دعا میں کوشش کرے کہ یہ قبول دعا کی رات ہے۔

خیال رہے کہ قبولیت دعا کے لئے چند چیزیں درکار ہیں۔ حلال روزی، سچی زبان، سینہ کینہ سے پاک، اخلاص، حاضر دل۔ آنکھ کے آنسو، لہذا چاہیئے کہ اس رات سے پہلے مسلمان آپس کی کدورتیں دور کریں۔ اپنے والدین اور عام بزرگوں کو راضی کرلیں۔ اگر والدین وفات پاچکے ہوں تو ان کی قبر کی زیارت کریں۔ اور تمام بھائیوں کے لئے بھی دعائیں کریں۔ رب تعالے توفیق خیر دے۔

وعظ نمبر ۱۵

نعت شریف

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (الآیۃ)

یہ آیت کریمہ عقائد ایمانیہ کی ایک فہرست ہے۔ اس میں خدا اور رسول اور صحابہ کرام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۱) خدائے پاک نے اپنی معرفت اس طرح کرائی۔ کہ وہ ایسا قدرت والا ہے۔ جس نے ایسے رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور رسول ایسے ہیں، کہ جن کے غلام ایسی ایسی شانوں والے ہیں۔

اس کی دو وجہ ہیں۔ اولاً تو اگر آفتاب کو دیکھنا ہو تو شیشہ یا پانی میں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ آنکھ سورج کو بلا واسطہ دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ تو واسطہ کی ضرورت در پیش آئی۔ اسی طرح ذات باری تعالیٰ کو بلا واسطہ پہچاننا سخت مشکل تھا لہٰذا ایک آئینہ خدا نما کی ضرورت پڑی۔ اسی طرح ذات مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچاننے کے لئے رسول نما آئینوں کی ضرورت تھی وہ صحابہ کرام ہیں۔ رب تعالیٰ کو حضور سے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ سے پہچاننا ضروری ہے

اس پر ہوالذی گواہ شیشہ حق نما نبی ٭ دیکھے جلوہ نبی شیشہ چار یار ہیں

دوسرے اس لئے کہ کوئی کاریگر اپنی کاری گری جب بیان کرتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے اپنے زور ہنر سے فلاں چیز بنائی۔ عالم کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے اپنے زور علم سے فلاں شاگرد ایسا لائق بنایا۔ تو صانع عالم بھی اپنی مصنوعات میں سے ایک بے مثل ہستی کے ذریعہ اپنی شان صناعی ظاہر فرماتا ہے۔ اور دست قدرت بھی اس انوکھی ذات پہ ناز فرماتا ہے۔ ھوالذی الآیۃ۔

(۳) ایک لالٹین میں چار شیشے ہیں رنگ برنگے۔ بیچ میں لیمپ جل رہا ہے۔ جب ہرے شیشہ کی طرف دیکھو۔ تو روشنی ہری معلوم ہوتی ہے جب سرخ کی طرف دیکھو تو سرخ۔ پیلے کی طرف سے پیلی۔ حقیقت میں روشنی اور لیمپ تو ایک ہی ہے۔ مگر شیشے رنگ برنگے۔ جو اس ہی ایک لیمپ سے چمک رہے ہیں۔ اسی طرح۔ صدیق، فاروق، عثمان، حیدر کرار مختلف رنگ والے آئینہ ہیں۔ جو سب ایک شمع مصطفائی سے جھلک رہے ہیں۔ کہ سب رنگوں میں مختلف مگر اصل میں ایک۔ کہیں صدیقیت جلوہ گر تو کہیں فاروقیت کی شان نمایاں، کہیں عثمان کی غنا کا ظہور کہیں حیدری طاقت ظاہر۔ ہم نے حضور علیہ السلام کو مان کر قرآن کریم مانا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے آپ کا تعارف کرایا۔ کہ محمد رسول اللہ یہ تو تحصیل حاصل

ہوئی۔ پہلے وہ دل میں آئے تب قرآن سر اور ہاتھ میں۔ اور قرآن نے بھی انہیں کو بتایا۔ اسکی کیا وجہ ہے ؎

وہ جس کو ملے ایمان ملا ٭ ایمان تو کیا رحمان ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا ٭ جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا

جواب:۔ یہ ہے کہ شاید کوئی نادان کہہ دیتا کہ حضور خدا رسی کا وسیلہ ہیں اور وسیلہ مقصود حاصل ہونے پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب ہم خدا تک پہنچ گئے۔ اب مصطفےٰ علیہ السلام کی کیا ضرورت۔ جیسے ریل مقصود پر پہنچ کر چھوڑ دی جاتی ہے۔ لہٰذا جواب دیا گیا کہ محبوب تو ایسا وسیلہ ہیں۔ جیسے روشنی کے لئے شمع۔ کہ اگر شمع گل کر دی جاوے تو نور بھی ختم۔ اسلئے ہم ان کی گواہی دے رہے ہیں۔ نیز قیامت تک قرآن دشمن و دوست پڑھیں گے نماز، وظائف اور اعمال میں تلاوت کیا جاوے گا۔ جب اس میں نام مصطفےٰ ہوگا۔ تو ہر جگہ حضور کا چرچا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے تو قرآن کا چرچا کیا اور قرآن نے اپنے لانے والے کا۔ نیز قرآن کتاب اللہ ہے اور حضور نور اللہ۔ اور بغیر نور کتاب نہیں پڑھی جا سکتی۔ اسی طرح بغیر ذکر محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی سمجھ ناممکن ہے۔ نیز ذکر اللہ غذائے روح ہے۔ اور ذکر مصطفےٰ اس کا نمک بغیر نمک کھانا پینا پھیکا ہے ؎

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو ٭ نمکین حسن والا ہمارا نبی

لہٰذا قرآن میں حضور علیہ السلام کا ذکر ضروری تھا۔

(۴) صحابہ کرام کے چار صفات اس آیت میں بیان ہوئے۔ ساتھ ہونا کفار پر سخت ہونا۔ آپس میں رحیم ہونا۔ رب تعالیٰ کا عابد ہونا۔ یہ تمامی صفات تمام صحابہ کرام میں اگرچہ موجود ہیں۔ مگر خلفائے راشدین علی الترتیب ہر ایک وصف کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت صدیق

نے ایسی ہمراہی اختیار کی کہ عالم ارواح میں ساتھ رہے۔ جیسا کہ روض الریاحین سے ثابت ہے کہ قطرہ اول سے حضور نے نور کی پیدائش اور ثانی سے حضرت صدیق کی (دیکھو ہمارا فتاویٰ) دنیا میں مثل سایہ ساتھ۔ ہجرت میں ساتھ۔ غار میں ساتھ، حتیٰ کہ دفن میں ساتھ۔ قبر میں ساتھ۔ قیامت کے دن اٹھنے میں ساتھ۔ جنت میں ساتھ ہے

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کے ہیں فرد کامل

حشر تک پائے نبی پر ہیں دھرے سر صدیقؓ

معراج میں ساتھ۔ ورنہ تصدیق تو سب نے کی۔ مگر صدیقؓ صرف انہی کا لقب ہوا۔ معلوم ہوا کہ دیکھ کر تصدیق کی ہے۔ ان ہی کی شان میں ارشاد ہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ۔ تو اس طرح ثانی ہوئے۔ کہ پیدائش میں، وفات میں۔ دفن میں اور خلافت میں ثانی ہی رہے

ثَانِيَ اثْنَيْنِ ہیں بوبکر خدا میرا گواہ

حق مقدم کرے پھر کیوں ہوں موخر صدیق

زلیست میں موت میں اور قبر میں ثانی ہی رہے

ثَانِيَ اثْنَيْنِ کے اس طرح ہیں مظہر صدیق

اشداء علی الکفار کے مظہر اتم فاروق اعظم ہیں۔ کہ ایک بار کچھ عورتیں دف بجا رہی تھیں۔ حضرت صدیق آئے۔ تو بجاتی رہیں۔ حضرت ذوالنورین حاضر ہوئے۔ بجاتی رہیں۔ مگر حضرت فاروق کی حاضری پر وہ دف چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! شیطان تم سے بھاگتا ہے۔ کہ تمہارا راستہ بھی چھوڑ دیتا ہے نکتہ۔ کیا یہ شیطانی فعل تھا؟ تو حضور سے شیطان کیوں نہ بھاگا؟ اور حضور نے اس میں شرکت کیوں فرمائی۔ اور اگر شیطانی نہ تھا تو حضرت فاروق سے کیوں دفع ہوا۔

جواب: یہ ہے کہ ایک ہی فعل ایک کے لئے شیطانی اور دوسرے کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔ حضرت فاروق کے لئے یہ فعل شیطانی تھا۔ دیگر حضرت کے لئے جائز۔ یہ دلیل ہے حضرات صوفیاء کی قوال کے لئے کہ لِاَھْلِہٖ حَلَالٌ وَلِغَیْرِہٖ حَرَامٌ۔ اور اگر مجلس میں کوئی غیر اہل آگیا سب کو حرام۔ ان کی فاروقیت کی یہ شان ہے کہ اگر کسی کو احتلام کا مرض ہو تو سوتے وقت لفظ عمر سینہ پر لکھ کر سوئے۔ اثر شیطانی سے محفوظ رہے گا۔ اب بھی روافض پر فاروقی مار ہے کہ خود ہی ماتم کے بہانے اپنے تبرے کی سزا پاتے ہیں یہ سینہ کوبی۔ سر کوبی ماتم نہیں فاروقی سزا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی باہر سے بہت سا گیہوں آیا۔ مدینہ منورہ کے بیوپاریوں نے نفع دے کر خریدنا چاہا۔ فرمایا کہ میں اس کو دوں گا۔ جو مجھے سات سوگنا نفع دے گا لوگوں نے عرض کیا کہ ایسا کون خریدار ہے۔ فرمایا میرا رب ہے۔ آیت مَثَلُ نَفَقَاتِھِمْ كَمَثَلِ حَبَّةٍ پڑھ کر تمام ہی خیرات فرمایا۔ ایک جنگ میں تین سو اونٹ مع سامان اسی قدر اشرفیاں حاضر بارگاہ رسالت کیں۔ سرکاری حکم ہوا۔ کہ عثمان اب جو چاہیں کریں نہیں کوئی کام مضر نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی دستگیری توفیق الٰہی کرے گی کہ بُرے کام ان سے ہوں گے ہی نہیں۔ جیسے کہ پرندے کے پر کاٹ کر اس سے کہو کہ جا اڑ جا۔ اسی طرح قلب عثمان میں جلوہ گر تو خود ہو گئے بُرے فعل کو کون کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت کا عالم۔ کہ ایک تیر ایسا لگا کہ جسم پاک سے کچھ نہ سکا۔ تو حکم ہوا۔ کہ نماز میں کھینچ لیا جاوے چنانچہ ایسا ہی عمل ہوا۔ اور ان کو احساس بھی نہ ہوا۔ خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی۔ شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کا مرکز آپ ہی ہیں۔ حضور کے نسل کی آپ ہی اصل ہیں اولیاء کو ولایت آپ ہی سے ملتی ہے۔

اس آیت سے دو باتیں بخوبی واضح ہوئی۔ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ذات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ کہ حضور بھی ایسے ہی یکتائے روزگار ہیں کہ ان کی ہر وصف عمل و علم و قدرت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی یکتائی یاد آتی ہے سے

بے مثل حق کے مظہر ہو ٭ پھر مثل تمہارا کیوں کر ہوا!
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ ٭ نہ کوئی ہمسا یہ پایا!

تجھے ایک اللہ نے اک بنایا۔تو ہر وصف میں لا شریک لہٗ ہے اس سے حضور علیہ السلام کا ممتنع النظیر ہونا۔علم غیب وقدرت وغیرہ تمامی امور بخوبی ثابت ہوئے۔ دوسرا یہ کہ جس کے شاگرد ایسے اعلیٰ ہوں کوئی صدیق ہے کوئی فاروق، تو استاد کیسا قابل ہوگا۔ لہٰذا جو شخص صحابہ کرام کے فضل کا منکر ہے وہ حقیقت میں حضور علیہ السلام کے کمال تعلیم کا منکر ہے۔کہ شاگردوں کی قابلیت کا انکار حقیقت میں استاد پر طعن ہے۔ غضب ہے کہ آسمان کا سورج گندی زمین کو خشک کر کے پاک بنا دے اور مدینہ کا سورج اپنے ساتھیوں کو پاک نہ فرما سکیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قدرتی امر ہے کہ انبیاء صاحب شریعت چار، کتب سماویہ چار، ملائکہ مقربین کے افسر چار، طریقت کے سلسلہ چار۔ سلسلہ شریعت چار انسان کی ترکیب کے اجزاء چار۔ تو ضروری تھا کہ خلفائے راشدین بھی چار ہوں سے

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
سلسلہ دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار ہی یار اور چار ہی اہل بیت یعنی علی فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ قربان جائیے حضرت علی کے ان چار میں بھی داخل ان چار میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی پنج تن اور ان کو بھی۔ سیدنا علی کی عبادت کا یہ عالم۔ کہ پیدائش بھی خانہ کعبہ میں یعنی کعبہ اجسام میں کعبہ ایمان پیدا ہوئے۔ آفتاب بھی ان ہی کی عصر کے لئے خندق میں لوٹا۔ خود مجمع بحرین کہ طریقت اور شریعت کے امام۔ حضور کی نسل کی اصل دیکھو ہمارے مناقب خلفائے راشدین حضرت عثمان غنی کی سخاوت سے اب بھی ہر حاجی پانی پیتا ہے۔ کہ اہل مدینہ پر پانی کے قحط کے وقت کنواں رومہ وقف کیا۔

جو یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کی صحبت ان میں مؤثر نہ ہوئی۔ وہ صحبت کی توہین کرتا ہے۔ کہ پھول تو تلوں کو مہکا دے اور آفتاب کی دھوپ گندی زمین کو خشک کر کے اتنی دور سے پاک کر دے۔ مگر آفتاب حقیقی اور سچا پھول اثر نہ کرے۔ حضور کی صحبت کی تو وہ تاثیر ہے کہ قلب کیا رنگ کو بدل دیتے ہیں۔

حکایت۔ مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جنگ میں صحابہ کرام نے بارگاہ نبوی میں پانی کی شکایت کی۔ کہ اسلامی فوج میں پانی بالکل نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا۔ کہ اس سامنے والے پہاڑ کے نیچے ایک کالا حبشی اونٹ پر پانی لادے لئے جا رہا ہے۔ اسے ہماری بارگاہ میں حاضر کرو۔ حکم پاتے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پہاڑ کے پیچھے پہنچے۔ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کے مطابق ایک اونٹ پر حبشی غلام وہ بڑے مشکیزے پانی کے بھرے لئے جا رہا ہے۔ پوچھا کہ پانی یہاں سے کتنی دور ہے؟ وہ بولا کہ میں کل اسی وقت پانی بھر کر چلا ہوں۔ تو آج یہاں پہنچا ہوں۔ فرمایا کہ پانی کہاں لے جا رہا ہے؟ عرض کیا کہ میں ایک شخص کا غلام ہوں۔ وہ مجھ سے پانی کا کام ہی لیتا ہے۔ میں

کل اسی وقت اپنے گھر پہنچوں گا۔ پانی یہاں سے دو دن کے راستہ پر ہے۔ فرمایا چل تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ بولا وہ کون ہیں؟ فرمایا چل تو خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ کہ وہ کون ہیں۔ کہنے لگا کہ میں تو نہیں جاتا۔ فرمایا چلنا پڑے گا۔ آخرکار وہ ضد پر آگیا۔ علی مرتضٰے نے جبراً اس کا اونٹ اس طرف ہانک دیا۔ وہ چیخا کہ لوگو دوڑو میرا پانی لوٹ لیا۔ مگر جس کا ہاتھ علی شیر خدا پکڑ لیں اسے کون چھڑائے وہ چیختا ہی رہا۔ مگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبوی میں لے ہی آئے اس غلام نے جو بارگاہ شریف دیکھی۔ جب چہرہ انور پر نگاہ پڑی سب بھول گیا۔ اونٹ سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ حیران تھا کہ میں زمین پر ہوں یا آسمان پر۔ یہ لوگ انسان ہیں یا قدسی آسمان سے اتر آئے ہیں ؎

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے ٭ تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے!

سرکاری حکم ہوا کہ اس کا پانی لے لو۔ صحابہ کرام حکم پاتے ہی دوڑے اپنے مشکیزے بھر لئے پیاسوں نے پانی پیا۔ اونٹوں کو پلایا۔ سارے لشکر میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ مگر غلام کی مشک میں ایک بوند بھی کم نہ ہوئی مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکیزہ کا کنکشن حوض کوثر سے کر دیا تھا۔ وہاں سے پانی آرہا تھا۔ جب سب لوگ پانی لے چکے۔ تو فرمایا کہ تم نے اس سے پانی لیا۔ تم اسے روٹی دو۔ سب نے اپنے اپنے خیموں سے روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے ایک تھیلا بھر دیا۔ سبحان اللہ وہ کیسی مزے کی بھیک ہوگی جس میں صدیقؓ و فاروقؓ کے ٹکڑے جمع ہوں۔ پھر فرمایا کہ اے غلام اپنا مشکیزہ دیکھ لے۔ ایک قطرہ کم نہیں ہوا۔ ہم نے رب کے فضل سے پانی لیا ہے۔ اور تجھے روٹی دیتے ہیں یہ لے اور جا وہ بولا۔ اب جاؤں کہاں؟ کیا بلا کے نکالتے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ کریم دروازے پر بلا کر کسی کو نکالا نہیں کرتے مجھے خبر نہیں کہ میں کون ہوں، نہ خبر کہ کہاں رہتا ہوں۔ نہ خبر

کہ کہاں سے آرہا ہوں ؎

اک ماہ مدن گورا سا بدن ٭ نیچی نظریں کل کی خبریں

دکھلا کے پھبن وہ سنا کے سخن ٭ مورا لوٹ گئے سب تن من دھن

فرمایا، اچھا، تو یہاں آ۔ کمبل شریف میں لے لیا۔ نہ معلوم داتا نے کیا دیا، اور بھکاری نے کیا لیا۔ کچھ دیر بعد کمبل شریف سے نکالا۔ تو وہ کالا حبشی چاند جیسا حسین تھا ؎

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد ٭ وگرنہ من چناں خاکم کہ ہستم

اور فرمایا اب تجھے ہم بھیجتے ہیں جا۔ بولا بہت اچھا۔ اونٹ پر بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ ادھر اس کے مولا کو فکر ہوئی۔ کہ غلام کو دیر کیوں ہوئی۔ جب یہ غلام یہاں سے فارغ ہو کر اپنے شہر پہنچا۔ تو اس کا مالک اور دوسرے لوگ اس کی تلاش میں شہر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دور سے دیکھا کہ اونٹ تو ہمارا ہے۔ مشکیزہ بھی ہمارا ہے۔ مگر یہ آدمی کوئی اور ہے۔ کیونکہ وہ حبشی تھا یہ رومی۔ وہ کالا تھا یہ گورا۔ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ڈاکو ہے جس نے ہمارے غلام کو مار کر ہمارے اونٹ پر خود قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سمجھ کر لوگ لاٹھیاں لے کر مارنے کو آمادہ ہو گئے۔ غلام چیخا کہ تم مجھے مارتے کیوں ہو؟ وہ بولے تو ہے کون؟ اور ہمارا غلام جو یہ اونٹ اور مشکیزہ لے کر گیا تھا۔ کہاں گیا؟ وہ بولا کہ میں ہی تمہارا غلام ہوں۔ پرسوں یہاں سے پانی لینے گیا تھا۔ مجھ سے اپنے گھر کے سارے حالات پوچھ لو۔ سب کے نام دریافت کر لو۔ وہ بولے کہ تو باتیں تو ہمارے غلام کی سی کرتا ہے۔ مگر شکل و صورت میں اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا رنگ کالا۔ ہونٹ نیلے۔ دانت بڑے بڑے۔ ناک پھیلی ہوئی تھی۔ تیرا رنگ گورا۔ ناک پتلی۔ دانت چھوٹے۔ ہونٹ نہایت خوبصورت تو رومی۔ وہ حبشی۔ یہ معمہ کیا ہے؟ غلام بولا ؎

ناگہاں آں مغیث ہر دو کون ٭ مصطفےٰ پیدا شدہ از بہر عون
صدر را دیدم و بدرسے گشتہ ام ٭ صاحب فضلے و قدرے گشتہ ام
صِبْغَةُ اللّٰه ہست رنگ خم او ٭ ہستہا یک رنگ گردد اندر او

بات یہ ہے کہ میں تھا تو حبشی مگر پانی سے کر آر ہا تھا کہ مجھے راستہ میں صدر العلے کہف الورٰی ۔ سید الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مل گئے جن کے پاس توحید کی ایک ناٹ تھی ۔ جس میں لوگوں کو غوطہ دے کر کسی کو صدیق بناتے تھے ۔ کسی کو فاروق ۔ کسی کو غنی ۔ کسی کو کرار ۔ مجھے اس توحیدی رنگ میں غوطہ دیا ۔ جس سے میرا کالا دل تو روشن ہو ہی گیا ۔ صورت بھی گوری ہو گئی ۔ اللہ تعالےٰ اس غلام کے طفیل ہمارے بڑے رنگ بھی بدل دے ۔ آمین ۔

یہ تو تھا اس غلام کا حال جسے ایک آن صحبت پاک نصیب ہوئی وہ حضرات صحابہ کرام جو سایہ کی طرح ہر دم سلفۃ رہیں ان کا مرتبہ بجز پروردگار کوئی نہیں جان سکتا ۔

وعظ نمبر ۱۶

ضرورت نبوت کا بیان

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ۔

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں ۔ اولاً تو شان نزول ۔ دوم اس کے احکام ۔

شان نزول تو یہ ہے۔ کہ یہود نے ترقی اسلام دیکھ کر اور مشرکین مکہ کی بے بسی معلوم کر کے ایک کیمیٹی کی۔ کہ بانئے اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ہم طاقت سے نہ مغلوب کر سکے۔ اب آپ کو علمی مقابلہ کے لئے دعوت دینی چاہیئے۔ لہٰذا وہ اپنے حبرالاحبار مالک ابن صیف کے پاس گئے۔ اور اس سے سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناظرہ کرنے کی درخواست کی۔ اس نے بہت غرور سے کہا کہ میں تو پہلے ہی کہا کرتا تھا کہ علم و فضل کا مقابلہ تلوار سے نہیں ہو سکتا۔ وہ تو علم پیش کر رہے ہیں۔ اور تم لوگ تلوار۔ اگر پہلے سے تم لوگ میرے پاس آجاتے۔ تو اب تک میں نے مناظرہ کر کے اسلام کو ختم بھی کر دیا ہوتا۔ یہ لوگ معذرت کر کے اس کو لائے۔ یہ تھا بہت موٹا مثل خر۔

جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں مناظرہ کی غرض سے حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم سب کی طرف سے کون مناظر ہوگا۔ ان سب نے کہا کہ ہمارا یہ بڑا عالم ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تو ہی مناظرہ کرے گا۔ عرض کیا ہاں فرمایا توریت تو نے پڑھی بولا کہ ہاں۔ فرمایا کہ کیا تو نے توریت کی یہ آیت بھی پڑھی۔ کہ ان اللہ یبغض الحبر السمین۔ یعنی خدا نے پاک حرام خور موٹے عالم کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ بولا کہ ہاں۔ فرمایا کہ وہ موٹا عالم۔ تن پرور تو ہی تو ہے۔ تو بحکم توریت مردود بارگاہ الٰہی ہے۔ کہ نہ روزہ رکھتا ہے نہ کوئی اور عبادت کرتا ہے۔ ہر وقت تن پروری کرتا ہے۔ وہ غصہ میں جھنجھلا گیا۔ اور بولا کہ ما انزل اللہ علےٰ بشر من شیٔ خدا نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اتاری۔ تب یہ آیت اتری۔ کہ ان بدنصیبوں نے انبیاء اور کتابوں کا انکار کر دیا۔ رب تعالےٰ کی قدر ہی نہ جانی۔ یا تو یہود اسے بڑی تعظیم و توقیر سے لائے تھے، یا اب اس کی بہت برائی کرنے لگے۔ کہ تو نے تو دین موسوی بھی ختم کر دیا۔ وہ بولا کہ مجھے محمد نے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

غصہ دلادیا۔ غرضیکہ اس کو سرداری سے علیحدہ کر کے کعب ابن اشرف کو سرداری دی۔ اور اس کو بری طرح ذلیل کیا۔ اور کہا کہ جب رب نے کسی بشر پر کوئی کتاب اتاری ہی نہیں تو موسے علیہ السلام پر توریت کس نے اتاری! ارے کمبخت تو نے یہ کیا کہدیا۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور کتب سماویہ کا انکار حقیقت میں خدا کی ربوبیت کا انکار ہے۔ کہ جب مالک نے انزال کا انکار کیا۔ تو فرمایا گیا۔ کہ اس نے خدا کی قدر نہ کی۔ اس لئے کہ خدا رب ہے اب یعنی باپ نہیں ہے۔ کہ باپ تو صرف جسمانی پرورش کا کفیل ہوتا ہے۔ روحانی پرورش کے لئے اولاد کو استاذ و مشائخ کے پاس بھیجتا ہے۔ بخلاف رب کے۔ کہ وہ جسمانی اور روحانی ہر طرح کی پرورش فرماتا ہے۔ جس رب نے جسمانی پرورش کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ہر موسم اور ہر ملک کے موافق پھل وغیرہ پیدا فرمادئے۔ دفع امراض کے لئے اطبا اور ڈاکٹر بنائے۔ کیسے ممکن تھا کہ روحانیت میں انسانوں کو پیاسا چھوڑ دیتا۔ اور روحانی امراض کے طبیب وڈاکٹر پیدا نہ فرماتا۔ یہ ممکن نہیں۔ قالب کا پالنے والا مربی کہلاتا ہے اور ہر طرح کی پرورش کرنے والا رب۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور ان کی توہین خدا کی توہین ہے۔ کہ ان کی تعظیم داخل فی الدین۔ اگر حضور کے نعلین پاک کی توہین کی، تو اسلام رخصت ہوا دیکھو مالک نے آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کیا تھا۔ فرمایا گیا کہ میری قدر نہ کی۔

(۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کو علوم لدنیہ عطا ہوتے ہیں باوجودیکہ حضور کسی کے شاگرد نہیں سے

لکھے نہ پڑھے جناب والا ؛ شاگرد رشید حق تعالےٰ

اور مالک ابن صیف بڑا متبحر عالم جماعت علماء کے ساتھ آتا ہے مگر ایک سوال کا جواب نہیں بنا۔ پھر وہ تیاری کرکے آیا۔ یہاں اچانک مناظرہ ہوا۔ بتاؤ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فن مناظرہ کہاں سیکھا کہ پہلے ہی سوال میں علماء یہود ختم ہو گئے۔

(۵) اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام نے آنکھ کھلتے ہی عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا۔ کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ رہا یہ پوچھنا کہ خدایا یہ کس کا نام ہے۔ اس کی وجہ لاعلمی نہیں۔ بلکہ یہ سوال طلب کے لئے تھا۔ چنانچہ بعد میں عرض کیا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ ھٰذَا الْوَالِدَ بِھٰذَا الْوَلَدِ اے اللہ اس باپ پر ان فرزند کی طفیل رحم کر۔ اگر کسی کی چیز مانگنا ہو تو کہتے ہیں آپ کے پاس یہ کیا ہے۔ بہت ہی اچھی ہے۔ مطلب ہے کہ عنایت کردو۔

وعظ نمبر ۱۷

شفاعت کا بیان

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔

یہ آیت کیوں اتری؟ اس سے مسائل کیا معلوم ہوئے۔ شفاعت ہوگی یا نہیں؟ شفاعت کون کرے گا؟ شفاعت کتنی قسم کی ہوگی؟

(۱) ساری آیۃ الکرسی از اول تا آخر کفار اور بد مذہبوں کا رد ہے۔ جو لوگ خالق کے

منکر تھے۔ ان کا رد ہوا اللہ سے جو چند خالق مانیں ان کا رد ہوا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے۔ جو صفات کا انکار کریں ان کا رد ہوا الحی القیوم وغیرہ سے۔ جو کہتے ہیں کہ علماء کسی مذہب کا رد نہ کریں۔ تو کیا علماء قرآن کو چھوڑ دیں کہ قرآن میں اول سے آخر تک بے شمار جگہ بے دینوں کا رد ہے۔ آیۃ الکرسی تو خاص رد کفار ہی کے لئے ہے۔

کفار اپنے بتوں کے بارے میں وہ عقیدے رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ ان میں الوہیت حلول کئے ہے۔ جیسے پھول میں خوشبو۔ اسی لئے بتوں میں الٰہ اور شرکاء اور خدا کو اللہ اکبر کہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ چھوٹے خدا ہیں بڑے خدا سے شفاعت کریں گے۔ اور بڑے خدا کو دباؤ سے ان کی سفارش ماننا پڑے گی۔ جیسے بادشاہ ارکان سلطنت کی سفارش ماننا ہے۔ اس لئے کہ ان کا بگڑنا سلطنت کا زوال ہے۔ اس آیت میں دونوں عقائد کا رد بلیغ ہو گیا کہ کسی کو بغیر اجازت لب کشائی کی بھی ہمت نہیں۔ بے اذن شفاعت کیسی گویا کہا گیا کہ شفاعت ماذون لہ کرے گا۔ اور بت ماذون لہٗ نہیں۔ اور شفاعت دباؤ کی کوئی نہیں کر سکتا کہ رب پر کسی کا دباؤ نہیں۔ لہٰذا یہ خاص شفاعت کا اور خاص لوگوں کی شفاعت کا انکار ہے نہ کہ ہر شفاعت کا۔

(۲) جس طرح اس آیت میں خاص شفاعت کا انکار ہے۔ یوں ہی خاص شفاعت کا ثبوت ہے۔ وہ شفاعت بالاذن ہے۔ لہٰذا یہ آیت انکار شفاعت کے لئے نہیں بلکہ اثبات شفاعت کے لئے ہے۔ اگر شفاعت درست نہ ہو۔ تو نماز جنازہ اور زیارت قبور اور مسلمان زندوں کی مردوں کے لئے دعا سب بیکار ہوں۔ کہ یہ سب شفاعت ہی تو ہے۔ بلکہ بچہ کی نماز جنازہ میں تو صاف الفاظ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا۔ فرط کہتے ہیں۔ راہبری کے لئے آگے چلنے والے کو اور بعد میں آتا ہے۔ وَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا اے اللہ تو اسے ہمارا

شفیع بنا۔ بڑوں کی ہم شفاعت کرتے ہیں۔ اور چھوٹے بچے کو اپنا شفیع بناتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنے فرزند کے جنازہ کے لئے چالیس نمازیوں کا انتظار کیا۔ کہ جہاں چالیس مسلمان صالح جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی ضرور ولی ہوتا ہے (مرقاۃ المفاتیح) لہٰذا اگر نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ہوں گے تو ان میں کوئی ولی ہوگا۔ اور ولی کی شفاعت رب کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔

(۳) شفاعت کریں گے انبیاء۔ اولیاء علماء، مشائخ، حجر اسود، اور قرآن، خانہ کعبہ، رمضان اور چھوٹے بچے۔ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ رمضان تو کہے گا۔ خدایا میں نے فلاں بندے کو بھوکا اور پیاسا رکھا۔ آج میری شفاعت اس کے لئے قبول فرما۔ اور قرآن فرمائے گا کہ خدایا میں نے اسے رات کو آرام سے باز رکھا۔ میری شفاعت قبول کر۔ چنانچہ ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ میں بروایت حاکم لکھا۔ کہ جب فاروق اعظم نے سنگ اسود سے کہا۔ کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ کسی کو نقصان دے نہ نفع۔ اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتا نہ دیکھا ہوتا۔ تو میں ہرگز نہ چومتا۔ تو مولیٰ علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اس کی آنکھ اور منہ ہوگا۔ اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔ اور میثاق کے دن عہد جو روحوں سے لیا گیا ہے مع تمام گواہیوں کے اسی میں محفوظ ہے یہ اللہ کا امین ہے اور مسلمانوں کا گواہ۔ اسی طرح سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بی بی کے تین چھوٹے بچے مرجاویں۔ وہ اس کے شفیع ہیں۔ اگر دو مریں تو دو شفیع ایک مرے تو ایک۔ اور کوئی نہ مرے تو میں اس کا شفیع ہوں۔ معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کے شفیع ہیں۔

نکتہ: جب یہ سب چیزیں شفیع ہیں۔ تو حضور کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ یہ ہے کہ یوم قیامت کے دو حالات ہیں۔ اول وقت عدل کا، دوسرا وقت فضل کا دوسرے وقت سب شفاعت کریں گے مگر اول وقت میں کوئی شفاعت تو کیا لب کشائی کی ہمت نہ کرے گا۔ از آدم تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب کہیں گے نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

دنیا میں تو سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفیع عاصیاں ہیں مگر وہاں پہنچ کر امام بخاری و مسلم تو کیا حضرات انبیاء کو بھی یاد نہ رہا۔ کہ آج شفیع کون ہے۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی وہ صبح کا تارا ہوں۔ جس نے دنیا میں بھی ان کی آمد کی خبر دی اور آج بھی کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفیع المذنبین ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ شاید کوئی کہتا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے۔ ایسی شفاعت تو کسی کے پاس پہنچ جاتے ہو جاتی دکھا دیا کہ آج تمہارا کوئی نہیں سوائے محبوب رب العالمین کے۔ ہر جگہ بھیک مانگ کر دیکھ لو۔ دروازہ مصطفےٰ کے سوا کہیں تمہاری جھولی نہیں بھر سکتی۔

(۴) شفاعت تین قسم کی ہوگی، بلندی درجات کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے اور مقام محشر سے نجات دلانے کے لئے۔ تیسری شفاعت کا تو کافر بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ مگر دوسری شفاعت صرف مومنین کے لئے ہے۔ اور پہلی شفاعت سے تارک سنت محروم رہے گا۔ کَمَا فِی الشَّامِی۔

جب جہنم سے وہ لوگ بھی نکال لئے گئے۔ جن کے قلب میں رائی بھر ایمان ہے تو رب تعالیٰ فرمائے گا۔ اب ہماری باری ہے، اپنا قدرتی لپ بھر کر جہنمی لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے عند اللہ مومن اور عند الشرع غیر مومن تھے۔ یعنی جنکے

دل میں اقرار آ گیا۔ مگر زبان سے اقرار کا موقعہ نہ پایا۔ یا جن کو تبلیغ نبوت نہ ہوئی۔ عقل سے موحد ہوئے۔ نہ تو کافر ہوں گے نہ مومن شرعی روح البیان یہ ہی مقام۔

(۵) کافر کے لئے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے۔ کہ یہ شفاعت ہے اسی لئے بالغ کے جنازے پر پڑھا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا کہ اگر یہ میت مسلمان ہے تو دعا میں شامل ہو۔ اور اگر خاتمہ بالشر ہوا ہے تو دعا سے خارج رہے۔ بخلاف چھوٹی میت کے۔ کہ وہ تو لامحالہ مومن ہے۔ اسی طرح قبرستان میں جا کر کہے۔ دار قوم من المسلمین۔

(۶) اولیاء اللہ اور مشائخ کی ضرورت ثابت ہوئی۔ کہ یہ تمام حضرات جال کے پھندے ہیں۔ اگر ایک پھندا بھی کھل گیا۔ تو باقی پھندے بھی آہستہ آہستہ کھل جاویں گے۔ زمانہ رسالت سے لوگ قرآن، حدیث، اولیاء اللہ کی بیعت کے معتقد تھے۔ کہ صحابہ نے حضور علیہ السلام کی اور تابعین نے صحابہ کرام کی بیعت کی الیٰ زَمَانِنَا ھٰذَا مگر اب چودھویں صدی کے مسلمان جو بقول خود صحابہ سے بھی افضل ہیں۔ اولاً تو علماء سے بیزار ہیں، پھر مشائخ سے پھرے۔ پھر فقہ سے ہٹے۔ پھر حدیث سے مستغنیٰ ہو گئے۔ اگر یہ ہی لیل و نہار ہیں تو آئندہ قرآن بھی مذارد ہے۔ محبوبان خدا کی مخالفت کا انجام ایمان کی بربادی ہے۔

(۷) آیتہ الکرسی میں اللہ سے لے کر عظیم تک گیارہ صفات الٰہیہ ذکر فرمائے گئے۔ بعض صوفیا فرماتے ہیں۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ سے بِمَا شَآءَ تک حضور کے تین صفات بیان ہوئے اول کے پانچ اور آخر کے تین خدا کے صفات ہیں۔ جیسا کہ کلمہ میں اول و آخر خدا کا نام ہے۔ اور درمیان میں مصطفےٰ علیہ السلام کا سے

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ سے معلوم ہُوا۔ کہ شفاعت کبریٰ سوائے بندۂ خاص ماذون لہٗ کے کوئی بھی نہ کرے گا۔ اس بندہ خاص کی صفت یہ ہے کہ وہ تو لوگوں کے دنیاوی اور اخروی حالات جانتا ہے۔ مگر لوگ جس قدر وہ محبوب چاہیں اتنے ہی اس کے علم کا احاطہ کرسکتے ہیں روح البیان یہ ہی مقام، معلوم ہُوا کہ عطائے مصطفیٰ سب کو برابر ہے۔ علیہ السلام۔ لینے والوں کا اپنا اپنا ظرف ہے۔ جیسے دریا سے کوئی مشک بھرتا ہے، کوئی گھڑا، کوئی چلو اور کوئی پیالا۔ ویسے ہی یہاں کوئی صدیق بنا، کوئی فاروق۔ کوئی بد نصیب ابوجہل ؎

کوئی ذات بس کے مہک رہی ٭ کسی دل میں اس سے کھٹک رہی

نہیں ان کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے۔ یا جیسے سورج نور یکساں پھیلتا ہے۔ مگر منور ہونے والے مختلف طور سے منور ہوتے ہیں۔ جلوہ ایک ہے مگر صدیقی اور بوجہلی آنکھیں علیحدہ علیحدہ ؎

مصطفیٰ را دید بوجہل و بگفت ٭ زشت نقشے کز بنی ہاشم شگفت

دید صدیقش بگفت اے آفتاب ٭ نے ز شرقی نے ز غربی خوش تباب

شفیع کے لئے مشفوع لہٗ کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ نااہل کی شفاعت نہ ہو۔ اور اہل شفاعت سے محروم نہ رہے۔ جیسے طبیب کو مریض لا علاج اور قابل علاج کی معرفت ضروری ہے اسی لئے صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام نے دو کتابیں دکھائیں۔ جس میں جنتی اور دوزخیوں کے نام مع ٹوٹل درج تھے۔ اور ایک شخص کو جو جہاد میں بہت مشقت کررہا تھا۔ فرمایا۔ یہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خودکشی کی۔ جس سے معلوم ہُوا کہ حضور علیہ السلام کو سعادت اور شقاوت کا علم ہے کہ اس کے بغیر شفاعت ناممکن ہے۔ ناوانوں کا یہ قول کہ قیامت میں صحابہ کرام اور مرتدین کی بھی پہچان نہ ہوگی۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ بعض لوگ حوض کوثر پر آتے ہوئے

روکے جائیں گے۔ ہم فرمائیں گے اصحابی ملائکہ عرض کریں گے لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آج تو حضور کو خبر ہے، اور دوسروں کو بھی خبر دے رہے ہیں۔ اور اس دن بھول جائیں ناممکن ہے۔ یہ محض ان کو شرمندہ کرنے کے لئے ہوگا۔ اور زجراً فرمایا جائیگا۔ کافروں سے کہا جاوے گا۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ دیکھو رب کافر کو عزیز اور کریم فرمائے گا۔ کیا رب کو علم نہیں ؟

وعظ نمبر ۱۸

حساب قبر کا بیان

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ط

یہ آیت کریمہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی کا اس میں ذکر ہے اس جگہ چند امور قابل غور ہیں۔ عذاب قبر کس کو ہوتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ حساب قبر کس طرح ہوتا ہے۔ اور اس سے کیا فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) سوالات قبر اور شئے ہیں اور عذاب قبر کچھ اور۔ نہ تو سوال سب سے ہو اور نہ عذاب سب کو۔ سوال قبر آٹھ شخصوں سے نہیں ہوتا۔ انبیاء سے شہداء سے۔ تیاری جہاد کرنے والوں سے۔ بچوں سے جو جمعہ یا شب جمعہ کو مرے۔ اور ہمیشہ موت کو یاد کرنے والوں سے۔ اور روزانہ سورۃ ملک پڑھنے والوں سے۔ جیسا کہ شامی کتاب الدفن میں ہے۔ نیز عذاب قبر بھی

ایک نوعیت کا نہیں۔ مشرکین اور کفار جو سوالات میں، ناکام رہے ہوں، ان کا اور نوعیت کا عذاب ہے اور بعض گناہگار مسلمان، جیسے پیشاب سے احتیاط نہ کرنے والا، چغل خور وغیرہ کو اور طرح کا عذاب، کبھی متقی مسلمان کو بھی تنگی قبر اور وحشت قبر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عذاب نہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو قبروں پر گذرے۔ دراز گوش پر سوار تھے۔ خچر دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ خچر وہ عذاب دیکھ کر ڈر گیا۔ ان میں سے ایک تو چغلی کرتا تھا، دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ کرتا تھا۔ پھر خرمے کی ایک شاخ کے دو حصے فرما کر قبر پر گاڑ دیئے کہ جب تک یہ تر رہیں گے۔ ان کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ اس لئے کہ تر چیز تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح کی برکت سے تخفیف ہوتی ہے۔ اسی لئے مزارات پر تر پھول وغیرہ ڈالتے ہیں کہ تسبیح سے تو میت کو فائدہ ہو۔ اور خوشبو سے میت کو بھی راحت ہو، اور زائرین کو بھی۔ اس لئے میت کے جسم اور کفن وغیرہ پر خوشبو لگانے کا حکم ہے حتیٰ کہ تختہ غسل کو بھی دھونی کا حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ بعد موت حواس قائم رہتے ہیں۔ اور میت تو خوشبو اور بدبو محسوس کرتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست پاک کی یہ برکت تھی کہ عذاب میں تخفیف ہوئی ٹھیک نہیں۔ ورنہ حدیث میں تر رہنے کی قید نہ آتی یہ قبریں مسلمان کی تھیں، ورنہ عذاب میں تخفیف کیسی؟ کافر کی قبر پر اگر پورا قرآن بھی پڑھ دیا جاوے تب بھی اسے فائدہ نہیں، تنگی قبر تو صالحین کو بھی ہوتی ہے۔ کہ قرآن کو پیار و محبت سے دباتی ہے مگر میت کو وحشت ہوتی ہے۔ جیسے کہ بچہ کو ماں گود میں دبائے جس سے بچہ گھبرائے، یا بلا تشبیہ بلی اپنے بچے کو منہ میں دباتی ہے اور چوہے کو بھی۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا۔ ان کو بھی ضغطہ قبر ہوا۔ معلوم ہوا کہ وحشت قبر تین طرح کی ہوئی۔ کفار کو، فساق کو، صالحین کو

(۲) عذاب قبر میں جو لفظ قبر ہے اس سے مراد گڑھا نہیں بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ یعنی دنیاوی حیات اور قیامت کے درمیان کی حالت، خواہ میت قبر میں دفن ہو، یا جل جاوے، یا شیر کھا جاوے۔ مگر اس کے بدن کے اجزاء اصلیہ سے روح کو تعلق دے کر جانور کے پیٹ میں یا میدان میں یا کہ تابوت میں۔ غرضکہ جس جگہ ہو سوال و عذاب ہوگا۔ یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ ماں کے شکم میں فرشتہ پہنچ کر رب سے پوچھ کر تقدیر لکھ آتا ہے۔ مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔ آپ کے برابر کوئی سو رہا ہے۔ خواب میں راحت یا غم دیکھ رہا ہے۔ مگر آپ کو خبر نہیں۔ اسی طرح جانور کو خبر نہیں اور اس کے پیٹ میں سب ہو گیا۔ (اشعۃ اللمعات وحاشیہ شرح عقائد)

لطیفہ:۔ سید احمد خاں علیگڑھی کے پاس کوئی طالب علم گیا۔ اس نے پوچھا کہ تم نے کتا کیوں پالا ہے؟ علیگڑھی نے جواب دیا۔ کہ اس سے فرشتے نہیں آتے تو ملک الموت نہیں آویں گے۔ اور میں نہ مروں گا۔ اس نے کہا کہ کتے کی روح کو جو قبض کرے گا، وہ تیری روح بھی قبض کرے گا۔ سید احمد خاں خاموش ہو گئے کتے سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے، عذاب کے آتے ہیں۔

(۳) حساب قبر کی صورت یہ ہے کہ بعد دفن میت لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سنتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعد موت تمام حواس ترقی کر جاتے ہیں۔ دیکھو صدہا من مٹی میں دبنے کے باوجود میت آہٹ سنتی ہے۔ اور زائرین کو بھی پہچان کر طالب دعا ہوتی ہے۔ تو جو حضرات زندگی میں دنیا کی خبر رکھتے ہوں۔ ان کے قوتی کا بعد موت کیا پوچھنا پھر دو فرشتے، منکر نکیر یعنی خوفناک اور اجنبی۔ قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ جن کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ آ کر تین سوال کرتے ہیں۔ تیرا دین کیا ہے؟

تیرا رب کون ہے؟ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اگر مومن ہے اور جواب ٹھیک دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا اگر کافر یا منافق ہے اور جواب نہ دے سکا تو بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ یہ ایسا سخت امتحان ہے کہ اس کے پرچے اور سوالات دنیا ہی میں سب کو بتا دیئے گئے ورنہ ممتحن سوالات کو چھپایا کرتے ہیں۔ رب تعالےٰ بیڑا پار لگائے۔

(۴) اس سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ اولاً یہ کہ دین کے سوال میں سوال رسالت بھی آگیا تھا۔ کہ دین تمام امور دینیہ کو کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ سوال صراحۃً کیا گیا۔ ضمناً پر کفایت نہ کی گئی۔ اہتمام کے لئے۔ نیز آخری سوال جس پر کامیابی کا مدار ہے۔ حضور کی پہچان ہے۔ دوم اگرچہ اس ذات کریم کو کبھی آنکھ سے دیکھا نہیں مگر ایمانی تعلق سے پہچان ہو گی جیسے نہ دیکھے ہوئے قرابت دار کی طرف جو کسی اجنبی جگہ مل جاوے، خون کے تعلق سے دل کھنچتا ہے۔ یا پردیس میں بیٹھا بیمار ہو۔ تو وطن میں ماں کو اثر ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مومن کا دل کھچے گا۔ ایمانی رشتہ کی وجہ سے۔ سوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ کہ ھذا چاہتا ہے۔ موجودگی مشارٌ الیہ کو۔ سامنے موجود کو، ھذا نزدیک محسوس کو کہا جاتا ہے نہ کہ غائب کو۔ اور ایک ہی وقت میں ہزاروں جگہ لوگ دفن ہوتے ہیں۔ اور سب سے یہی سوال ہوتا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ موجود ہیں۔ جیسے آفتاب کہ دن کے وقت ہر جگہ سے اس کی طرف اشارے ہوتے ہیں البتہ آنکھوں پر پردے ہیں۔ اسی پردہ کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دیکھو وہ کون ہیں؟ ورنہ وہ گئے کہاں تھے۔ وہ محبوب جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اس کو منکر شرک سمجھتا گناہ ہے کیونکہ ہر جگہ میں ہونے سے

خدا پاک ہے۔ اس کی نہ جگہ ہے نہ وقت۔ ہر جگہ تو مصطفےٰ ہی ہو سکتے ہیں علیہ السلام سے

وہ ہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

هٰذَا الرَّجُلُ سے روضہ انور یا شبیہ پاک یا حضور، ذہنی مراد لینا خلاف ظاہر ہے۔ حدیث کو ظاہر سے بلا وجہ نہیں پھیر سکتے۔ نیز اگر تصویر یا روضہ مبارک کی طرف اشارہ ہو تو وہ تصویر یا روضہ ہر جگہ حاضر ہوا تصویر کو حاضر ماننا اور تصویر والے کو نہ ماننا نادانی ہے۔ چہارم یہ کہ فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے۔ کہ تو یہ جواب دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سوال وجواب نہ تو خدائے قدوس کے علم حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ وہ تو علیم وخبیر ہے۔ اور نہ ملائکہ کے علم کے لئے انہیں بھی پہلے سے علم ہے۔ بلکہ خود اس میت کی زبان بندی کے لئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ عذاب میری ناکامی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ہر امتحان ممتحن کے علم کے لئے ہی نہیں ہوتا کبھی خود مجیب کو بتلانے یا حاضرین پر مجیب کی حالت ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے اور ہر سوال سائل کی لاعلمی کی دلیل نہیں، خدائے قدوس بھی گشت لگانے والے فرشتوں سے پوچھتا ہے۔ تم کہاں تھے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ؟ کیا رب کو علم نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ پنجم سعادت وشقاوت حسن خاتمہ اور سوئے خاتمہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ جس کا علم نکیرین کو ہے۔ نیز کاتب تقدیر جو ماں کے پیٹ میں بچہ کے تمام شدنی امور لکھ گیا۔ اس کو ان تمام باتوں کا علم ہے۔ گذشتگان کا بھی اور موجودین کا بھی۔ نیز جب کوئی عورت اپنے مسلمان شوہر سے لڑتی ہے۔ تو جنت سے حور پکارتی ہے۔ کہ یہ تیرے پاس مہمان ہے، ہمارے پاس آنے والا ہے اس کو پریشان نہ کر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کو بھی علم ہے۔ کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا نیز گھر کی لڑائی جنت سے حور نے دیکھ لی۔

اگر حضور کو بھی ان باتوں کا علم ہو تو کیا مضائقہ ہے حضرت صدیق نے ام المؤمنین صدیقہ کو خبریں دیں کہ تمہاری والدہ حاملہ ہیں۔ لڑکی پیدا ہوگی۔ میری میراث تقسیم کر لینا (دیکھو موطا امام مالک) ستاروں کا یہ علم ہے۔ تو آفتاب کا کیا پوچھنا۔ ششم اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر آذان دینا بہتر ہے۔ اذان سے دل بے قرار کو قرار آتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے۔ وحشت دور ہوتی ہے۔ اور تلقین میت بھی ہے۔ جس کی اس کو ضرورت ہے۔ کہ اس وقت تنہائی قبر کی وحشت بھی ہے، اور شیاطین کی موجودگی بھی سوالات کی سختی، دل کی گھبراہٹ، مردے کی تنہائی۔ ہزارہا مصیبتیں ہیں۔ اذان سے شیطان بھاگے گا۔ دل کو تسکین ہوگی۔ اور میت کو سوالات کے جوابات یاد آجاویں گے۔ کیونکہ کلمات اذان تلقین ہیں کہ رب اللہ ہے، دین وہ جس میں نماز فرض ہے۔ نبی میرے محمد رسول اللہ ہیں۔ مردوں کی ہر طرح مدد کرو۔ کل کو تمہیں بھی یہ واقعات پیش آنا ہیں۔ اسی طرح کفنی لکھنا بھی بہتر ہے۔ دونوں مسائل شامی جلد اول کتاب الدفن میں دیکھو۔ اس پر یہ شبہ کہ میت کے پیپ و خون میں بے ادبی ہوگی۔ محض بے جا ہے۔ زمزم پیتے ہیں۔ حالانکہ پینے کے بعد پیشاب بنتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن تراشیدہ اور بال مبارک اپنے کفن میں رکھوائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھوایا۔ اور غسل دینے والوں کو فرمایا اِشْعَرْنَهَا یعنی اس کو جسم سے ملا ہوا رکھو۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ قبر میں تبرکات بزرگان بھی برکت کے لئے رکھوانا درست ہے۔ نہ معلوم میت چھوے پھٹے یا نہ پھٹے۔ بے ادبی موہوم سے نفع یقینی کیوں چھوڑا جاوے۔ یہ امر قابل غور ہے۔ خیال رہے کہ اذان قبر کفنی، قبر پر قرآن کی تلاوت وغیرہ مسلمان میت کو مفید ہے نہ کافر کو نیز یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ اذان صرف نماز ہی کے لئے ہوتی ہے۔ بہت جگہ نماز ہوتی ہے

اذان نہیں ہوتی۔ جیسے نماز عید۔ نماز استسقاء اور نماز جنازہ وکسوف اور بہت جگہ اذان ہوتی ہے نماز نہیں ہوتی۔ جیسے بچہ کے کان میں اذان یا طاعون و آگ لگنا، مغموم کے کان میں اذان بغیر نماز ہوتی ہے۔

وعظ نمبر ۲۰

بلندی ذکر مصطفیٰ کا بیان

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

یوں تو سارا قرآن نعت مصطفیٰ ہے۔ توحید وہ ہی معتبر جو حضور بتا دیں اسی لئے کہا گیا قل ھو اللہ احد۔ متشابہات کو میانِ محبوب وحبیب راز قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا اس میں غور نہ کرے نیز احکام شرعیہ محبوب کی اداؤں کا نام ہے۔ اسی لئے قرآن میں افعال کے احکام تو ہیں مگر تفصیل نہیں یعنی تم وہ ادائیں کر لینا۔ جو محبوب کرتے ہیں۔ نجات پاؤ گے۔ نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کے افعال کسی شرط کے بغیر کر لو۔ ان کو عبادت نہ کہا جاوے گا کیونکہ اس میں محبوب کی مشابہت پوری نہ ہوئی۔ قصص اور مثال بھی اظہار عظمت مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے ہیں۔ یعنی ان حضرات کے یا امتوں کے احوال دیکھو۔ اور محبوب اور ان کی امت کا حال دیکھو۔ زمین و آسمان کا فرق پاؤ گے۔ کیونکہ یہ عظمت والے ہیں۔ غرض عقائد، مثالیں، قصے احکام سب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت ہے۔ مگر اس آیت کریمہ میں صراحۃً نعت مصطفیٰ اور رفعت شان مصطفیٰ علیہ السلام مذکور ہے۔ یہاں چند امور قابل غور ہیں۔ رفعت کے کیا معنیٰ ہیں؟ رفعت کو اپنی طرف کیوں نسبت کیا؟ لک کیوں فرمایا؟

صرف رَفَعْنَا ذِکْرَکَ کیوں نہ فرمایا؟ آپ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟ رفعت میں بہت وسعت ہے۔ یہاں بڑوں کا ذکر تو زمین پر ہے، مگر اس رفعت والے محبوب کا نام زمین پر بھی ہے اور عرش پر بھی، جنت میں بھی اور رب تعالیٰ کے یہاں بھی ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا!

ہاتھ پاؤں سے آنکھ زیادہ کام کرتی ہے۔ آنکھ سے زیادہ کان کام کرتا ہے۔ کہ آگے پیچھے ہر طرف سے سنتا ہے، اور کان سے زیادہ خیال کام کرے اور خاص کر خیال شاعر، کہ زمین و آسمان ملا دے۔ مگر جہاں خیال شاعر بھی تھک جاوے وہ مجاہد مصطفےٰ ہیں علیہ السلام کہ ان کی رفعت تک خیال کی بھی پہنچ نہیں۔ جہاں خیالِ شاعر تھکے۔ وہ حضور کی بلندی ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں ؎

لٰکِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ ٭ لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

نیز جہاں خدا کا نام ہے۔ وہاں نام مصطفےٰ بھی ہے۔ کلمہ، نماز، اذان خطبہ جو ان کے خیال سے نماز کو فاسد کہے وہ خود فاسد ہے، کہ ان کو نماز میں سلام عرض کرنا واجب ہے۔ خیال کس طرح مفسد ہوگا۔ نیز قرآن کریم میں تمام انبیاء کو نام سے خطاب، مگر یہاں اوصاف حمیدہ سے۔ بڑے بڑے نامور زمین میں دفن ہوئے۔ نام بھی مٹ گیا۔ مگر نہ مٹا ہے تو ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ؎

مٹ گئے، مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

(۲) رفعت کو اپنی طرف نسبت فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کو رفعت کسی سے نہیں ملا

ہم نے عطا فرمائی۔ سب کو رفعت ملتی ہے ان کی بدولت اسی لئے آپ کی ولادت ہفتہ میں، نہ جمعہ کے دن ہوئی، نہ شنبہ کو، نہ یکشنبہ کو، کہ جمعہ اسلام کا معظم دن ہے۔ اور شنبہ یہودیوں کا یکشنبہ عیسائیوں کا۔ کوئی نہ کہہ سکے کہ دن سے ان کو عظمت ملی۔ بلکہ دن کو ان سے عظمت ملی۔ نیز ولادت پاک بیت المقدس میں نہ ہوئی کہ وہ قوموں کا قبلہ ہے۔ نہ کسی سرسبز و شاداب قابل تفریح جگہ میں کہ کوئی تفریح کے لئے آکر زیارت و حج بھی کرے خشک مقام میں۔ اور پھر جب وہاں داخل ہو تو لباس بھی اتار کر احرام باندھو۔ تفریح کرنا ہو تو پیرس و لندن جاؤ۔ مکہ مکرمہ میں آپ کو نہ رکھا کہ کوئی روضہ کی زیارت کعبہ معظمہ کی وجہ سے کرے نہیں بلکہ حج کرو اور جگہ اور زیارت مصطفٰے علیہ السلام کے لئے علیحدہ سفر کرو۔ تاکہ وَرَفَعْنَا کا ثبوت ہو۔ کعبہ کی طرف بھی اسی لئے نماز ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے اس کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ ترضٰی کی صفت سے معلوم ہوا کہ کعبہ کا قبلہ ہونا رضائے محبوب کے لئے ہے، یہ مصلحت تھی تحویل قبلہ میں کہ اول ہی سے کعبہ قبلہ ہوتا۔ تو یہ بات حاصل نہ ہوتی جواب معلوم ہوئی ؎

کعبہ بھی ہے ان ہی کی تجلی کا ایک ظل
روشن انہی کے نور سے تپلی حجر کی ہے

اسی لئے بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی بحالت نماز حضور کے بلانے پر خدمت میں چلا جاوے، تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ دیکھو مرقاۃ باب فضائل القرآن اور تفسیر آیت اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ اس لئے کہ اگر نمازی نے کلام کیا۔ تو ان سے جن کو سلام کرنا نماز میں واجب ہے۔ اگر

اجسام سے پھرا، تو کدھر، قبلہ ارواح کی طرف، انہیں کے حکم سے اُدھر منہ کیا تھا۔ انہیں کے حکم سے اُدھر اکر چلا، تو کدھر، جن کے حکم سے کھڑا ہوا تھا۔

:. بنتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ جواب میں فرمایا لَنْ تَرَانِیْ تم نہ دیکھ سکو گے۔ یہ نہ فرمایا کہ تم کو نہ دکھائیں گے اس ردیتہ سے یہاں منع فرمایا۔ حالانکہ اہل جنت کو دیدار عام ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک اس رویتہ کا فتح باب دست پاک مصطفٰے علیہ السلام سے نہ ہوا تھا۔ وہ معراج میں دیدار کریں۔ پھر اور کر سکتا ہے۔ اسی لئے جنت میں پہلے حضور جائیں گے۔ بعد میں دوسرے۔

(۳) لَکَ اس لئے فرمایا کہ لام ملکیّت کے لئے آتا ہے۔ اَلْمَالُ لِزَیْنٍ اور رفعت کے آپ مالک کر دیئے گئے۔ کہ جس کو عزت ملی ان کی نسبت سے، اولیا مشائخ، علماء جو کچھ ان کی عزت ہوتی ہے ان ہی کے نعت گو اور خدام ہونے کی وجہ سے، والدین کریمین، اہل قرابت اہل ملک، زمین حجاز سب کو ان ہی سے عظمت ملی۔ اب بھی جو جہاز حاجیوں کو لے کر جدہ جاتا ہے۔ اس کی رفعت دیکھنا ہو تو بمبئی اور کراچی میں اس کا نظارہ کرو۔ کہ لندن و پیرس جانے والے جہاز بے قدر ہے مگر دیار حبیب کا جہاز پیارا، وہاں ہجوم عاشقاں، وہاں نعت کے نغمے سب کچھ ہوتا ہے۔

ایک فقیر دربار خواجہ اجمیری میں پانچ روپے خواجہ سے مانگ رہا تھا۔ کوئی بے دین وہابی بولا۔ کہ خواجہ کیا دیں گے۔ لے میں تجھے دوں۔ فقیر نے روپے تو لے لئے۔ اور بولا کہ خواجہ قربان! کہ دلوائے بھی تو کیسے خبیث سے، غرضکہ وہابیہ نے بہت کوشش کی کہ اہل اللہ کی رفعت کم ہو۔ مگر ہو کیسے۔ کہ وہ رفعت والے سے نسبت رکھتے ہیں ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ٭ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

صحابہ کرام میں سے بعض کے وہ نام جو والدین نے رکھے تھے غیر معروف ہو گئے ۔ اور جو سرکاری عطیہ ہوا وہ مشہور۔ ابو ہریرہ سرکاری نام ہے، نہ معلوم کہ پیدائشی نام کیا تھا۔ نیز کفار کو جس خطاب سے مخاطب کر دیا ۔ اس میں وہ مشہور ہوا، اصلی نام گم ہو کر رہ گئے ۔ ابوجہل ابولہب وغیرہ حضور کے رکھے ہوئے نام ہیں ۔ ان ہی انبیاء کے نام آج تک دنیا میں بلند ہیں ۔ جن کو حضور نے روشن کر دیا ۔ اسی لئے مسیح علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا تھا ۔ کہ میرے بعد نبی معظم تشریف لادیں گے ۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ ان کی برکت سے میری والدہ ماجدہ کی عصمت کے خطبے قیامت تک پڑھے جاویں گے اور میرا بھی ہر جگہ چرچا ہوگا ۔ اسم مبارک ہوا محمد یعنی تعریف کیا ہوا، تا کہ کفار و مشرکین بھی محمد ہی کہیں ۔ اور لا محالہ ان کی تعریف کرنی پڑے ۔ کفار قریش نے آپ کو مذمم کے نام سے موسوم کر کے شان میں بکواس کی، فرمایا کہ یہ تو مذمم کو برا کہتے ہیں ۔ اور ہم محمد ہیں والدہ ماجدہ کا نام ہوا، آمنہ یعنی دنیا کو امن دینے والی یا امانت خدا کی امینہ، جو سیپ موتی رکھے وہ قیمتی ہو، تو جو پیٹ اس در یتیم کو امانت رکھے وہ کیسا معظم ہوگا ۔ انسانی مصنوعات کا مقابلہ ہو سکتا ہے ۔ مگر خدائی مصنوع کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ بجلی و گیس کا مقابلہ ممکن ۔ مگر قدرتی رفعت والے کا پانا محال ۔ اس سے معلوم کہ ہم لاکھ عبادت کریں ۔ مگر ان کے ایک سجدے کے برابر نہیں ۔ کہ وہ محبوبیت کہاں سے آوے ۔

رفعنا ماضی مطلق سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے ہی رفعت دے چکے ہیں ۔ جب نہ زمانہ تھا، نہ زمین، نہ مکان تھا، نہ مکین، نہ ماضی، نہ مستقبل خلاصہ کلام یہ ہوا ۔ کہ رب تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت ہر جگہ، ہر طرح، ہر حیثیت سے رفعت و بلندی بخشی، ان کا غلام اول درجہ کا بلند ہے ۔ ان کا دشمن اعلیٰ درجے کا پست ہے

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی

ان کے در سے جو پھرا۔ اللہ اس کے پھر گیا

وعظ نمبر ۱۹

استقلال کا بیان

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

قربان اس معجزہ نما قرآن کے جس کی ایک ایک آیت ساری زندگی انسان کے لئے دستور العمل ہے۔ اس آیت میں مومن بننے کا طریقہ اور مومن کا ثواب بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں چند امور قابل لحاظ ہیں۔ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ سے کیا مراد ہے۔ استقاموا کا مطلب کیا ہے؟ نزول ملائکہ سے کیا مراد ہے؟

(۱) قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ سے مراد یا تو یوم میثاق کا قول ہے جبکہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب نے بلٰی کہا۔ تب تو استقامت سے مراد ہے۔ دنیا میں بھی مومن رہنا۔ اسی لئے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضور نے فرمایا ذٰلك امتی یعنی یہ میری امت کی صفت ہے (روح البیان) یعنی کافر و منافق یہود و نصاریٰ اس میثاق کے عہد پر قائم نہ رہ سکے، انسانوں کو خدا مان بیٹھے مگر مسلمان قائم رہے یا استقامت سے دنیا میں قول و قرار مراد ہے یعنی دنیا میں مومن ہو کر ایمان پر قائم رہے۔

(۲) استقامت میں چند قول ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان پر قائم رہنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، عمل کا ریا سے پاک ہونا کہ یہ شرک خفی ہے۔ اسی لئے قیامت کے دن ریاکار شہدار علمار، اسخیار غرضکہ سب ریاکار جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان سے کہا جاوے گا۔ کہ تمہارے یہ افعال ریا کے لئے تھے۔ نہ ہمارے لیئے۔ (دیکھو مشکوٰۃ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ادائے فرائض (روح البیان) یعنی رب کے فرائض ادا کرنا، استقامت ہے یہ تو جزئیات استقامت کا بیان ہے۔ اور استقامت کلی یہ ہے، کہ قلب وقالب کا ہر حال میں حق پر رہنا۔ مومن میں دو چیزیں درکار ہیں، اجابت اور استقامت اجابت عہد کرنا ہے۔ اور استقامت اس کی وفا۔ تمام کام آسان ہیں۔ مگر استقامت مشکل اَلْاِسْتِقَامَةُ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ کَرَامَةٍ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہ دیکھی۔ فرمایا کہ تم نے میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا۔ کہا نہیں۔ فرمایا یہ استقامت ہی میری کرامت ہے۔ اور کیا چاہیئے۔ ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا ولایت نہیں۔ یہ کام مکھی اور مچھلی بھی خوب کرتی ہے۔ دجال بڑے عجوبے دکھائے گا۔ دین پر استقامت ولایت ہے۔

چند موقعہ پر استقامت کی آزمائش ہوتی ہے، خوشی میں، رنج میں، غصہ میں، بڑے بڑے پرہیزگار شادی بیاہ کے موقعہ پر ناچ گانے و دیگر محرمات کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اور رنج میں کلمات کفریہ بک دیتے ہیں۔ غصہ میں ظلم وتعدی کر بیٹھتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کچے ہیں ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

ایک صحابی اپنے غلام کو غصے میں مار رہے ہیں۔ ایک آواز کان میں آئی کہ تم بھی کسی کے خطاکار غلام ہو۔ اور تمہارا بھی کوئی آقا ہے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو خود حضور فرما رہے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب کسی پر غصہ آئے۔ تو سمجھو کہ ہم بھی کسی کے مجرم ہیں ؎

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

شاہجہان نے تخت طاؤس نو کروڑ روپیہ میں تیار کرایا۔ تیاری پر تخت نشینی کا بڑا جشن کیا۔ جب تخت پر بیٹھا۔ تو فوراً کھڑے ہو کر دو رکعت نفل ادا کیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت نفل کا کیا موقعہ تھا؟ جواب دیا کہ فرعون نے فقط ملک مصر پایا۔ جو ہندوستان سے چھوٹا ہے۔ اور ہاتھی دانت کا تخت بنایا۔ جو قیمت میں میرے تخت سے کم تھا۔ مگر جب بیٹھا تو کہا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی میں خدا ہوں۔ میں آج سارے ہند کا واحد مالک ہوں۔ اور اس سے بدرجہا قیمتی تخت پر بیٹھا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ نفس غرور کرے۔ میں نے سر کو خاک پر رکھ کر کہا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اپنی ذلت اور رب کی عظمت کا اقرار کیا۔ یہ ہے استقامت کہ رب تعالیٰ کو تخت پر بھی یاد رکھے اور تختہ پر بھی۔

شاہجہان کو جامع مسجد دہلی کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ شاہجہان خود موجود تھا۔ حکم دیا کہ سنگ بنیاد وہ رکھے۔ جس کی تہجد کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ یہ سن کر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ تب خود شاہجہان نے بنیاد رکھی۔

جہانگیر کا غلام عبداللہ نامی تھا۔ ایک بار بادشاہ نے کہا۔ کہ عبدل یہاں آؤ۔ اس نے کہا کہ غلام سے کیا خطا ہوئی کہ آدھا نام لیا۔ فرمایا کہ اس وقت بے وضو تھا۔ اللہ کا نام

سن لیا۔

جہانگیر اپنی بی بی نور جہاں کا ایسا عاشق کہ کچہری میں جب تک نور جہاں اندر کھڑکی سے اپنا ہاتھ بادشاہ کی پشت پر نہ رکھتی۔ بادشاہ کا دماغ صحیح نہ رہتا۔ اور کچہری نہ کرسکتا تھا۔ لیکن نور جہاں رافضیہ تھی۔ اس نے ایران سے عبداللہ سوستری کو بلا کر آگرہ کا قاضی بنایا۔ یہ تقیہ شافعی بنا۔ اور قاضی القضات کے عہدہ پر رہا۔ اس نے ایک کتاب لکھی المصائب والنوائب۔ اس میں لکھا ہے۔ ع

زعمر خویش بیزارم کہ او نام عمر دارد

یعنی میں اپنی عمر سے بیزار ہوں کہ اس کا نام عمر ہے۔ اس سے تمام شہر میں شور مچ گیا۔ جہانگیر کو جو خبر ہوئی۔ اس نے بلا کر پوچھا۔ کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عبداللہ جانتا تھا کہ جہانگیر نور جہاں کے قبضہ میں ہے۔ صاف صاف کہہ دیا کہ میں رافضی ہوں۔ تقیہ اب تک کر رہا تھا۔ جہانگیر نے کہا کہ اگر تو اپنی عمر ناپاک سے بیزار ہے تو میں بھی نہیں چاہتا کہ تو دنیا میں رہے۔ تلوار اٹھائی قتل کے لئے خود اٹھا۔ نور جہاں نے پیچھے سے دامن کھینچا۔ دامن جھٹک کر چھڑا لیا۔ اور اس کو قتل کر کے نور جہاں سے فرمایا کہ جان من جان دادہ ام ایمان ندادہ ام میری جان! میں نے تجھے جان دی ہے۔ ایمان نہیں دیا ہے۔ استقامت یہ بھی ہے کہ انسان ہر موقعہ پر اپنی اصلیت کو یاد رکھے۔ حضرت ایاز علیہ الرحمۃ ہمیشہ کچھ دیر موتی خانہ میں تنہا بیٹھا کرتے تھے۔ لوگوں نے شکایت کی کہ اے محمود شاید ایاز نے چوری کی ہے۔ جس کو روزانہ جا کر شمار کرتا ہے۔ سلطان وقت مقررہ پر موتی خانہ پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ دیکھا کہ ایاز تنہا بیٹھے ہیں۔ اور ایک آہنی صندوق مقفل پاس رکھا ہے۔ پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا کہ میری عیب پوشی فرمائیے۔ شاہ نے کہا کہ فوراً کھولو! کھولا تو اس میں پھٹی ہوئی ٹوپی، پھٹا ہوا کرتہ، پائجامہ رکھا تھا۔ شاہ نے کہا۔ یہ کیا۔ عرض کیا کہ حضور کے یہاں

یہ پہنے ہوئے آیا تھا۔ اب نفس سے کہتا ہوں۔ کہ بادشاہ کی مہربانیوں سے اپنی اصلیت نہ بھولنا۔ اس لئے روز پہنتا ہوں بادشاہ رونے لگا۔ اور کہا تو اپنی اصلیت نہ بھولا، مگر میں بھول گیا کہ ماں کے پیٹ سے ننگا آیا تھا۔ مگر رب کی نعمتیں پا کر اسے بھول گیا۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ میں چند احتمال ہیں یا تو دنیاوی مصائب کے وقت ملائکہ ان کے قلب کو آسائش و اطمینان دیتے ہیں کہ وہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہیں۔ یہ بھی استقامت کا ایک فائدہ ہے۔ یا بروقت نزع کے فرشتے اچھی شکل میں آکر فرماتے ہیں۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ اے روح اپنے رب کے پاس چل۔ وہ تجھ سے راضی، تو اس سے راضی ہے۔ اس سے نزع کی شدت کم محسوس ہوتی ہے۔ اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ موت کے وقت پیاری چیز کا سامنے آنا آسانی کا سبب ہے اسی لئے میت کے پاس اس کے پیاروں اور قرابت داروں کو جمع کیا جاتا ہے۔ ؎

شدت جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشمکش
درد زباں ہو یا خدا صلی علیٰ محمد
دم نزع سالک ہے نوا کو دکھانا شکل خدا نما!
کہ قدم پہ آپ کے نکلے دم بس اسی پہ دار و مدار ہے!

یا قبر میں جبکہ نکیرین مردے کو امتحان میں کامیاب پاتے ہیں، تو فرماتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ دلہن کی طرح سو جا۔ یا بروز حشر کے ملائکہ نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دے کر کہتے ہیں۔ تجھ کو مبارک ہو معلوم ہوا کہ استقامت ہے تو بہت شکل مگر بہت اچھا پھل رکھتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا ارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى دِیْنِكَ بِجَاهِ حَبِیْبِكَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

وہ ہی پرکار صحیح دائرہ کھینچ سکتا ہے۔ جس کا ایک قدم مرکز پر قائم ہو۔ دوسرا متحرک۔ تم بھی ایک

قدم شریعت پر قائم کرو۔ دوسرا و بنیادی امور میں متحرک کرو۔ تمام کام بنیں گے اگر شریعت سے ہٹے کام بگڑا۔ کوٹھے میں بھی مسلمان رہو اور کوٹھی میں بھی راحت میں بھی ایمان پر قائم رہو۔ غم میں بھی۔ جس سوئی کا ڈورا ہوتا ہے وہ کبھی نہیں گم ہوتی۔ تم بھی شریعت کے ڈورے میں منسلک رہو۔ کبھی ضائع و برباد نہ ہو گے۔ اسی طرح جب ڈورا موم کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ تب ہی وہ موم بتی بن کر روشنی دیتا ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو نیک لوگوں کے ساتھ منسلک رکھو۔ خود بھی روشن رہو گے۔ اور سب کو منور کرو گے۔ اگر علیحدہ ہوئے، تاریک ہو جاؤ گے، اچھوں کی صحبت اچھا کر دیتی ہے۔

نکتہ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ میں بہت وسعت ہے، منہ سے قول ہو دل سے اعتقاد ہو، پھر جب اللہ کو رب کہہ دیا۔ تو ضروری ہے کہ اس کے پیغمبروں اور کتابوں کو بھی مانا جاوے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کو مانا، تو ضروری ہے، کہ ان کے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور خدام کو مانا جاوے جسے اپنا مالک کہہ دیا۔ اور اس کے سارے احکام کو اپنے پر لازم کر لیا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہہ دیا۔ تو اس کے پیاروں کی اطاعت اس کے احکام کی پابندی اپنے ذمہ ضروری کر لی۔ کفار اللہ تعالیٰ کو لاکھ بار اپنا رب کہیں کچھ معتبر نہیں۔ مسلمان اسے رب کہے معتبر ہے۔ کیونکہ کفار پیغمبروں کا انکار کر کے عملاً اپنے قول کی تردید کر رہے ہیں، ایک ہوا سانپ کے منہ میں جا کر اور تاثیر رکھتی ہے، اور بلبل یا شہد کی مکھی کے منہ میں جا کر دوسری تاثیر۔ ایسے ہی ایک ربنا اللہ مومن کے منہ سے نکلے۔ تو اس کی یہ تاثیر تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور کافر و منافق کے منہ سے نکلے کوئی اثر نہیں۔ دعاؤں کا بھی یہ ہی حال ہے۔

وعظ نمبر ۲۱

اطاعت پیغمبر کا بیان

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اس آیت کریمہ میں تین امور قابل غور ہیں۔ یا سے خطاب، استجابت کا حکم یُحْیِیْكُمْ کی مکمل بحث۔

(۱) تمام اُمتوں کو اُن کا نام لے کر پکارا گیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ هَادُوْا وغیرہ مگر امت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑے پیارے خطاب اٰمَنُوْا سے پکارا۔ اگرچہ ایماندار وہ بھی تھے۔ مگر یہ خطاب مسلمانوں سے خاص کیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو بھی اسم شریف سے نہ پکارا گیا۔ بلکہ اچھے خطاب سے۔ دوسرے یہ کہ خطاب سے ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ اس کے بعد قہر ہوگا یا کرم۔ ایک سے کہا او نالائق! معلوم ہوا کہ عتاب ہے۔ ایک کو پکارا، او پیارے! معلوم ہوا کہ عنایت ہے۔ اس خطاب سے عنایت الٰہی کا پتہ لگتا ہے سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہے۔

(۲) اِسْتَجِیْبُوْا سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی اجابت ہر حال میں کرنی واجب ہے۔ چاہے نماز میں ہو یا بی بی کے ساتھ جماع میں، بہرحال اطاعت ضروری۔ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکار نے پکارا جبکہ وہ نماز میں تھے، جلد جلد نماز ختم کرکے حاضر ہوئے فرمایا اتنی دیر کیوں لگی؟ عرض کیا نماز میں تھا۔ فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی یا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ یعنی اگرچہ نماز میں تھے۔ مگر ہماری آواز سنکر فوراً آنا چاہیئے تھا۔ چند صورتوں میں نماز توڑ دینا جائز ہے۔ ان میں ایک ماں کی ندا کے وقت، جب ماں جانتی نہ ہو، کہ میرا بچہ نماز میں ہے۔ اور نماز بھی نفل ہو، یا کسی جان کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں۔ جیسے نابینا کنوئیں میں گرا جارہا ہے۔ نمازی نے نماز میں دیکھ لیا یا جان کے نقصان کی صورت میں نمازی کی سواری بھاگی جارہی ہے۔ یا ریل چھوٹ رہی ہے وغیرہ (دیکھو شامی کتاب الصلوٰۃ) والدہ کی آواز پر نماز توڑ تا جائز ہے نہ کہ والد کی۔ کیونکہ احترام والد کا زیادہ ہے۔ اس کے لئے کھڑا ہو جاوے، اور خدمت والدہ کی بہت (روح البیان یہی آیت) مگر ماں کی آواز پر صرف نفل نماز توڑ سکتے ہیں۔ نہ کہ فرض اور اس سے نماز ٹوٹ جاوے گی۔ مگر حضور علیہ السلام کی آواز پر فرض نماز بھی چھوڑ کر آنا ضروری ہے۔ اور اس آنے جانے سے نماز نہ ٹوٹے گی۔

صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ وہ ہر حال میں حکم مصطفیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے۔ طحاوی شریف میں باب الغسل میں ہے کہ ایک صحابی کو حضور علیہ السلام نے ندا دی۔ وہ اپنی بی بی سے جماع کر رہے تھے۔ اسی حالت میں بغیر فراغت چلے آئے۔ سرکار نے فرمایا لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَا عرض کیا ہاں فرمایا کہ اکسال سے غسل واجب ہے۔ اکسال کے معنی ہیں بغیر انزال عورت سے علیحدہ ہو جانا۔ اسی واقعہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوا۔ اسی طرح حضرت حنظلہ صحابی رضی اللہ تعالے عنہ نے جمیلہ کے ساتھ نکاح کیا، زفاف کی رات تھی۔ جماع کر لیا، غسل نہ کیا تھا، کہ احد کی جنگ کی شرکت کے لئے حکم پہنچا۔ اسی حالت میں اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر چل دیئے اور شہید ہو گئے صحابہ نے دیکھا کہ شہیدان کے درمیان ان کی نعش مبارک سے پانی ٹپک رہا ہے۔ تعجب کیا، ان کی بی بی نے خبر دی، کہ یہ حالت جنابت میں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ ان کو ملائکہ نے غسل دیا

ہے۔ اسی لئے ان کا نام غسیل الملائکہ ہے دیکھو کتب تواریخ اور مقدمہ ہدایہ! یہ تھا آیت پر عمل ہے۔

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے!

نکتہ ۔ یہاں دو باتیں سمجھنی چاہئیں۔ اول یہ کہ ندائے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر اہم کیوں قرار دیا کہ ہر حالت میں اجابت لازم کی گئی دوم فرمایا گیا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اور پھر فرمایا دعاکم صیغہ واحد، بلانے والا ایک مگر اطاعت دو کی۔ اللہ اور رسول کی بات یہ ہے کہ مسلمان مرد حضور کا غلام ہے۔ اور مسلمان عورت حضور کی لونڈی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اَوْلٰی کے معنی یا تو اقرب، جیسے کہ قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا، یا الملک دیکھو حضرت نے جب حضرت زید ابن حارث (اپنے معتق) کا پیغام، حضرت زینب کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے اور ان کے بھائی نے انکار کیا۔ تو آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ الآیہ یعنی جب اللہ رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں۔ تو کسی کو قبول نہ کرنے کا حق نہیں، جیسے مولیٰ جہاں چاہے لونڈی کا نکاح کر دے، لونڈی کو انکار کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح یہاں ہوا، حالانکہ نکاح میں اذن عورت ضروری ہوتا ہے۔ نیز حضور پر زکوٰۃ فرض نہیں، زکوٰۃ دیں تو کس کو، سب تو ان کے غلام ہیں۔ اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ مگر بعض احکام اپولے کے لئے ہوتے، تو یہ ان کا کرم ہے، جیسے ازواج النبی امہات المومنین ہیں، مگر میراث نہیں، اور مملوک کو لازم ہے کہ مولےٰ کی پکار پر دوڑے۔

دوسری بات کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکارنا حقیقۃً خدا کا پکارنا ہے۔ یہ ہی قرب الٰہی اور فنائیت فی الذات ہے کہ ان کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا گیا۔ اسی لئے آیت میں ذکر تو ہے اللہ اور رسول کا، مگر دعا صیغہ واحد ہے۔ تو اشارہ اس جانب ہوا کہ اگر تم نماز میں خدا کو یاد کر رہے ہو یا کوئی بھی دنیاوی فعل میں ہو، جب خدا بواسطہ مصطفےٰ پکارے۔ تو فوراً حاضر

ہو جاوٗ۔ حضور کا حکم ماننا رب کا حکم ماننا ہوگا۔

(۳) لِمَا یُحْیِیْکُمْ کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ یہ عبادت دَعَاکُمْ کے متعلق ہو اور ما موصولہ لام بمعنے الی، بعد صلہ، معنی یہ ہوئے کہ جب تم کو رسول ایسے فعل کے لئے بلاویں۔ جو تم کو زندگی بخشے ایمان یا علم یا جہاد یا شہادت یا نماز کسی کام کے لئے بلائیں کہ یہ سب چیزیں روحانی زندگی بخشتی ہیں۔ بلکہ اگر اپنی کسی اطاعت کے لئے بلاویں کہ ان کی اطاعت ہی اصل اعمال ہے۔ تو فوراً چلے آوٗ۔ نہ نماز کا فکر کرو، نہ کسی اور عبادت کا۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز ٭ اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

معلوم ہوا کہ جملہ عبادات فروع ہیں ٭ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یا لا تعلیلیہ ہے لما متعلق اِسْتَجِیْبُوْا کے یعنی ان کے آواز پر چلے آوٗ کیونکہ وہ تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ اس کی شرح اس شعر سے ہوتی ہے۔

صد ہزاراں جبرئیل اندر بشر ٭ بہر حق سوئے غریباں کن نظر

حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے وہ عظمت و روحانیت بخشی ہے کہ جس چیز سے وہ مس کریں۔ وہ چیز زندہ ہو جائے گی۔ بلکہ وہ چیز بھی جس کو آگ لگ جاوے اس کو زندہ کر دے۔ پھر یہ چیز بھی جس کو لگے۔ اسے بھی زندگی ملے۔ اس لئے ان کو قرآن کریم میں روح فرمایا گیا فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا یا بِرُوْحِ الْقُدُسِ وغیرہ۔

چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا مع قبطیوں کے پیچھا کیا۔ تب وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ موسےٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل دریائے نیل کو خشک کر کے اس میں داخل ہو گئے اور پانی پہاڑوں کی شکل میں آس پاس کھڑا ہو گیا۔ فرعون گھبرا گیا۔ سوچنے لگا کہ پانی میں راستہ کیسے پیدا ہو گیا۔ میں اس میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ چاہا کہ داخل نہ ہوں حضرت جبریل امین ایک گھوڑی پر سوار ہو کر

آگے آگے چل دیئے۔ فرعون کا گھوڑا بے قابو ہو کر نیل میں داخل ہو گیا۔ اور سب غرق ہو گئے۔ مگر جبریل کے گھوڑے کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی وہاں گھاس پیدا ہو جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کے ایک سنار نے اس کے ٹاپ کے نیچے کی مٹی اٹھالی۔ اور یہاں سے نجات پاکر سونے کا بچھڑا بنا کر اس میں مٹی ڈالی۔ جس سے بچھڑے میں حرکت پیدا ہو گئی۔ اس کی پوجا شروع کر دی۔ یہ گائے پرستی کی ابتدا ہے۔ جیسے نمرود کی آگ سے آتش پرستی اور ہولی کی ابتداء ہوئی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گوپھن بھاری ہو گئی تو شیطان نے کہا یہاں رنگ وغیرہ پھینک کر شرارت کرو۔ جس سے ملائکہ رحمت جدا ہوں، اور گوپھن ہلکی ہو۔ اس پر عمل ہوا۔ یہ ہی ہولی کی ابتدا ہوئی۔

دیکھو جس گھوڑی کو جبریل نے مس کیا، اس گھوڑی کے مس سے زمین میں جان آئی اور مٹی کے مس سے بچھڑے میں جان آئی مولانا عرض کرتے ہیں۔ کہ یا حبیب اللہ آپ بشر تو ہیں مگر ایسے ہزارہا جبریلی روحانیت اور حالتیں آپ میں ہیں۔ اگر آپ مجھ غریب پر نظر فرماویں تو مجھے بھی زندگی مل جاوے۔ ان کی نظر کا تو یہ حال ہے۔ کہ حضرت صدیقہ نے حضور کا تہبند مبارک ایک بار اوڑھ لیا۔ تو چودہ طبق روشن ہو گئے جس کو مولانا نے اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

مصطفٰے روزے بگورستان برفت ۔ باجنازۂ یار از یاراں برفت
خاک را در گور او آگندہ کرد ۔ زیر خاک آں دانہ اش را زندہ کرد
چوں زگورستان پیمبر باز گشت ۔ سوئے صدیقہ شد و ہمراز گشت
چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد ۔ پیش آمد دست بروی می نہاد
گفت پیغمبر چہ مے جوئی شتاب ۔ گفت باراں آمد امروز از سحاب
جامہایت می بجویم در طلب ! ۔ تر نمی بینم زباراں اے عجب !
گفت از بر سر فگندی از ازار ! ۔ گفت کردم آں ردایت را خمار !

گفت ہمرآں نودائے پاک جیب • چشم پاکت راخدا باران غیب!
نیست ایں باراں ازیں ابر شما • ہست باراں دیگر و دیگر سما

اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ولی کامل حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جس جگہ وہ قدم پاک رکھتے ہیں۔ اس جگہ سبزی آجاتی ہے۔ خضر بمعنے سبز۔ اس کے قدم پاک میں یہ حیات ہے۔ نیز جبکہ ان سے ملاقات کی غرض سے بامرالٰہی حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے ساتھی یوشع علیہ السلام کو لے کر چلے، تو راستہ میں بھونی ہوئی مچھلی توشہ میں رکھ لی، جب مجمع بحرین پر پہنچے۔ تو وہ مچھلی اس جگہ کی آب و ہوا کی تاثیر سے زندہ ہو کر پانی میں تیر گئی اور پانی میں سوراخ ہو گیا۔ اس آب و ہوا میں زندگی بخشنے کی تاثیر حضرت خضر علیہ السلام کی برکت سے ہوئی۔ یہ تو اولیائے امت کا حال ہے۔ تو ولئے امّت کس قسم کی حیات بخشتے ہیں۔ خود اندازہ لگالو۔ اسی لئے اولیائے کرام کے مزارات کے پاس مردے دفن کرنا بہتر ہے کہ جو انعام الٰہی ان پر ہو رہے ہیں، وہ اپنے پڑوسیوں کو اس سے محروم نہ کریں گے۔ کسی بڑے آدمی کے پاس بیٹھو۔ تو اس کو جو پنکھا ہو رہا ہے۔ اس کی ہوا تم کو بھی پہنچ جاوے گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مدینہ پاک کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور مکہ معظمہ میں نماز ایک لاکھ کے برابر، کہ وہاں کی آب و ہوا نمازوں کے لئے زیادہ موافق ہے، جیسے کہ پہاڑی علاقہ کے پھل بہت بڑے اور موٹے ہوتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کی نماز مدینہ منورہ کی نماز سے ثواب میں زیادہ ہے، مگر درجہ میں معاملہ برعکس ہے۔ اسی لئے اگر مدینہ پاک میں جماعت سے نماز پڑھی تو امام سے داہنی طرف ثواب زیادہ مگر بائیں طرف درجہ زیادہ۔ کہ بائیں طرف روضۂ مطہرہ سے قریب ہے۔ روضۂ مطہرہ بائیں طرف ہے۔ جیسے کہ جسم انسانی میں دل بائیں طرف ہے، درجہ اور ہے ثواب کچھ اور۔ اگر بادشاہ کسی سپاہی سے خوش ہو کر اسے لاکھ روپیہ انعام دے دے، اور وزیر کو کچھ نہ دے۔ تو سپاہی اس انعام کی وجہ سے

وزیر سے نہ بڑھ جاوے گا۔ درجہ وزیر ہی کا بڑا رہے گا۔

کچھ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے مکان پر دعوت کھانے گئے۔ دستر خوان میلا تھا۔ اس کو صاحب خانہ نے آگ میں ڈال دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کو صحیح و سلامت نکالا۔ کہ وہ صاف ہوچکا تھا طلحہ نے کہا کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے اس سے دست مبارک صاف فرمائے تھے۔ تب سے اسکو آگ نہیں جلاتی۔ انسان تو پھر انسان ہے بے جان کپڑے جسم شریف سے مس ہوئے تو وہ بھی زندہ ہوگیا۔ بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ اولیاء اللہ کے جسم کے کفن بھی مدت دراز گزرنے کے باوجود نہیں گلتے۔ جب بے جان چیزوں یعنی کپڑے کو ایسی زندگی ملے کہ فولاد کو مٹی گلادے مگر کپڑے کو نہ گلا سکے۔ تو حضرت انسان تو پھر جاندار ہیں ابھی کچھ سال پیشتر بغداد میں حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کے مزار پاک کو کھول کر سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مقبرے میں دفن کیا گیا، تو معلوم ہوا، کہ زخم سے خون کا اثر تھا، اور کفن ویسے ہی سلامت تھا۔ یہ امور قابل عبرت ہیں کہ تیرہ سو برس میں کفن کا کپڑا نہ گلا۔

اگر اب بھی بذریعہ علماء مشائخ فرمان مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو پہنچے۔ تو اطاعت اور اجابت ضروری ہے۔ اسی لئے اذان سن کر حاضری مسجد زمانہ حج میں حاضری حرمین پاک لازم ہے یہ حکم ایک لحاظ سے اب بھی باقی ہے۔

وعظ نمبر ۲۲

ایصال ثواب کا بیان

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ الآیۃ۔

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔

اولاً یہ کہ بقر کے آخر میں اس آیت کو کیوں فرمایا گیا؟ دوم یہ کہ اس آیت کا نزول کس موقعہ پر ہوا؟ سوم یہ کہ اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوئے۔ اور مسائل کیا معلوم ہوئے۔

(۱) سورہ بقر کے خاتمہ پر یہ آیت کریمہ بیان ہوئی، کیونکہ اس سورہ مبارکہ کے اول میں تو خدائے قدوس کی طرف سے اس کتاب کے نازل ہونیکا ذکر تھا۔ آخر میں اس کے محبوب کا ذکر، باقی تمام سورۃ پاک اللہ رسول کے ذکر کے درمیان میں ہے۔ یہ ہی حال کلمہ کا ہے۔ یہ ہی نماز کا یہ ہی دنیا کی زندگی کا۔ یہ ہی تمام دعاؤں کا، کہ اول خدا کا ذکر۔ آخر میں اس کے حبیب کا ذکر۔ نماز شروع ہوئی۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ سے۔ ختم ہوئی درود شریف پر، دنیا میں آؤ تو آذان سنو، اور جاؤ تو کلمہ پڑھتے ہوئے۔ دعا شروع کرو۔ تو اللہ کی حمد وثنا سے، اور ختم کرو۔ تو صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سے، ہر کام ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ نیز جب حکم سلطانی چلتا ہے۔ تو اول سلطان کا نام ہوتا ہے۔ بعد میں احکام، آخر میں مہر عدالت اور وزراء والمراء کی تصدیق، سورۂ بقر میں اولاً نام سلطانی اور بیچ میں احکام قرآنی آخر میں عدالت مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہر تصدیق اور صدیق وفاروق وغیر ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کی تصدیق یعنی یہ احکام خدا تعالٰے نے بھیجے، اور محبوب مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے غلاموں نے تصدیق فرمائی۔ اس صورت حال میں اٰمَنَ بمعنی صدق ہے۔

(۲) اس آیت کا نزول اس موقعہ پر ہوا۔ کہ جب پچھلی آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ الآیۃ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ رب تعالٰے دلی خیالات کا بھی حساب لگائے گا۔ تب صحابہ کرام کی ایک جماعت حاضر بارگاہ بے کس پناہ ہو کر عرض گزار ہوئی۔ کہ یا حبیب اللہ تمام احکام کی ہم نے اطاعت کی اور عہد کرتے ہیں۔ کہ وفادار رہیں گے۔ لیکن خطرات

قلب اور وسوسے قابو سے باہر ہیں اگر ان پر حساب ہوا۔ تو نجات کی کیا راہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم رب تعالےٰ کی شکایت مجھ سے کرتے ہو؟ اور تم چاہتے ہو اکر بنی اسرائیل کی طرح کہو سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔ عرض کیا کہ نہیں۔ تب اٰمَنَ الرَّسُوْلُ کا نزول ہوا۔ اس آیت میں غلامان مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سفارش فرمائی گئی، کہ محبوب یہ آپ کے خدام مطیع ہیں، ہم فرماتے ہیں کہ رسول بھی ایمان لائے ہیں اور یہ مسلمان بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان خدائے قدوس کا تصدیق کیا ہوا ہے۔ جو اس کا منکر ہے۔ وہ قرآن کا منکر، بلکہ ان کے ایمان پر ہم کو ایمان لانا ضروری ہے۔

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے ایمان کا علیٰحدہ علیٰحدہ ذکر فرمایا۔ ورنہ لفظ مومنوں تو رسول کو بھی شامل تھا۔ تاکہ کوئی نااہل ان کو اپنے جیسا مومن سمجھ کر بھائی کہنے کی جرأت نہ کرے۔ نیز اگرچہ لفظ مومن تو انبیاء اور امت کو شامل ہے۔ مگر نوعیت ایمان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محض لفظی اشتراک ہے دیکھو اللہ بھی مومن ہے اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ قرآن کریم میں ارشاد ہے، مگر اس لفظ مومن اور ہمارے مومن میں فرق عظیم ہے۔ خدا کو بھائی نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسلمان بھائی نہیں کہا جا سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان اور ہمارے ایمان میں بہت فرق ہے۔ حضور نے خدا کو دیکھ کر جانا۔ ہم نے سن کر، جنت دوزخ، حشر و نشر سب حضور کی زیر نظر، سب پر حق الیقین، ہمارا سنا ہوا ایمان ہوا۔ حضور کو اپنی نبوت کا علم حضوری۔ کیونکہ اپنی ذات اور صفات حقیقیہ کا علم حضوری ہوتا ہے ہمارے واسطے حصولی۔ تو کس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔ نیز ہم محض مومن حضور اللہ تعالےٰ کے مومن۔ اور مسلمان کے ایمان، صاحبِ قصیدہ بردہ نے فرمایا ؎

اَلصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِمَا

وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا فِي الْغَارِ مِنَ الشَّرِ!

یعنی غار ثور میں مومن اور ایمان یعنی صدیق اور مصدق بہ موجود تھے۔ اسی لئے ہمارے کلمہ میں تو حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے۔ حضور کے کلمہ میں اُمت کا نام نہیں نیز ہم مومن سرکار عالی مومن گر۔ اس سے کہیں بڑا فرق مسئلہ بشریت میں ہے۔ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ حساب کے مسئلہ میں تحقیق یہ ہے۔ کہ گناہ اور ارادہ گناہ کا حساب ہے۔ ارادہ گناہ بھی گناہ ہے اور خطرات قلب کا نہ حساب نہ پکڑ۔ اسی کو لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا نے بتایا۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ بِمَا وَسْوَسَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ اسی لئے انبیائے کرام گناہ اور ارادۂ گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے قصد گناہ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ آیت وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کے معنے ہیں کہ وہ بھی عورت کا قصد کر لیتے، اگر اپنے رب کی برھان نہ دیکھتے اس کی تحقیق ہماری کتاب قہر کبریا میں دیکھو۔

انبیائے کرام ہر وقت عارف باللہ اور ایمانیات سے باخبر ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر فرمایا رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ۔ معلوم ہوا کہ رب کو بھی پہچانتے ہیں۔ اور اپنی نبوت سے بھی باخبر ہیں۔ اور امت کو بھی پہچانتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ تو اٰمَنَ سے مراد یا تو نزول قرآن سے پہلے والا اجمالی ایمان ہے۔ یا ایمان تفصیلی جو بعد نزول قرآن پاک حاصل ہوا۔ جیسے لِيَعْلَمَ اللّٰهُ میں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ سے بھی یا یہ ہی تفصیلی علم مراد ہے۔ یا تدری بمعنی عقل سے جاننا۔ معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں اور پیغمبر کے ایمان میں نوعیت ایمان کا بھی فرق ہے۔ اور وقت ایمان بھی۔ ان کا ایمان سب سے پہلے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ سے مراد رسالت انبیاء میں فرق کرنا ہے۔ یعنی بعض کو رسول ماننا اور

اور بعض کو نہ ماننا، یا بعض کو نبی بالذات ماننا اور بعض کو نبی بالعرض کما قَالَ الْقَاسِمُ فِیْ تَحْذِیْرُ النَّاسِ کیونکہ نفس نبوت میں انبیاء میں کوئی فرق نہیں۔ مراتب و کمالات میں فرق ضروری ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اس پر شاہد ہے اسی لئے یہاں مِنْ رُّسُلِهٖ فرمایا۔ مراتب رُسُلِهٖ نہ فرمایا گیا۔ یا وہ فرق مراد ہے۔ جس سے بعض انبیاء کی توہین ہو جاوے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ لَا تُفَضِّلُوْا عَلٰى يُوْنُسَ ابْنِ مَتّٰى ہمیں یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو۔ پھر خود ہی فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنی ہم سارے آدمیوں کے سردار ہیں۔ جس سے دوسرے پیغمبروں کی توہین ہو۔ ایسی تعریف حرام ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے انبیاء میں فرق نہیں کرتے جو فرق رب تعالے نے فرمایا اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا میں بہت وسعت ہے۔ یا تو نفس کو عام کیا جاوے۔ انسان و حیوان، درخت وغیرہ کے لئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی جان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا، انسان ہو یا کوئی اور۔ دیکھو گھاس پھوس درخت وغیرہ میں چلنے کی طاقت نہیں۔ تو ان کو رب تعالے نے کھڑے کھڑے ہی پانی، کھاد، اسی جگہ پہنچایا۔ اور پرندوں وغیرہ جانوروں میں چلنے کی طاقت ہے۔ مگر کمانے کی نہیں۔ تو ان کو گھونسلوں میں دانہ پانی نہ گیا۔ بلکہ کھیت وغیرہ میں جا کر، چونکہ حضرت انسان میں چلنے کی بھی طاقت تھی۔ اور کمانے کی بھی، انہیں حکم ہوا کہ چلو اور کماؤ، پھر بھی بچپن میں کمزور تھے، تو دودھ کی نہریں اور زود ہضم غذا بغیر کمائے ہوئے دیں جوان ہوئے تو ہوا، پانی مفت دیا، غلہ اور کپڑا حاصل کرنے کا حکم دیا۔ مگر اس میں بھی بہت مدد فرمائی بارش کا پانی، دھوپ، چاندنی سب بغیر محنت بخشی۔ یا نفسًا سے مراد نفس انسانی ہے، اب مطلب یہ ہے کہ انسان میں جس قدر طاقت ہے، اسی قدر اس کو تکلیف دی۔ جو کام نہ ہو سکے یا جو سخت مشکل ہو۔ اس کی تکلیف نہ دی۔ خاص کر مسلمانوں سے تو وہ تکالیف بھی دور فرما دیں جو

بنی اسرائیل پر تھیں ہر جگہ نماز جائز کردی۔ پانی سے ہر چیز پاک فرما دی، چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی، ان کی نماز صرف عبادت خانہ میں ہوتی تھی۔ ان کو چوتھائی مال زکوٰۃ میں دینا پڑتا تھا۔ گندے کپڑے اور ناپاک جسم کے کاٹ ڈالنے کا حکم تھا۔ توبہ کے سخت شرائط تھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل مسلمانوں پر سختیاں نہ دیں۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کے معنے ہیں کہ نیک و بد اعمال خود عامل ہی کیلئے ہیں۔ نہ تو اور کو ملیں، اور نہ دوسرا اس میں شریک ہو۔ مگر دونوں معنے پر اعتراض ہے، اول پر یہ کہ اعمال کا ثواب تو اور کو بھی مل جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ دیگر مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اگر کسی کی دعا اور عمل کسی کے لئے کار آمد نہیں، تو یہ کیوں؟ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر کہا، کہ یہ کنواں میری ماں کا ہے، اور احادیث بہت ہیں جن سے ثواب بخشنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ دوسرے جملہ پر یہ سوال ہے کہ قرآن میں یہ فرمایا گیا وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ یعنی سرداران کفار اپنا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے متبعین کا بھی۔ حدیث پاک میں ہے، کہ جس نے بری سنت یعنی برا طریقہ ایجاد کیا۔ تو اس پر اپنا بھی گناہ ہے۔ اور باقی عمل کرنے والوں کا بھی اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے عمل اپنے ہی کام آئیں گے۔ حدیث نے فرمایا۔ کہ دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ پہلے سوال کا جواب چند طرح پر ہے۔ اول یہ کہ لام ملکیت کا ہے۔ یعنی انسان مالک اپنے ہی اعمال کا ہے اولاد وغیرہ کے ہدیہ ثواب کی امید پر آپ اعمال نہ کرنا سخت غلطی ہے ؎

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

یہ ہی مطلب ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ادائے فرائض بدنی کے لئے ہے۔ یعنی اگر کوئی بدنی عبادت جیسے نماز روزہ کسی کی طرف سے ادا کرے۔ تو اس کا فرض ساقط نہ ہوگا۔ رہے عبادات مالیہ، اس میں وکیل بنانا جائز۔ جیسے ادائے زکوٰۃ اور عبادات بدنیہ مالیہ کا مجموعہ اس میں عذر کے وقت دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔ بلا عذر نہیں۔ جیسے حج بدل کہ بعد موت یا بڑھاپے میں۔ دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیج سکتے ہیں، تیسرے یہ کہ ایسا نہ ہوگا۔ کہ فاعل بالکل ہی ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ اس کو ضرور ملے ہدیہ ثواب سے خود محروم نہیں ہوگا۔ اسی لئے بچوں کا ہدیہ قبول کرنا منع ہے۔ مگر ہدیہ ثواب ختم وغیرہ لینا جائز۔ کہ اس میں بچہ کا نقصان نہیں۔ شامی جلد اول میں ہے کہ صدقہ یا ختم کا ثواب سب مسلمان کو بخشے، کیونکہ اس سے ثواب تقسیم نہیں ہوتا۔ بلکہ پورا پورا ملتا ہے۔ بغیر ان توجیہوں کے تطبیق ناممکن ہے۔ لفظ کَسَبَتْ میں اشارہ اعمال بدنیہ کی طرف ہے۔ کیونکہ بدنی عبادت کو کسب کہا جاتا ہے نہ کہ مالی کو۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے، کہ کوئی نفس دوسرے نفس کا اس طرح بوجھ نہ اٹھاوے گا۔ گناہ کرنے والا پر اپنے فعل کا بوجھ بھی ہوگا۔ اور دوسروں کا بھی کیونکہ یہ سردار ہے۔ جس کی تفسیر یہ آیت کر رہی ہے۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ غرضکہ بوجھ اٹھانا اور چیز ہے۔ اور گناہ لینا اور بات۔ سردار بوجھے گا۔ نہ کہ گناہ۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو کوئی ظلماً قتل کرتا ہے اس میں قابیل کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ پہلا قاتل ہے۔ قتل اسی نے ایجاد کیا۔

نیز یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایجاد شر کا گناہ سب کی برابر ہوتا ہے۔ مگر موجد کو اپنے فعل کا گناہ ہوگا۔ نہ کہ دوسروں کا۔ ہاں یہ آتا ہے کہ قرض خواہ مقروض کی نیکیاں لے گا۔ اور غیبت کرنے والا

دوسرے کے گناہ لے گا اس سے کوئی اعتراض نہیں کہ یہ تو معاملہ ہے عمل، تو فاعل نے کئے تھے وہ ہی مالک تھا اس نے اپنے آپ دوسرے کو دیئے۔ اگر کوئی چیز میں کماؤں تو وہ میری ہے مگر جب کسی کو دے دوں۔ تو اس کی ہوگی۔ کسی کا قرض میں اپنے ذمہ لے لوں مجھ پر میری خوشی سے آگیا غیبت میں اپنی خوشی سے دوسرے کے گناہ لئے جاتے ہیں۔

اگر یہ آیت بالکل ظاہری معنے پر رکھی جاوے۔ تو دنیا میں بھی کوئی کسی کی چیز کا مالک نہ ہو اور کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے۔ مگر مالک ہوتا ہے بذریعہ میراث و بیع وہبہ وغیرہ اور ضمانت وکفالت وشرکت وغیرہ سے دوسرے کا بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے۔ آیت میں دنیا یا کہ آخرت کی تو قید نہیں۔ لہٰذا آیت کا وہ ہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا ربنا لا تؤاخذنا میں بندوں کو دعا مانگنے کی تعلیم ہے۔ یا تو یہاں اور دیگر دعاؤں میں قولوا پوشیدہ ہے۔ یا رب نے یہ کلمات فرمائے۔ کہ بندے ان کو سن کر ایسے ہی کہیں۔ جیسے تعلیم کے وقت استاذ کہتا ہے۔ الف۔ بے تے اس لئے کہ شاگرد بھی اسی طرح کہے، یا الفاظ بندوں کے ہیں۔ اور کلام رب نے فرمایا۔ جیسے کسی انجمن کے ممبری فارم صدر لکھتا ہے۔ کہ میں اس انجمن کا خیر خواہ رہوں گا۔ ماہوار چندہ ادا کرتا رہوں گا۔ جب کوئی ممبر بنتا ہے۔ تو اس کاغذ پر دستخط کر دیتا ہے۔ یہ کلام تو ممبر کا ہے۔ مگر قلم صدر کا۔ اس گفتگو سے آریہ کا یہ سوال اٹھ گیا کہ ایاک نعبد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کسی بندے کا بنایا ہوا ہے۔ ورنہ خدا کس کی عبادت کرتا ہے۔ اور کس سے دعا مانگتا ہے دفع ہوگیا، کیونکہ ایسی آیتوں میں بندوں سے یہ باتیں کہلوانا منظور ہیں۔ قربان جاؤں اس مہربان رب کے۔ جو خود ہی ہمیں مانگنا سکھاتا ہے۔ اور خود ہی نعمتیں دیتا ہے۔ خود ہی عرضی دینے کی ترکیب تعلیم فرماتا ہے اور پھر خود ہی قبول فرماتا ہے۔ ہم کو تو مانگنا بھی نہیں آتا۔ مانگنے کے لئے بھی منہ چاہیئے۔

وعظ نمبر ۲۳

بشریت مصطفےٰ کا بیان

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں:۔

ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قل سے کیا فائدہ حاصل ہوا، تیسرے بشر کے کیا معنی ہیں۔ چوتھے۔ مثلکم سے کیا مراد ہے، پانچویں یوحی الیّ میں کیا حکمت ہے؟

(۱) انسان نے زمین و آسمان کو ناپا۔ مگر اپنے کو ناپ نہ سکا۔ تمام چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کے پیچھے پڑا ہے۔ مگر اپنی حقیقت سے غافل رہا۔ اگر اپنے کو پہچانتا تو رب کو بھی پہچان لیتا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ مذاہب باطلہ یہ بھی نہ بتا سکے، کہ اے انسان تیری حقیقت کیا ہے کسی مذہب نے انسان کو اتنا بڑھایا۔ کہ خدا کا انکار کیا۔ خود ہی خدا بن بیٹھا آسمانی مذہبوں کو بھی عقل کے اندھوں نے مسخ کیا کہ انبیاء کرام کو خدا یا خدا کا بیٹا خدا کا شریک مان بیٹھے۔ بعض احمقوں نے انبیاء کو اپنے جیسا مجبور بشر مان لیا۔ پہلوں نے افراط کی اور پچھلوں نے تفریط اسلام ان دونوں عیبوں سے پاک ہے۔ اسلام کا منشاء ہے کہ نہ تو انسان حد سے تجاوز کرے، نہ حضرات انبیاء کی شان میں افراط و تفریط سے کام لے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے چند معجزات دیکھ کر لوگوں نے انہیں ابن اللہ کہہ دیا۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کو یہودیوں نے ابن اللہ کہا۔ تو دیکھنے والوں نے قدرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نظارہ کیا، کہ اشارے سے چاند چرا، ڈوبا ہوا سورج لوٹا درختوں اور جانوروں نے

سجدہ کیا۔ نام کی برکت سے مردے زندہ ہوئے۔ تو قوی اندیشہ تھا کہ نادان لوگ کہیں اس ذات کریم میں بھی الوہیت کا حصہ نہ مان بیٹھیں۔ اسی مقصد کے لئے بانی اسلام علیہ السلام نے اپنی ہر ہر ادا سے اپنی عبدیت کا اظہار فرمایا۔ اور اس آیت میں اپنی بشریت کا اعلان کیا کلمہ میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھایا۔ کہ انسان معجزات دیکھ کر انہیں خدا نہ کہے۔

(۲) لفظ قل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے فرمانے کی حضور ہی کو اجازت ہے نہ کہ ہر ایک کو، اسی لئے قُوْلُوْا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ نہ فرمایا گیا۔ اگر قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں قُلْ ہے۔ تو اس قُلْ سے اَللّٰہُ اَحَدٌ کہنے کا حضور ہی کو حکم ہے۔ اور حضور کے فرمانے سے اور لوگ اَللّٰہُ اَحَدٌ کہیں۔ اگر رسالت کی بتائی توحید کے مقابلے میں کوئی اپنی عقلی توحید مانے تو غیر معتبر۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ عام مسلمانوں کی توحید کا حکم دیا گیا۔ مگر قرآن میں کسی جگہ نبی کو بشر کہنے کی عام اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ بشر کہنا۔ مقولہ کفار فرمایا گیا۔ قَالُوْا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا۔ وَمَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وغیرہ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَکُمْ اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ مولانا فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر! ٭ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر!
شیر آں باشد کہ مردم را درد! ٭ شیر آں باشد کہ مرد او را خورد!
گر نہ فرزند نبی اے عنید ٭ پس ترمیراث آں سگ چوں رسید!
اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود ٭ نیک و بد در چشم شاں یکساں نمود
ہمسری با اولیاء برداشتند! ٭ انبیاء را ہمچوں خود پنداشتند!!
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر! ٭ ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور!!
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ! ٭ ہست فرقے درمیان بے انتہا!!
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب! ٭ زاں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب!

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل • لیک زاں شد نیش زاں دیگر عسل

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا • واں خورد گردد ہمہ نور خدا!

نیز جس کو خاص صفات مرحمت ہوئے ہوں۔ اس کو صفت عامہ سے پکارنا اس کی صفات کے انکار کرنے کے معنی میں ہے، خاں بہادر، نواب صاحب، کلکٹر صاحب وغیرہ جس کو حکومت کہے۔ اگر اس کو انسان یا بشر یا نام لے کر پکارا جاوے تو وہ مستحق سزا ہے۔ تو جس ذات کریمہ کو حکومت ربانی کی طرف سے نبی، رسول، مزمل و مدثر کے خطاب ملیں، ان کو عام القاب سے یاد کرنا یقیناً جرم ہے رب تعالیٰ تو پکارے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ اور ہم کو فرمائے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ اَلآیۃ تو بشر کہنا حرام ہے۔

(۳) اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں کلمہ بشر ارشاد فرمایا گیا، نہ انسان یا آدمی وغیرہ اس لئے کہ بشر کے معنے ہیں ذو بشرہ جیسے حَسَن کے معنے ہیں۔ ذُوْحَسَنٍ تو معنے یہ ہوئے۔ کہ میں ظاہری رنگ و روپ و چہرہ و مہرہ میں تم جیسا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں صاحب وحی ہوں۔ اگر انسان فرمایا جاتا تو انسان کہتے ہیں، جسم و نفس کے مجموعہ کو، حالانکہ نفوس انبیاء ہماری نفوس کی طرح نہیں اور ظاہر بین نگاہ میں۔ ظاہری چہرہ مہرہ میں مشابہت سی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ ان کی بشریت ملکیت سے قوی تر ہے۔

معراج میں سدرہ پر روح الامین کی ملکی طاقت ختم ہو چکی۔ مگر ان کی بشری طاقت ان سے کہیں زیادہ۔ حضرت موسے علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کو تھپڑ ماردی، تو ان کی ملکی طاقت اس بشری طاقت کے تھپڑ کی تاب نہ لاسکی۔ اور آنکھ جاتی رہی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کی بشریت فرشتوں کی ملکیت سے اعلیٰ ہے۔ یہاں فرمایا گیا۔ مِّثْلُکُمْ اور حدیث میں ہے اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ (دیکھو انوار صوم وصال) کہیں فرماتے ہیں۔ وَلٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ۔ تو ظاہ

عبارت قرآن کی اس کے مخالف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تشبیہ صرف خالص بشریت میں ہے۔ یعنی جس طرح تم خالص بشر ہو اور تم میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں۔ اسی طرح میں نہ خدا ہوں، نہ خدا کا بیٹا۔ مگر خالص اور محض بندہ ہوں اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام امور میں ہم تم جیسے ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ زید مثل شیر کے یعنی صرف طاقت میں، نہ یہ کہ زید جنگل میں رہتا ہے اور دم بھی رکھتا ہے۔

(۴) مِّثْلُكُمْ پر آیت پوری نہیں ہوتی۔ بلکہ الہ واحد پر وقف ہے۔ بشر کے لئے یُوْحٰۤى اِلَیَّ کی صفت مثل فصل کے ہے۔ اور بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مثل جنس کے اگر کوئی کہے۔ کہ زید بیل گھوڑے کی طرح حیوان ہے۔ مگر ناطق ہے۔ تو جیسے ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق کر دیا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ یُوْحٰۤى اِلَیَّ کی صفت نے نبی اور اُمتی میں فرق کر دیا۔ اس وصف سے آنکھ بند کرنا۔ اور بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہی کہے جانا ایسا ہی ہے جیسے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پڑھے۔ اور وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى چھوڑ دے۔ اور کہے کہ نماز سے دور رہو۔

(۵) دیکھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں یا نہیں۔ تحقیق سے معلوم ہے، کہ نہیں، ایمانیات میں فرق ہے اعمال میں فرق۔ اختیارات میں فرق ہے۔ احکام میں فرق۔ غرض کہ ہر وصف فرق عظیم موجود ہے۔ ایمانیات میں فرق کھلا۔ ہمارا کلمہ ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ان کا کلمہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور تمام ایمانی فرق دیکھو ہماری تقریر اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ میں صفحہ ۳۔ اپر ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اور تصدیق علم حصولی کی قسم ہے حضور کو اپنی نبوت کا علم حضوری ہے۔ لہذا حقیقت ایمان میں بھی فرق ہے۔

اعمال میں اس طرح فرق، کہ ہم پر چار فرض ہیں، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ حضور علیہ السلام پر تین یعنی زکوٰۃ فرض نہیں (دیکھو شامی کتاب الزکوٰۃ) ہم پر پانچ نمازیں فرض۔ حضور پر چھ یعنی تہجد بھی دَمِنَ

اَللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَةً لَّکَ ۔ ہم لوگ زکوٰۃ کھا سکیں، حضور اس سے محفوظ۔ ہم ہر وقت گناہ کریں وہ گناہ سے معصوم ۔ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ میں ذنب سے مراد ذریت بھی لی گئی ہے ۔ معنے آیت کے یہ ہوئے ۔ کہ اللہ آپ کی برکت سے آپ کی اگلی پچھلی ذریت کے گناہ بخشے ۔ ذنب کے لغوی معنے تابع کے ہیں ۔ دیکھو روح البیان جلد دوم صفحہ، آیت کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا گناہ کو ذنب اس لئے کہتے ہیں ۔ کہ اس کا بدلہ بعد میں آتا ہے ۔ دم کو بھی ذنب اس لئے کہتے ہیں، کہ وہ جسم کے تابع اور لازم ہوتی ہے ۔ ذنوب بڑے بڑے ڈول کو اسی لئے کہتے ہیں ۔ کہ وہ آگے پیچھے کنوئیں سے نکلتے ہیں ۔ یا یہاں ذنب بمعنی خطا ہے ۔ اسی طرح ہم کو چار بیبیاں حلال ہیں، حضور جس قدر چاہیں ۔ تُؤْوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ اس آیت نے لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کو منسوخ کیا، ہماری بیبیاں ہماری موت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کریں ۔ مگر انبیاء کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں ۔ ہمارا مال بعد موت میراث ہے ۔ مگر وہ ہمیشہ حیات حقیقی رکھتے ہیں ۔ اس لئے ان کی میراث نہیں ۔ ہم قانون کے پابند مگر قانون الٰہی ان کے جنبش لب کا منتظر، کہ وہ مالک احکام ہیں ۔ اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں وہ جس کے لئے بی بی چاہیں حرام فرمادیں ۔ اور جو چاہیں حلال ۔ حضرت زینب کو باوجود کفو نہ ہونے کے زید ابن حارث کے نکاح میں دے دیا ۔ اور حضرت شیر خدا کے لئے خاتون جنت کی موجودگی میں دوسری عورت حرام فرمائی ۔ حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۔ اتنے فرق ہوتے ہوئے کوئی بے بوجھ ہی کہے گا کہ حضور ہم جیسے ہیں ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مدارج النبوۃ میں ایک فصل قائم کیا ۔ ان آیات کے بارے میں جن سے عظمت انبیاء کے خلاف وہم ہوتا ہے ۔ اس میں فرمایا کہ ایسی آیات متشابہات کی طرح ہیں ۔ جیسے قرآن کریم میں فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ فرمایا گیا ۔ مگر خدا کے لئے منہ اور ہاتھ ثابت نہیں کیا جاتا ۔ اس کے معنے وہ ہیں ۔ جو اللہ جانے یا اس کا رسول ۔

اسی طرح کَبُشَرٌ مِّثْلُکُمْ اور لِذَنْبِکَ وغیرہ پرایمان لاؤ۔ اس کے معنے اللہ اور رسول کے سپرد کرو۔ یہ طریقہ بہت ہی بہتر ہے۔

(۴) یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ حضور کا مثل ممتنع بالذات ہے، جیسے خدا کا مثل غیر ممکن عالم میں بہم تو کیا کوئی بھی حضور کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے حضور کے لئے فرمایا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ جس کا خدا رب ہے اس کے لئے حضور رحمت۔ اب اگر حضور کا مثل فرض کیا تو وہ بھی عالم میں سے ہوگا۔ لہٰذا حضرت اس کے لئے رحمت ہیں۔ اور وہ مرحوم مشابہت ختم ہوئی قرآن کریم نے فرمایا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ حضور نے فرمایا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ تو اگر حضور کا مثل ہو، تو وہ بھی اولاد آدم ہی ہوگا۔ اور نبی ہوگا۔ اگر حضور اس کے سردار نہ ہوں۔ تو نقیض یعنی سالبہ جزئیہ صادق آگئی۔ اس آیت اور حدیث کا موجبہ کلیہ باطل ہوا۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی اور آخری کتاب والے ہیں۔ پہلے شفیع ہیں۔ اول حضور کا نور پیدا ہوا، اول آپ کی ہی قبر قیامت میں شق ہوگی۔ اول آپ ہی جنت میں جاویں گے۔ اور سب سے اول و آخر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ابتدار حقیقی اور انتہار حقیقی ایک پر ہی ہو سکتی ہے۔ دیکھو امتناع النظیر مولانا خیر آبادی و شرح تہذیب یزدی اور دیکھو ہماری تفسیر نعیمی پہلا پارہ نیز اس آیت میں قصر موصوف علے الصفت ہے اور قصر حقیقی تو محال ہے۔ دیکھو مختصر معانی بحث قصر لہٰذا اضافت صادق ثابت۔ یعنی میں تم جیسا بشر ہی ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں۔ کہ سوائے بشریت اور کچھ بھی وصف نہیں رکھتا۔ نہ تو قائم نہ لا قائم۔ نہ قاعد، نہ لا قاعد کیونکہ ارتفاع نقیضین محال ہے۔ تو معنے یہ ہوئے کہ میں بشر ہی ہوں نہ خدا، نہ جز وخدا۔ نہ ابن خدا اس میں کوئی کلام نہیں سے

حق ہے کہ ہیں عبداللہ اور عالم امکاں کے شاہ ٭ برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھید ، ہیں وہ بھی نہیں

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں قل فرمایا گیا۔ یعنی اے محبوب بطور انکسار آپ یہ فرما دو، نہ ہم آپ کو بشر کہہ کر پکاریں گے۔ نہ کسی اور کو اس کی اجازت دیں گے ہم تو یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ، یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر پکاریں گے۔ اور لوگوں کو حکم دیں گے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے نہ پکارو۔ جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو اسی لئے فاطمہ زہرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابا جان کہہ کر نہیں پکارتیں عائشہ صدیقہ شوہر کہہ کر، علی بھائی کہہ کر۔ حضرت عباس بھتیجا کہہ کر نہیں پکارتے تھے۔ بلکہ سب حضرات یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ۔ یا شفیع المذنبین، رحمۃ للعلمین کہہ کر پیارے خطابات سے ندا کرتے تھے۔ جب یہ حضرات جنہیں نسبی رشتے سے ایسے خطابات سے پکارنے کا حق ہو سکتا تھا۔ وہ ایسے الفاظ سے نہیں پکارتے تو ہم غلاموں کمینوں کو بھائی سے خطاب کرنے کا کیا حق ہے خیال رہے کہ قُلْ خطاب کفار سے ہے۔ یعنی فرما دو اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اے کافرو! تم مجھ سے بھاگو نہیں۔ میں فرشتہ یا جن یا خدا نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری ہم جنس بشر ہوں۔ صدیق اکبر سے فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے؟ اجنبی لوگوں کو مائل کرنے کے لئے ان سے اور طرح کلام ہے۔ اور واقف کار لوگوں سے دوسری طرح۔

مثنوی شریف میں ہے۔ کہ کسی نے مینا پالی۔ ہر طرح کوشش کی۔ مینا بولنا سیکھے۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے ایک دوست نے کہا۔ کہ اگر تو اسے بولی سکھانا چاہتا ہے۔ تو ایک قد آدم آئینہ لا۔ آئینہ کے سامنے مینا کا پنجرہ لٹکا۔ اور پیچھے سے خود بول۔ مینا بہت جلد بول چال سیکھ لے گی چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب تو مینا خوب بولنے لگی۔ مینا والا حیران ہو گیا۔ اس درست

سے اس کی حکمت دریافت کی۔ اس نے کہا تو مینا کا غیر جنس تھا۔ تجھ سے وہ گھبراتی تھی۔ اب جو اس کا پنجرا آئینہ کے سامنے آیا۔ وہ سمجھی کہ اس آئینہ میں میرا ہم جنس ہے اور مجھ سے بول رہا ہے اس جنسی مناسبت کی وجہ سے جلد بولنا سیکھ گئی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ رب اور بندے میں افاضہ استفاضہ کا سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا تھا، آئینہ جمال مصطفائی خالق و مخلوق کے درمیان رکھا گیا۔ اور اس آئینہ کے پیچھے سے قدرت نے کلام کیا۔ زبان مصطفےٰ کی کلام خالق مصطفےٰ کا، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اور محبوب کو حکم دیا ان اجنبیوں سے فرمادو۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ تم مجھ سے بھاگو مت، دیکھو میں تم جیسا بشر ہی تو ہوں۔ تاکہ تم سے مانوس ہو کر فیض الٰہی قبول کریں۔ فرماتے ہیں ؎

گفت من آئینۂ مصقول دوست ✤ ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ اوست

اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا ؎

خود رہے پردہ میں اور آئینہ حسن خاص کا

بھیج کر انجانوں سے کی راہ واری واہ واہ

اب حضور نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ لوگوں نے کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ؎

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا

مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے

جب مانوس ہو گئے۔ تب فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ، اس حکمت سے اعلان بشریت فرمایا۔ ورنہ اتنی ظاہر بات پر اس قدر زور دینے کی کیا وجہ تھی رب تعالےٰ چشم بینا عطا فرمادے۔ آمین۔

وعظ نمبر ۲۴

استغفار اور تقویٰ کا بیان

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۞

گذشتہ آیت میں فرمایا گیا ہے، کہ بہشت اور اس کی نعمتیں متقیوں کے لئے ہیں۔ قرآن کریم میں متقی لوگوں کے بڑے بڑے مرتبے بیان ہوئے کہیں ارشاد ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کہیں فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ جس سے معلوم ہوا، کہ متقی مومن ولی اللہ ہے، یہاں فرمایا گیا کہ متقی کون ہیں، اور تقویٰ کسے کہتے ہیں۔

یہاں چند امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ تقوٰے کے کتنے مرتبے ہیں۔ پھر یہ کس تقویٰ کا ذکر ہے دوم یہ کہ یہاں آٹھ باتیں بیان فرمائیں ایک ان کا قول کہ ایمان لائے ہم بخش گناہوں کو۔ بچا آگ کے عذاب سے صبر کرنا، سچ بولنا۔ اطاعت کرنا۔ خیرات کرنا۔ صبح اٹھ کر دعائے مغفرت کرنا۔

(۱) تقوٰے کے لغوی معنے ہیں بچنا یا ڈرنا، اصطلاح شریعت میں مہلکات آخرت سے بچنا۔ تقویٰ ہے۔ اس کے کل چار درجے ہیں، اولاً شرک وکفر سے بچنا یہ پہلا درجہ ہے۔ جسے تقوٰے عامہ کہتے ہیں، دوسرے حرام چیزوں سے بچنا، تیسرے شبہ کی چیزوں سے بچنا، یعنی جس میں حرام ہونے کا شبہ ہو، اس سے پرہیز کرنا۔ اِتَّقُوا الشُّبُهَاتِ اگر کوئی کہے کہ محفل میلاد شریف میں شبہ ہے کہ حرام ہے یا جائز کیونکہ بعض علماء ناجائز کہتے ہیں۔ تو یہ وہم بلا دلیل ہے۔ ان کے لئے سیدنا عبداللہ ابن سلام کا اونٹ کے گوشت اور دودھ سے بچنا۔ اور اس پر اس آیت کا نازل ہونا کافی جواب ہے۔ کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً سیدنا عبداللہ پہلے یہودی تھے۔ اور اونٹ کا گوشت حرام جانتے تھے۔ اسلام لاکر اونٹ کے گوشت سے بچتے رہے کہ یہود اسے حرام کہتے ہیں۔ اسلام میں اس کا کھانا فرض نہیں۔ لہٰذا میں نہیں کھاتا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ شیطانی خیالات نہ مانو۔ چوتھے ماسوی اللہ سے بچنا۔ یہ صوفیائے کرام اور اولیائے اللہ کا تقویٰ ہے۔

(۲) یہاں دوسرے درجہ کے متقیوں کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ ایمان کے ساتھ اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بغیر عذاب جنت کے استحقاق اسی تقوےٰ سے ہوتا ہے۔ درجہ اول کے تقویٰ یعنی ایمان کے بغیر تو جنت حرام ہے، دوسرے تقویٰ یعنی پرہیزگاری کے بغیر ممکن ہے کہ جہنم میں کچھ مدت کے لئے جانا پڑے، مگر تیسرے اور چوتھے درجہ والوں کے بڑے مراتب اور فضائل ہیں۔ جنت کے سوا اور بڑے درجات پائیں گے، یہاں صرف استحقاق جنت کا ذکر ہے۔ جو دوسرے طبقہ والوں کے لئے ہے۔

(۳) یقولون پر سوال ہے کہ رب کو تو ان کے ایمان کا علم ہے پھر یہ لوگ اٰمنّا کہہ کر اپنے ایمان کی خبر کیوں دے رہے ہیں۔ اس قول میں تین فائدے ہیں ایک یہ کہ اپنا استحقاق مغفرت عرض کرنا مقصود ہے ربنا کہہ کر عرض کیا کہ تو ہمارا پالنے والا ہے۔ اور ہر مصیبت میں اپنے مربی کو پکارتے ہیں۔ اٰمنّا کہہ کر عرض کیا کہ ہم وفادار رعایا ہیں۔ خطاؤں کی معافی کے حقدار ہیں۔ جس کا تو نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اعمال صالحہ کی برکت سے مدد کرنا۔ اسی طرح بزرگوں کے طفیل سے دعا مانگنا مسنون ہے، اس میں بھی ایمان کی برکت سے دعا ہے، جیسا کہ روایت بخاری میں ہے، کہ تین شخص ایک پہاڑ کے غار میں پھنس گئے تو ایک نے اپنی والدہ کی خدمت اور دوسرے نے زنا سے بروقت بچ جانے اور اشرفیاں وہاں ہی چھوڑ دینے کی برکت سے اور تیسرے نے مزدور کی مزدوری میں بکریاں اور جانور اور غلہ کے انبار لگا دینے کی برکت سے دعا مانگی۔ اور نجات پائی۔ تیسرے یہ کہ بعض اعمال صالح چھپا کر کرنے چاہئیں۔ جیسے اکثر نوافل اور بعض نیکیاں ظاہر کرنا ضروری ہیں۔ اسی لئے ایمان کو اپنی صورت،

لباس اور ہر ادا سے ظاہر کرو، پنجگانہ نماز اور عید اور جمعہ سب کے ساتھ جماعت سے پڑھو، مشہور گناہ کی توبہ بھی مشہور طریقہ سے کرو۔ کہ اَلتَّوْبَةُ عَلٰی قَدْرِ الْحُوْبَةِ، بعض نوافل مسجد میں پڑھو۔ جیسے تحیۃ الوضو اور اشراق اور تحیۃ المسجد، باقی گھر میں غرضکہ ایمان کا ظاہر کرنا ضروری ہے، اسی لئے فرمایا یَقُوْلُوْنَ یعنی اپنے ایمان کو وسیلہ بنا کر بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں۔

(۴) گناہوں سے مغفرت مانگنا اور اپنے کو گنہگار سمجھنا بھی تقوٰی کی علامت ہے۔ عذاب نار اس لئے کہا گیا۔ کہ جہنم میں اگرچہ ٹھنڈے طبقہ بھی ہیں۔ مگر اصل آگ ہے باقی تابع۔ صبر کے معنی ہیں۔ نفس کو روکنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ طاعت الٰہی پر روکنا، معصیت سے روکنا، مصیبت کے وقت بے صبری سے رکنا۔ طاعت پر روکنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہمیشہ استقامت سے اطاعت کرنا۔ یہ نہیں کہ کچھ روز کی، پھر چھوڑ دی یا جس وقت وضو اور نماز گراں معلوم ہو۔ اس وقت چھوڑ دے۔ پھر پڑھے یہ نہ چاہیئے۔ بلکہ ہر حال میں نیکیاں کرے۔ معصیت پر صبر یہ ہے کہ اگر کسی گناہ، سینما یا رشوت، سود اور بیع محرمہ کی طرف دل متوجہ ہو، اس سے نفس کو روکے۔ یہ بھی علامات متقی ہیں۔ کہ ان پر استقامت متقی ہی کر سکتا ہے۔

(۵) صَادِقِیْنَ کی بھی تین صورتیں ہیں۔ صدق فی القول یعنی بات کی سچائی، صدق فی الفعل۔ صدق فی النیت۔ یعنی نیت و عمل سچے صدق فی القول یہ ہے۔ کہ جو کسی سے وعدہ کیا جاوے پورا ہو۔ خبر دی جاوے، تو سچی ہو۔ کہ منافق کی تین علامات ہیں۔ جب لڑے تو گالیاں بکے۔ بات کہے تو جھوٹ بولے۔ امین بنے تو خیانت کرے، اور کام سچا ہونا یہ کہ جو کام شروع کرے اس کو پورا کرے اور نیت خیر کرے۔ قرآن اور تقوٰی کو دام تزویر نہ بناوے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں ؎

حافظا مے خور و رندی کن وخوش باش و لے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را!

وگراں ایک پرندہ ہے۔ جس کے پروں پر قدرتی خطوط ہیں جو قرآن معلوم ہوتے ہیں۔ وہ مردہ بن کر زبان نکال کر پڑجاتا ہے۔ جب چیونٹیاں اس کی زبان پر جمع ہوجاتے ہیں۔ تو وہ چپکے سے کھا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے، اسے حافظ اور گناہ آسان ہیں، مگر قرآن کو حیلہ و فریب کے لئے پڑھنا سخت گناہ ہے۔ چند مقامات میں کذب پر پکڑ نہیں، ایک تو خطرہ جان کے وقت اظہار کلمہ کفر دوسرے مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے وغیرہ دیکھو شامی جلد ۵۔ کتاب الکراہتہ۔ صدق فی الارادہ یہ ہے کہ جو نیک کام ہو۔ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ دنیا کا کام سونا، تجارت کرنا، بچوں کو پالنا، نوکری کرنا۔ اگر نیت خیر یعنی سوال سے بچنے کے لئے ہو تو ثواب اگر نماز بھی ریا وغیرہ کے لئے ہو تو ثواب سے محرومی ہے ہر کام نیت خیر سے کرنا چاہیئے، نماز فجر کی نیت سے رات کو سونا بھی عبادت ہے۔

(۶) اَلْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ میں بہت وسعت ہے۔ قٰنتین میں ہر قسم کی اطاعت آگئی، جانی ہو یا بدنی یا مالی۔ چاہیئے کہ انسان اپنے کو بالکل شریعت کے ہاتھ میں رکھے سے

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ ٭ جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

ایسے ہی مُنْفِقِیْنَ میں بھی وسعت ہے، جان کا جہاد میں خرچ کرنا۔ مال کا زکوٰۃ وغیرہ میں، یا بچوں کے پالنے میں۔ یا والدین کی خدمت میں خرچ کرنا۔ (سب اتفاق) ہے۔ صحابہ کرام کی مائیں اپنے بچوں کو اسی نیت سے پالتی تھیں۔ کہ یہ کبھی اسلام کے کام آویں گے۔ دیکھو واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اس بوڑھی کا جو اُحد میں حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے دامن میں لپٹ کر روئی۔ حالانکہ اس کا شوہر اور فرزند سب شہید مگر کسی کی پرواہ نہ کی۔ اور بولی کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کو پالیا تو سب کچھ پالیا۔ میں نے بچوں کو اسی لئے پالا تھا۔

(۷) وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ سے مراد یا تو نماز تہجد ہے کہ اس کے بڑے فضائل ہیں،

جو تہجد گزار ہوگا۔ اس کا چہرہ منور ہوگا۔ یا صبح کو اٹھ کر استغفار پڑھنے والا مراد ہے، حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی تھی کہ تم مرغ سے کم نہ ہونا، پوچھا کس طرح؟ کہا کہ وہ تو صبح ہی اٹھ کر ذکر الٰہی کرے اور تم سوتے رہو ؎

سیف تو سوتا رہے مسجد میں ہوتی ہو اذان

مرغ ماہی سب اٹھیں یاد خدا کے واسطے

بِالْاَسْحَارِ سے معلوم ہوا کہ بمقابلہ دیگر اوقات کے صبح کے وقت استغفار بہتر ہے۔ اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص ان کے والد ماجد کے پاس آئی۔ تو ان کے فرزندوں نے عرض کیا۔ کہ ابا جان ہم سے بڑا قصور ہوا۔ معاف کیجئے اور دعائے مغفرت فرمایئے۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ اسی وقت دعا نہ فرمائی، تاکہ صبح کے وقت دعا کی جاوے کبھی بھی کوئی جانور بوقت صبح نہیں سوتا۔ اگر انسان سوتا رہے تو جانور سے بھی گیا گزرا ہے۔ اگر سویرے ہی اٹھ کر دروازہ کھولا جاوے اور گھر میں جھاڑو دی جاوے تو گھر میں برکت رہے گی۔ نیز جب کوئی فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر۔ اور مصلے پر ہی ستر بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھ لیا کرے۔ اور پھر فجر کے فرض مسجد میں جماعت سے پڑھا کرے تو انشاء اللہ اس کے گھر میں بہت برکت اور آپس میں اتفاق رہے، مجرب ہے۔ استغفار بڑی مبارک چیز ہے۔ بے اولاد پڑھے انشاء اللہ اولاد والا ہو جاوے۔ قحط سالی میں پڑھی جاوے۔ تو بارش ہو وے۔ غریب پڑھا کرے مالدار ہو جاوے۔ غرضکہ صدہا مصیبتوں کا علاج ایک استغفار ہے۔ پھر صبح کے وقت کا استغفار تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ الآیۃ رب تعالےٰ توبہ استغفار کی توفیق دے۔ ہمارے دادا آدم علیہ السلام نے زمین پر آ کر سب سے پہلا کام استغفار ہی کیا

وعظ نمبر ۲۴

حقانیتِ اسلام کا بیان

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا گذشتہ آیات سے کیا تعلق ہے؟ دوم یہ کہ اس آیت کا مقصد کیا ہے؟ سوم یہ کہ دین اور مذہب میں کیا فرق ہے چہارم یہ کہ اسلام کی حقانیت پر عقلی دلائل کیا ہیں، اور دین اسلام رب کو کیوں پیارا ہے؟

(۱) گذشتہ آیات میں ذکر ہوا۔ کہ جنت کا استحقاق متقی رکھتے ہیں۔ پھر ذکر ہوا۔ اللہ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ملائکہ اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں، تو شاید کوئی کہتا کہ جنت پانے کے لئے تقویٰ ضروری ہے جس دین میں رہ کر بھی ہو۔ جیسے کہ بعض جاہل مفسرین نے اپنی تفاسیر میں لکھا۔ کہ ہر دین اپنی جگہ حق ہے۔ جس کی پابندی کرے نجات ہو جاوے گی۔ اور نجات کے لئے اسلام ہی کی پابندی ضروری نہیں۔ یا آیت شَهِدَ اللّٰهُ سے کوئی دھوکا دیتا۔ کہ صرف توحید متقی ہونے کے لئے کافی ہے۔ کسی دین میں رہ کر ہو۔ ان دونوں خیالات کو باطل کرنے کے لئے فرما دیا گیا کہ معتبر دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ دوسری جگہ اور بھی واضح کر دیا۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ جس سے معلوم ہوا، کہ اسلام کے سوا دوسرے دین میں رہ کر کوئی عمل قبول نہیں پہلے وفادار بنایا ہو۔ پھر دوسری بات سنی جاوے گی۔ نہ شیطانی توحید کا بغیر اسلام کے اعتبار ہے۔ نہ عبادات و ریاضات کا کوئی لحاظ۔

یہاں سوال ہوتا ہے کہ علاوہ دین اسلام کے اور بھی آسمانی دین جیسے دین عیسوی و موسوی اور ابراہیمی وغیرہ دنیا میں آئے۔ تو ان کی نجات کا اس زمانہ میں کیا ذریعہ تھا؟ کیونکہ اس وقت اسلام اس دنیا میں آیا بھی نہ تھا اس کا جواب دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ حکم اسلام آنے کے بعد ہے اس سے پہلے وہ ہی ادیان اپنے وقت میں ہدایت تھے۔ ہاں اس وقت اگر کوئی اسلام کے سوا اور دین اختیار کرے وہ معتبر نہیں۔ اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام اب اتباع مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی دین پر عامل ہو کر دنیا میں تشریف لائیں گے۔

دوسرے یہ کہ یہاں اسلام کے لغوی معنے مراد ہیں، یعنی دین آسمانی ہر ایک دین اپنے اپنے زمانہ میں اسلام رہا۔ مگر آفتاب نکلنے پر چراغوں کی ضرورت نہ رہی کو کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ، اگر موسےٰ علیہ السلام آج دنیا میں ہوتے تو ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنی پڑتی کیونکہ ان کی نبوت منسوخ ہو گئی حیات دنیا کی۔

(۲) اس آیت سے مقصود یہ ہے۔ کہ دنیا میں ہر قوم یہی کہتی ہے۔ کہ میں ایماندار ہوں۔ سب ایمان ہی کی قسم کھاتے ہیں۔ لیکن مقبول وہ ہے جسے رب تعالےٰ اپنی رضامندی کا تمغہ عطا فرما دے۔ ایک محبوب کے چند عاشق ہیں، ہر ایک کہتا ہے۔ کہ محبوب مجھ سے راضی ہے۔ اب فیصلہ کی صرف یہ ہی صورت ہے، کہ خود محبوب سے پوچھ لو۔ تو کس سے راضی ہے، یہاں اس قاعدے سے ذکر کیا گیا۔ کہ تم لوگ جھگڑتے کیوں ہو، تم ہم کو راضی کرنے کے لئے دین کو اختیار کرتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ ہم کو تو اسلام پیارا ہے۔ مسلمان ہمارے مقبول بندے ہیں۔

(۳) دین عقائد کو کہا جاتا ہے۔ اور مذہب فروعی مسائل کو بولتے ہیں۔ اسی لئے کہہ سکتے ہیں کہ احناف اور شافعیہ وغیرہ میں مذہبی اختلاف ہے۔ لیکن دینی اختلاف نہیں کہہ سکتے، ہاں ہم میں اور عیسائیوں اور مشرکین میں نیز ہم اور مرزائیوں و دیوبندیوں میں اختلاف دینی ہے۔ کہ ہم لوگ اور

وہ لوگ دین میں مخالف ہیں۔ لہٰذا اسلام اپنے تمام مذاہب حقہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نیز قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی سب برحق ہیں، کہ یہ اسلام ہی میں داخل ہیں۔

(۴) قرآن کا ماننے والا اس آیت کریمہ کو ہی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا معترف ہو جاوے گا۔ مگر قرآن کا منکر اس پر قناعت نہ کرے گا۔ اس کے لئے اس آیت کی تائید عقلی دلائل سے اس طرح کی جا سکتی ہے، کہ کسی چیز کی حقانیت یا نافع ہونے پر دو طرح دلائل قائم کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا فاعل بڑا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا نفع بہت ہے، ایک نسخہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ اچھا ہے۔ کیونکہ حکیم اجمل خاں کا ہے، یا اس سے لاکھوں کو نفع ہوا غرضکہ چیز کی عظمت چیز والے کی عظمت یا اس کے نفع سے ظاہر ہوتی ہے۔ یا یوں سمجھو۔ کہ اگر کسی اجنبی شہر میں کوئی پہنچے۔ تو وہ اس ہوٹل میں قیام کرے گا، جس میں غذا، ہوا، پانی اور پاخانہ وغیرہ سب کا انتظام اچھا ہو۔ خصوصاً جب کہ اس ہوٹل میں ان کے۔ ساتھ ہی ساتھ کرایہ بھی تھوڑا اسی قاعدہ سے اسلام کی حقانیت بالکل ظاہر ہے۔ کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے بانی مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور اس کے سینچنے والے صدیق وفاروق جیسی ہستیاں ہیں۔ نیز یہ وہ نسخہ ہے۔ جس کے استعمال سے عرب کے وہ لوگ جو دنیا والوں کی نگاہ میں ذلیل تھے۔ جو اپنی انسانیت کھو چکے تھے۔ انسان تو کیا انسان گر ہو گئے۔ اور جانوروں کے چرانے والے انسانوں کو تہذیب سکھلانے والے بن گئے۔ قزاقی کرنے والے نگہبان عالم بن گئے اور اسی اسلام سے ہم لاپرواہ ہو کر ذلیل وخوار ہو گئے۔ غرض یہ ہے کہ تین ذریعہ سے اسلام کی حقانیت واضح ہے۔ بانی اسلام علیہ السلام کیسے، خود اسلام کے نسخے اور قانون کیسے۔ اسلام مان کر لوگ کیا سے کیا ہو گئے اور چھوڑ کر پھر کیا سے کیا بن گئے۔ یہ تین کمالات اسلام پر بخوبی روشن ہیں باقی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایسی خوبیاں ہیں۔ جو کسی بھی مذہب کے بانی میں نہیں مل سکتیں

ایک تو آپ کے واقعات زندگی کا اس طرح جمع ہونا کہ جو سند میں آجاوے۔ اس کی بھی تاریخ لکھ جاوے۔ اگر عیسائی، یہودی، پارسی مشرکین وغیرہ سے سوال ہو کہ تم اپنے پیشواؤں کی سوانح حیات از ابتدا تا انتہا ثبوت کے ساتھ بیان کرو تو نہیں کر سکتے۔ ہندو تو یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ جن پر وید آیا۔ وہ انسان بھی تھے یا نہیں۔ کیونکہ ان میں بہت لوگ آگ پانی پر وید کا نزول مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ ان رشی منی کے حالات زندگی کیا بتائیں گے لیکن بانی اسلام صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی زندگی پاک ایسی ہے کہ از سر تا قدم تمام اعضاء کی تفصیل اور تمام اندرونی و بیرونی زندگی ازواج اور اصحاب نے اس طرح جمع فرمائی کہ کوئی بات نہ چھوڑی۔ حتےٰ کہ روایت میں یہ بھی آیا۔ کہ محبوب کے سر مبارک میں بیس بال سفید تھے۔ ایک راوی نے روایت حدیث فرما کر ایک کھجور شاگرد کو عنایت کی۔ ایک صاحب روایت فرما کر مسکرائے۔ اور شاگردوں سے پوچھا کہ تم ہم سے اس فعل کا سبب کیوں نہیں پوچھتے؟ عرض کیا گیا فرمایئے۔ فرمایا کہ حضور اس کلام کو فرما کر مسکرائے تھے۔ یا حضور نے کھجور عنایت فرمائی تھی۔ ہم بھی اس حدیث کو اسی طرح بیان کر کے مسکراتے یا کھجور دیتے ہیں۔ صحابہ کرام کا عشق مجنوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر تھا۔ کسی نے گپ ہانکی، کہ فصد لیلےٰ نے لی۔ اور خون مجنوں کے نکلا۔ مگر یہاں سچ ہو گیا۔ کہ مرض تو محبوب مصطفےٰ کو ہوا اور ضعف صدیق کو، صحت تو محبوب پاویں اور طاقت صدیق، وہ خود فرماتے ہیں ؎

مَرِضَ الْحَبِیْبُ فَزُرْتُهٗ فَمَرِضْتُ مِنْ حَذْرِیْ عَنْهُ

شُفِیَ الْحَبِیْبُ فَزَارَنِیْ فَشُفِیْتُ مِنْ نَظْرِیْ اِلَیْهِ

یعنی محبوب بیمار ہوئے تو میں انہیں بیمار دیکھ کر خود بیمار ہو گیا۔ محبوب کو صحت ہوئی میں انہیں تندرست دیکھ کر اچھا ہو گیا۔ مگر مجنوں نے لیلےٰ کی سوانح حیات نہ لکھی صحابہ کرام و ازواج مطہرات نے بے دھڑک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اندرونی و بیرونی زندگی جمع فرما دی۔ مجنوں نے دیوان قیس میں اپنے درد فراق کے دکھڑے لکھے۔ مگر لیلےٰ کا کوئی وصف نہ لکھا۔ نہ لیلےٰ کی تاریخ خلق کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی، مجنوں جانتا

تھا کہ لیلےٰ صرف میری محبوبہ ہے۔ نہ کہ جہان بھر کی۔ مجھے تو اس کی ہر ادا پسند ہے بری ہو یا اچھی۔ لیکن اگر ان اداؤں کو کتابی شکل میں لکھا گیا۔ تو لاکھوں آدمی مذاق اڑائیں گے، میں اپنی لیلےٰ کو بدنام کیوں کروں۔ مگر صحابہ کرام جانتے تھے کہ یہ تو عالم کے محبوب ہیں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا، شاہد یعنی محبوب بھی ہے ان اداؤں کو جو دیکھے گا فریفتہ ہی ہوگا۔ لہٰذا وہ حضرات دنیا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات سنا گئے کہ دیکھو، ہمارے پیغمبر میں یہ خوبیاں ہیں، پڑھو اور غلام بن جاؤ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی ایسی اصلاح فرمائی جس کی کسی بانی مذہب میں مثال نہیں ملتی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو صرف مصر اور فرعون کی طرف تبلیغ کیلئے بھیجا گیا۔ تو عرض کیا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ۔ اے مولےٰ مجھے ایک وزیر بھی میرے خاندان سے عطا فرما۔ زبان اور دل کھول دے۔ پھر بھی فرمایا گیا اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى یہ جب فرمایا۔ جبکہ عرض کیا تھا۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى۔ غرضکہ ہر طرح تسلی و تشفی فرمائی گئی، قوت بازو بھی بھائی کو بنایا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ فرعون سے خوف نہ کرنا، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جہان بھر کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ دنیاوی سہارا کچھ نہ دیا گیا کہ در یتیم ایک ہی ہوتا ہے۔ ولادت سے پہلے ہی یتیمی کا سہرا باندھ دیا گیا۔ جو قرابت دار باقی بچے وہ خون کے پیاسے۔ ابو جہل اور ابولہب فرعون سے بڑھ کر، فرعون ڈوبتے وقت بولا امنت برب موسیٰ وھٰرون۔ مگر ابو جہل جنگ بدر میں مرتے ہوئے وصیت کر گیا۔ کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ کسی سردار کا سر ہے تمام عالم کی رہنمائی۔ مگر دنیاوی سازو سامان نہ اور اس کے باوجود کل ۲۳ سال بلکہ حقیقت میں کل دس سالہ تبلیغ سے عالم کی ہوا بدل دی۔ بے دینوں کو دیندار۔ بت پرستوں کو خدا پرست اور نہ معلوم کس کو کیا کیا بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنا آسان ہے، دریا کا رخ بدلنا سہل مگر بگڑی قوم کا بنانا دشوار ہے۔ خصوصاً جبکہ ایسی بے سرو سامانی موجود کر ہوئی۔

آج کوئی مذہب اپنے بانی میں کوئی ایسی خوبی بیان نہیں کر سکتا۔ جس سے بڑھ کر حضور میں خوبی موجود نہ ہو۔ اگر مشرک کہے کہ رامچندر میں قوت بازو ایسی تھی۔ کہ اس نے بھاری کمان کے دو ٹکڑے کر دیئے تو میرے آقا میں وہ خداداد قوت تھی۔ کہ انگلی کے اشارے سے پورے چاند کی دو کیاں بنا دیں۔

(۵) اسلام نے دنیاوی زندگی کا ایسا انتظام فرمایا۔ کہ ماں کے پیٹ میں آنے سے لے کر دفن ہونے تک نہیں بلکہ بعد موت مال تقسیم کرنے تک کے تمام احکام بیان کر دیئے۔ ہمیں نئے قانون بنانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی زندگی پیش فرمائی کہ غریب و امیر، رعایا و بادشاہ اور عیالدار، شجاع بہادر اور رحم و کرم والا، غرضکہ ہر طبقہ کے انسانوں کی زندگی گذارے۔ ہر قوم کو قانون سازی کی ضرورت۔ مگر اسلام والوں کو قانون بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قاضی اور بادشاہ و حکام اس تکلیف سے محفوظ ہیں۔

(۶) پھر قانون سازی کسی آرام و راحت میں نہیں، بلکہ بے ساختہ ایسے قانون بنائے جو قیامت تک کام آویں اور ہر قوم کو ماننا پڑیں۔ آج ہندوؤں میں چرچا ہے کہ چند نکاح کئے جاویں۔ کیونکہ مرد بمقابلہ عورتوں کے کم ہیں۔ پھر بھی جنگ وغیرہ میں مارے جاتے ہیں، اگر ایک مرد چند عورتیں نہ رکھے تو عورتیں کہاں کھپائی جائیں۔ ہر ہاتھ میں انگشت چار اور انگوٹھا ہوتا ہے۔ ایک اس میں اشارہ ہے، کہ ایک مرد چند بیویاں رکھ سکتا ہے۔ ہاں اگر عورت کے چار خاوند ہوں، تو علاوہ بے حیائی کے بچے کا نسب مجہول ہوگا اور بچے کی تعلیم وغیرہ کا کوئی منتظم نہ ہوگا۔ اسی طرح مسئلہ گوشت خوری۔ کہ اگر ذبح حیوانات نہ ہو تو جانور اس قدر زیادہ ہو جاویں گے کہ ملک کی تمام پیداوار ان کا پیٹ نہ بھر سکے پھر انسان کیا کھائیں اور دودھ ہی اس قدر ارزاں ہو جائے کہ دودھ کی قیمت سے ان کا چارہ نہ ہو۔ اسی لئے حکومت بیکار کتوں کو بھی مرواتی رہتی ہے۔ غرضکہ اسلام کے قانون فطرت کے موافق ہیں، اسی طرح داڑھی اور ختنہ، کہ داڑھی سے چہرے کا نور زیادہ اور صورت با زیب ہوتی ہے۔ اور قوت مردمی اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ نیز مونچھ

کے بالوں میں زہریلا مادہ ہے۔ اگر اس سے پانی لگ کر پیٹ میں جاوے۔ تو مضر ہو۔ ختنہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ بغیر ختنہ اجتماع میل سے عضو میں خارش رہتی ہے۔ اس کے کھجلانے سے جلق کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عورت کی جس قدر سیری ہوتی ہے۔ وہ غیر ختنہ سے نہیں ہوتی اس لئے غیر اقوام کی عورتیں اگر مسلمان کے نکاح میں آجائیں تو پھر ان ہی کی ہو جاتی ہیں اسی لئے اہل کتاب کی عورت سے نکاح درست ہے اور کسی خداداد قوت کو بڑھانا عیب نہیں۔ ہاں غیر جگہ صرف کرنا عیب ہے۔ سرمہ لگا کر نگاہ تیز کرنا عیب نہیں۔ ہاں غیر عورت کو تاکنا برا۔ نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرا کر بچا لیا گیا۔ اور اس کی یاد میں ایک عضو کی زائد کھال کٹوائی گئی۔ اور قربانی جاری کی گئی۔

غرضکہ اسلام کے ہر مسئلہ میں ہزارہا خوبیاں ہیں جنہیں غیر اقوام بھی ماننے پر مجبور ہیں، آج تک کفار اعتراض کرتے تھے۔ کہ قرآن میں جگہ جگہ جہاد کا حکم ہے حالانکہ جہاد بہت بری چیز ہے۔ مگر نہ سمجھے کہ کوئی قوم بغیر سپاہیانہ زندگی ایک دم بھی عزت سے نہیں رہ سکتی۔ ایک کنوئیں سے ایک زمین کو پانی دیا جاتا ہے۔ مگر گندم کے ساتھ گھاس اس قدر پیدا ہوتی ہے کہ اگر کاٹی نہ جاوے تو گیہوں ترقی نہ کر سکیں، ایک شخص کھاتا ہے خوراک سے جسم میں صفرا، بلغم وغیرہ بڑھتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کا علاج کیا جاوے، اگر ہاتھ سڑ رہا ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ کاٹ دیا جاوے تاکہ سرایت نہ کر جاوے۔ اور سارا ہاتھ خراب نہ ہو۔

ان مثالوں سے واضح ہوا، کہ اسی رزق کو کھا کر بعض ایسے لوگ پھیل جاتے ہیں، جن کا وجود حق کی اشاعت کے لئے مضر ہے۔ زمین کو ان سے صاف کرنا ضروری ہے۔ اب تو کفار بھی معترف ہوئے۔ کہ عدم تشدد سے ترقی نہیں ہو سکتی اسی طرح اسلامی سزائیں سخت ہیں، جیل یا جرمانہ سے سزا نہیں کہ جیل کی صورت میں بدمعاش غریب اس لئے جرم کریں گے کہ وہاں روٹی تو پیٹ بھر کر ملے گی۔ نیز قیدیوں کی خوراک وپوشاک کے لئے حکومت جرمانہ بھی کرے گی۔ جس سے حکومت کو جرموں کی خواہش

ہوگی۔ کیونکہ یہ ذریعہ آمدنی ہوا۔ تو جیل زیادتی جرم کا ذریعہ ہوئی نہ کہ انسداد جرم کا۔ اسی لئے ان ممالک میں چوریاں اور جرم زیادہ ہیں۔ اسی لئے اس کو ہندوستان یعنی چوروں کا ملک کہتے ہیں۔ دیکھو اسلامی قوانین سے جرم بہت ہی کم ہوں گے۔ نیز اسلام نے بہت سے جرموں کی جڑ یعنی شراب کو حرام کیا اور زر، زن، زمین کو بہت سی قیدوں میں کیا، کہ سود حرام اور پردہ فرض، کہ یہ جرم کی جڑ ہیں، زنا کی سزا رجم کی موت، اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسلی ان امور میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بے شک سچا دین اسلام ہے۔

وعظ نمبر ۲۶

نسخ کا بیان

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ اس کا شان نزول کیا ہے۔ دوم یہ کہ نسخ کے معنے کیا ہیں، اور نسخ کتنی طرح کا ہے۔ سوم یہ کہ نسخ کس کا کس سے ہوتا ہے۔ چہارم یہ کہ اس پر اعتراضات کیا ہیں، ان کا جواب کیا۔ پنجم یہ کہ نسخ میں حکمت کیا ہے۔

(۱) جب قرآن کریم نے اپنی کتاب الٰہی ہونے پر دلائل قویہ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ سے بیان کر دیئے اور کفار میں تاب مقابلہ نہ ہوئی، تو انہوں نے بیہودہ اعتراض کرکے عوام کو بہکانا شروع کیا۔ مثلاً یہ کہ

اگر قرآن الٰہی ہے۔ تو اس میں مچھر اور مکڑی جیسی حقیر چیزوں کا ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا میں دیا گیا۔ ان ہی کمزور اعتراضات میں سے ایک اعتراض نسخ پر تھا کہ خدا کی کتاب میں نسخ نہیں ہونا چاہیئے۔

مشرکین نے اعتراض کیا۔ یہود نے ان کی تائید کی۔ کہ کلام الٰہی میں نسخ کیسا محمد رسول اللہ نے کبھی زانیہ عورتوں کو فقط ایذا رسانی کا حکم دیا فَاٰذُوْھُمَا اور کبھی گھروں میں قید کرنے کا حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اور کبھی کوڑے مارنے کا فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ۔ اگر کلام خدا تھا۔ تو اول سے ہی وہ حکم کیوں نہ آگیا جو آخر میں بھیجا گیا بے خبر آدمی اپنے احکام بدلتے ہیں، نہ کہ جاننے والے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) نسخ کے لغوی معنے ہیں زائل یا نقل کرنا (روح البیان) شرعی معنی ہیں حکم کی انتہا مدت بیان کرنا۔ نسخ کی تین صورتیں ہیں۔ نسخ تلاوت، نسخ فی الحکم نسخ تلاوت و حکم ہر دو۔ پہلے کی مثال جیسے کہ اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اس آیت کا حکم یعنی رجم زانی، تو باقی مگر تلاوت منسوخ دوسرے کی مثال وَصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ کہ اس کی تلاوت باقی مگر حکم یعنی وفات کی عدت ایک سال منسوخ۔ تیسرے کی مثال حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آیت تھی عَشَرَ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ یعنی دس گھونٹ دودھ سے عورت رضاعی ماں بنے (روح البیان) مگر اب نہ یہ حکم رہا نہ تلاوت۔ کہ ایک گھونٹ سے بھی رضاعت ثابت ہے ان ہی قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا میں۔

پھر نسخ کی تین قسمیں ہیں (۱) نسخ الی الاسہل (۲) نسخ الی الاشق لیکن ثواب زیادہ (۳) نسخ الی المساوی پہلے کی مثال پہلے ایک سال عدت وفات تھی پھر چار ماہ دس دن ہوئی۔ دوسرے کی مثال جیسے ترک جہاد، جہاد کے حکم سے منسوخ ہوا۔ جہاد اگرچہ بھاری پڑتا ہے مگر نافع ہے تیسرے کی مثال جیسے بیت المقدس

سے پھر کر کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرنا اسی طرف اشارہ ہے نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا میں کہ خیر شامل ہے ۔ اَسْہَل اور شاق نافع کو ہے ۔

(۳) سوائے احکام اور کسی شئے کا نسخ نہیں ہو سکتا ۔ نہ خبروں کا نہ صفات الہیہ کا ۔ اسی طرح نسخ کی چار صورتیں ہیں ۔ نسخ قرآن قرآن سے ۔ نسخ قرآن حدیث سے جیسے تعظیمی سجدہ قرآن سے ثابت مگر حدیث سے منسوخ ۔ نسخ حدیث حدیث سے جیسے مجرم کے اعضاء کاٹنا حضور سے ثابت ہے ۔ مگر بعد میں حدیث سے منسوخ ۔ اسی طرح نسخ حدیث قرآن سے ۔ جیسے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ۔ رمضان کی شب میں جماع حدیث سے منع تھا ۔ قرآن نے حلال کیا ۔ رہا یہ کہنا کہ قرآن کریم کا نسخ حدیث سے کیسا ۔ کیا حکم خدا کو فرمان مصطفیٰ رد کرے گا ۔ حدیث میں ہے کَلَامِی لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللہِ حدیث قرآن سے منسوخ نہیں ہو سکتی بھلا رب تعالیٰ حضور کے کلام کو رد کرے گا ۔

یہ دونوں اعتراض لغو ہیں ۔ کیونکہ نسخ کے معنی رد نہیں بلکہ بیان انتہائے مدت ہیں ۔ اور حدیث میں کلامی سے مراد وہ کلام ہے ۔ جو حضور علیہ السلام اپنی طرف سے فرماویں ورنہ حدیث بھی کلام الٰہی ہے ۔ قرآن میں عبارت بھی خدا کی طرف سے ہے اور حدیث میں مضمون خدا کا ۔ عبارت مصطفیٰ علیہ السلام کی یہ ہی فرق ہے ۔ قرآن اور حدیث قدسی وغیرہ میں ۔ اس لئے نماز میں حدیث کی تلاوت جائز نہیں ۔ ہاں حدیث غیر متواتر سے نسخ ناجائز ہے ۔ کہ اس کے حدیث ہونے میں شک ہے ۔ یقینی چیز مشکوک سے منسوخ نہیں ہوتی لہٰذا قرآن کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے نسخ جائز ہے ۔ ہاں تخصیص جو ایک قسم کا نسخ ہے یہ غیر متواتر یعنی حدیث مشہور سے بھی ہو سکتا ہے ۔ اسی لئے چار عورتوں سے ایک دم نکاح حلال ۔ مگر سیدنا علی حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتے تھے ۔ تمام لوگوں کے بعد وفات میراث تقسیم ہو ۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس سے مستثنیٰ۔ گواہ دو چاہئیں، مگر ابو خزیمہ انصاری اکیلے کی گواہی دو کی طرح تھی۔ یہ خصوصیت ہے۔

(۴) مسئلہ نسخ پر نادان لوگ چند شبہ کرتے ہیں۔ اول یہ کہ کلام الٰہی میں تبدیلی اور تغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن فرماتا ہے۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ۔ اور نسخ بھی تبدیل ہے۔ اسی لئے اصولیین اس کو بیان تبدیل کہتے ہیں نیز فرماتا ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اور نسخ بھی اختلاف ہے۔ لہٰذا نسخ باطل ہے۔ منسوخ ہونا اس کی علامت ہے، کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام نہیں۔

اس کا جواب واضح ہے۔ کہ نسخ حکم کی مدت بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس کے بعد زمانہ آئندہ میں دوسرا حکم جاری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بیان تو کہتے ہیں مگر بیان تبدیل۔ اور آیت میں وعدہ خلافی کی نفی ہے۔ یعنی ناممکن ہے کہ صالحین سے وعدہ اچھا کیا جاوے، مگر دیا نہ جاوے۔ اسی لئے فرمایا وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ نیز نسخ اختلاف نہیں۔ بلکہ پہلے حکم کا بیان ہے۔ اس کو اختلاف میں داخل سمجھنا غلطی ہے۔ کہ اختلاف سے مراد خبروں کا واقعات کے خلاف ہونا یا کلام الٰہی کی فصاحت وعمدگی میں یکساں نہ ہونا ہے۔ جیسے لوگوں کا کلام بعض اعلیٰ درجہ کا بعض پھیکا ہوتا ہے۔ مگر یہ کلام از اول تا آخر تمام یکساں فصیح خلاصہ یہ کہ قرآن وعدہ خلافی اور غلط خبروں سے پاک ہے۔ نیز قرآن یکساں فصیح وبلیغ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ نسخ متکلم کی جہالت یا عجز پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس کی خبر ہوتی کہ یہ حکم ہمیشہ کام نہ دے گا تو اول سے ہی وہ حکم نافذ کرتا جو آخر میں دیا۔ یا اول حکم کو اپنی قدرت سے ہمیشہ جاری رکھتا۔ یہ کیا کہ کبھی کوئی۔ کبھی کوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ کا اختلاف مختلف احکام چاہتا ہے۔ کامل حکیم وہ ہے جو ضرورت زمانہ کے لحاظ سے احکام بھیجے۔ ایک طبیب اپنے مریض کو زمانہ علاج میں طرح طرح کی دوائیں تبدیل کرکے دیتا ہے جوں جوں مریض کی حالت بدلی۔ طبیب کی تجویز بھی بدلی مگر علاج کی تبدیلی حکیم کے علم کی دلیل ہے نہ کہ جہالت

کی پھر جب مریض کو آرام ہو گیا۔ تو ایک پیٹنٹ دوا تجویز کی۔ کہ ہمیشہ اس کو کھایا کرنا۔ اب کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ اسی طرح گذشتہ دین اور خود قرآن کے پہلے احکام بدلتے رہے۔ بعد میں قیامت تک کے لئے پیٹنٹ نسخہ یعنی قرآن دیا گیا۔

خدا تعالیٰ کو علم تھا کہ بچہ جوان وادھیڑ ہو کر آخر بڈھا ہو گا۔ اور آخر غذائیں اس کی یہ ہوں گی لیکن پیدا کیا گیا چھوٹا بچہ۔ اور غذائیں بھی بہت نرم۔ کیونکہ وہ تو قادر تھا۔ کہ اسے بڈھا ہی پیدا فرمادے مگر ماں کی خرابی لگ جاتی۔ جیسے دنیا میں ہر چیز تغیر قبول کرتے کرتے آخر اپنے کمال پر پہنچکر پھر نہیں بدلتی۔ دیکھو جسم انسانی اور درخت وغیرہ کو۔ اسی طرح ادیان الٰہیہ میں جب تغیر ہوتے ہوتے کمال آگیا۔ نسخ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور یہی وجہ ختم نبوت کی بھی ہے۔ کہ دنیا میں عارضی طور پر حسب موقعہ پیغمبر آتے رہے آخر میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے جو اصل مقصود ہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتب الٰہیہ کی تصدیق فرماتے ہیں۔ تصدیق کرنے میں اور نسخ میں تضاد ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما ہو کر جزیہ نسخ فرمادیں گے۔ سور قتل فرمادیں گے۔ اسلام جب قابل نسخ نہ تھا تو یہ نسخ کیوں ہو گا۔ نیز عہد فاروقی میں مصرف زکوٰۃ سے مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوْبِ کو کیوں منسوخ کیا گیا۔ یہ بھی الیوم اکملت لکم کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تصدیق اور تنسیخ میں ضد نہیں۔ تصدیق اس کی ہوئی کہ یہ واقعی کتب الٰہیہ ہیں اور اپنے وقت میں قابل عمل تھیں۔ مگر اب آفتاب کی موجودگی میں ان شمعوں اور گیسوں کی ضرورت نہیں۔ جب طبیب نسخہ تبدیل کرتا ہے۔ تو اپنے پہلے نسخے کو غلط نہیں کہتا، تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ اب اس کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ مصدقا کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں۔ کہ ان کتابوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر دی گئی۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی تشریف آوری نہ ہوتی تو وہ خبر غلط ہو جاتی۔ لہٰذا حضور کی تشریف آوری ان کتابوں کی تصدیق ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام جزیہ کو منسوخ نہ فرمائیں گے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اسکی مدت بیان فرمادی۔ کہ حکم جزیہ عیسٰی علیہ السلام کی آمد تک رہے گا۔ حکم تو سرکار کا ہے اس کے جاری فرمانے والے حضرت مسیح ہیں جیسے گذشتہ شریعتوں کے بعض وہ احکام جو قرآن و حدیث میں قصۃً ذکر ہو کر ہم پر ضروری ہے۔ جیسے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الآیۃ ہمارا ان احکام پر عمل صرف اس لئے ہے کہ ہمارے آقا نے ان کا ذکر فرمادیا نہ اس لئے کہ زبور وغیرہ کے احکام ہم پر لازم ہیں۔ اسی طرح نزول حضرت مسیح پر حضور علیہ السلام نے جزیہ کا حکم ختم کیا۔

عہد فاروقی میں مولفۃ القلوب کو علت اٹھنے کی وجہ سے علیحدہ سمجھا گیا اس کو نسخ نہیں کہتے مسلمانوں کی کمزوری کی علت تھی۔ ایک کپڑا ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ اس سے نماز نہیں ہو سکتی، پھر پاک کر دیا گیا۔ حکم بدل گیا۔ یعنی اس سے نماز جائز ہو گئی۔ یہ تو نسخ نہیں۔ بلکہ علت اٹھ جانے سے حکم اٹھ گیا۔ ورنہ قیاس اور اجماع سے کتاب یا سنت کا نسخ جائز نہیں۔ جیسا کہ تفسیرات احمدیہ میں مذکور ہے۔

(۵) نسخ میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ کچھ تو اوپر معلوم ہو چکیں اور کچھ حسب ذیل ہیں۔

منسوخ حکم ضرورت مخلوط کے لئے عارضی طور پر جاری کیا گیا۔ بعد کو ختم کر دیا گیا۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا نکاح بھائی سے جائز تھا۔ جبکہ ساتھ پیدا نہ ہوں، کیونکہ بجز اسکے اور کوئی صورت نہ تھی۔ عورتیں کہاں سے آتیں۔ یہ حکم شریعت حضرت نوح علیہ السلام سے منسوخ ہوا۔ کبھی اس لئے کہ پہلا حکم لوگوں کی طبیعت میں بیٹھ چکا ہے۔ ایک دم ترک کرنا مشکل ہوگا۔ اس میں بتدریج تغیر کر کے پھر بالکل بند کیا گیا۔ جیسے ممانعت شراب کہ پہلے اس سے نفرت دلائی گئی۔ پھر نشہ میں نماز سے منع کیا گیا۔ پھر بالکل حرام کر دی گئی۔ اول سے ہی بالکل منع کرنا سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ایک دم شراب چھوڑنا ان کو دشوار اسی طرح روزہ اگر ایک دم فرض ہو جاتا مشکل ہوتا۔ لہٰذا اول صرف

یک روزہ عاشورہ کا فرض ہوا۔ پھر ہر ماہ میں تین۔ پھر ماہِ رمضان۔ مگر فدیہ کا اختیار رہا۔ پھر حکم فدیہ ختم۔ مگر سحری کھانا جائز رہا۔ پھر سحری حلال، مگر رمضان کی رات میں بھی بیوی سے صحبت حرام۔ پھر اس صورت پر آیا۔ جس پر اب ہے اگر روزے کے سارے احکام ایک دم آجاتے۔ تو لوگوں کو مشکل پڑجاتی کبھی محبوب کی اظہار عظمت کے لئے نسخ ہوتا ہے۔ جیسا کہ معراج میں پچاس کی بجائے پانچ نمازیں رہیں۔ اگر اول سے ہی پانچ ہوتیں تو نہ اس میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا احساس معلوم ہوتا۔ اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت۔ اب معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ عظمت ہے کہ عرض کرنے پر عبادات الٰہیہ میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح قبلہ کا بدلنا کہ اگر پہلے سے ہی قبلہ کعبہ ہوتا۔ تو وہ عظمت مصطفےٰ علیہ السلام معلوم نہ ہوتی۔ جواب معلوم ہوئی۔ کہ کعبہ رضائے محبوب کے لئے قبلہ بنا قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔

نسخ کے لئے نہ تو منسوخ پر عمل ضروری ہے۔ نہ اُمت کا علم لازم، صرف سرکار کا علم کافی ہے۔ اسی لئے پچاس نمازوں پر نہ تو کسی نے عمل کیا۔ اور نہ اُمت نے جانا، منسوخ ہو کر پانچ رہ گئیں۔ اور پانچ ہی عمل میں آئیں۔

کبھی ناسخ کی عظمت دکھانے کے لئے نسخ واقع ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اول سے ہی دنیا میں اسلام آجاتا۔ تو اس کے اصول کی کاملیت اور برتری ظاہر نہ ہوتی۔ اب جبکہ دنیا نے دوسرے اصول دیکھ کر اسلامی قوانین دیکھے، تو اَلْاَشْيَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا ان کی قدر معلوم ہوئی۔ اس لئے رب تعالےٰ نے دنیا میں اضداد پیدا فرمائے۔ کہ دن کی رات سے۔ اور تندرستی کی بیماری سے، سیری کی بھوک سے قدر معلوم ہو سکے۔

کبھی نسخ کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ ہر شئے اپنی اصل پر پہنچ کر ختم اور منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور اصل سے علیحدگی کی حالت میں مضطرب و بے قرار رہتی ہے انسان اپنے وطن سے علیحدہ ہو کر مضطرب۔ مگر وطن پہنچ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ تمام دریا سمندر کی طرف اس زور سے بھاگتے ہیں۔ کہ راہ میں جو چیز بھی انہیں اس سفر سے روکے اس کو اکھیڑ ڈالتا ہے۔ شور مچاتا ہوا بھاگا جاتا ہے، مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا وہ

شور اور روانی ختم اور سمندر میں پہنچ کر اپنے کو گم کر ڈالا۔ اور بزبان حال کہا کہ تو اور نہیں میں اور نہیں آخر یہ کیوں ؟ صرف اس لئے کہ دریا سمندر سے بنا۔ یہاں ہی سے بخارات کر بادل بنا۔ اور وہ پہاڑوں پر برف اور بارش کی شکل میں ٹپکا۔ اور اس سے دریا بنا۔ دریا اپنے اصل کی طرف بھاگا۔ اور اس کو پاکر اپنے کو گم کر دیا۔

اسی طرح حدیث میں ہے۔ اَللّٰہُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔ نیز ارشاد ہے کُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ نبوت کا سمندر ذات مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام نبوتیں اسی طرف بھاگی آ رہی تھیں۔ کہ اگر فرعونی طاقت اور نمرودی طاقت نبوت ابراہیمی و موسوی سے ٹکرائیں۔ پاش پاش ہو گئیں۔ مگر نبوت مصطفےٰ پر پہنچ کر سب کی سب گم ہو گئیں۔

فوٹ ضروری۔ نسخ بندوں کے اعتبار سے تبدیل ہے اور علم الٰہی کے لحاظ سے بیان مدت، اسی لئے اس کو کہتے ہیں بیان تبدیل یعنی بیان بھی ہے اور تبدیل بھی لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ میں یہ مراد ہے کہ ہمارے نزدیک تبدیل نہ ہو گی۔ کیونکہ خدا کے نزدیک بیان ہے نہ کہ تبدیل۔

خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز میں نسخ اور تبدیلی ہے دن رات سے منسوخ ہے اور رات دن سے منسوخ، اسی طرح بچپن جوانی سے۔ جوانی بڑھاپے سے زندگی موت سے، تندرستی بیماری سے۔ خوشحالی بدحالی سے منسوخ ہوتی رہتی ہے۔ صوفیا کے یہاں راہ طریقت کے مسافروں کو نسخ سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ سالک کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کے لئے ذکر جہر مناسب، کبھی ذکر خفی بہتر کبھی چلہ کشی، اور گوشہ نشینی میں مشغول۔ کبھی تبلیغ دین۔ اور اظہار کمالات میں شاغل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ماہ غار حرا میں چلہ کشی فرمائی۔ یہ بھی ایک حالت تھی۔ اور کبھی کوہ صفا پر نبوت کا اعلان فرمایا۔ یہ بھی ایک حال تھا۔ کبھی بیویوں سے اختلاط اور کبھی حضرت جبریل کو حاضری کی ہمت نہ ہوئی سے

اگر درویش برجائے بماندے ؛ دو دست از ہر دو عالم بر فشاندے

وعظ نمبر ۲۷

حیات مسیح کا بیان

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کونسا واقعہ یہاں مذکور ہے۔ دوم یہ کہ بعض انبیائے کرام کے تاریخی واقعات قرآن کریم نے کیوں بیان کیے۔ یا تو تمام کے واقعات بیان ہوتے، یا کسی کے نہ ہوتے۔ تیسرے یہ کہ یہاں کس کس فرقہ کے کیا کیا اعتراض ہیں۔ ان کے کیا جواب ہیں۔

اس سے قبل حضرت کلمۃ اللہ مسیح علیہ السلام کی والدہ طاہرہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی پیدائش کا ذکر تھا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کے سازش قتل اور خدائے پاک کا ان کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ ہے یہاں چار باتیں ہوئیں۔ وفات۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھانا۔ کافروں سے محفوظ رکھنا، اور آپ کے متبعین کو کفار پر غلبہ دینا۔

جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر یقین کر لیا، کہ یہ ہی وہ پیغمبر ہیں۔ جن کی توراۃ میں بشارت دی گئی ہے۔ تو اپنے دین موسوی کے نسخ اور اپنی حکومت کے زوال کے خوف سے آپ کے درپے آزار ہو گئے اور آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ کو بر سر بازار گالیاں دینے اور عیب لگانے کا وطیرہ اختیار کیا۔ حضرت نے بہت صبر فرمایا۔ مگر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ الْحَكِيْمِ بددعا فرمائی۔ تو تمام گستاخ سؤر اور بندر بن گئے۔ بعد ازاں کچھ یہود نے اس وقت کے بادشاہ کو خبر دے

کر کہا۔ کہ اگر کسی وقت انہوں نے تیرے لئے بددعا کردی تو تُو ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کو شہید کرا دیا جاوے چنانچہ ایک منافق نے حیلہ سے قتل کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کا نام ططیانوس تھا۔ اس نے ایک بار موقعہ پا کر حضرت کے دولت خانہ قیام میں جا کر قتل کا ارادہ کیا، مگر دیکھا کہ یہ آپ براستہ چھت آسمان پر تشریف لے گئے۔ اور یہ دیکھتا رہ گیا۔ واپس آیا تو خود اپنی شکل حضرت مسیح کے مشابہ تھی اس کو سولی دی گئی (دیکھو روح البیان) حضور کی یہ صفت خاص ہے کہ آپ کی ہم شکل کوئی نہیں بن سکتا۔ ورنہ لوگ حضرت سلمان علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ہمشکل بن گئے۔ البتہ شیطان اپنی آواز حضور کی آواز سے مشابہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ والنجم شیطان نے حضور کی طرح پڑھ دی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (عام تفاسیر۔

(۲) جن انبیائے کرام کے ولادت وغیرہ میں کچھ عجیب امور تھے، ان کے قصے قرآن نے بیان فرما دیئے جیسے حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ نیز ان واقعات کو مخالفین نے تو بری طرح اور معتقدین نے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کیا۔ اور جس سے غلط نتیجے لئے گئے۔ جیسے یہود نے معاذ اللہ حضرت بتول مریم کو تہمت زنا لگائی، اور نصرانیوں نے ان کو خدا کی بیوی قرار دیا، تو ضروری تھا، کہ ان کے اصل واقعات بغیر افراط و تفریط بیان کئے جاویں۔ تاکہ غلط فہمی دور ہو غلط فہمی دور کرنا۔ اور لوگوں کو سیدھے راہ پر لگانا اسلام کا کام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پاک اور رضاعت بلکہ خود حضرت آمنہ خاتون کے نکاح میں بہت عجائب و غرائب ہیں۔ اگر حضرت مسیح نے بچپن میں کلام فرمایا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے فرمایا رَبِّ هَبْ لِيْٓ اُمَّتِيْ دردزہ کے وقت حضرت مریم کی امداد حضرت جبریل نے کی تو اس وقت آمنہ خاتون کی خدمت کے لئے خود حضرت مریم اور حضرت آسیہ اور حوران بہشتی حاضر ہوئیں کعبہ نے خانہ آمنہ کو سجدہ کیا حضور کی برکت سے حضرت حلیمہ کی خچر نے حلیمہ کو

جواب دیا۔ کہ مجھ پر ختم المرسلین ہیں۔ یہ ان کی طاقت ہے۔ کہ میری رفتار تیز ہے (مدارج، مواہب)
مگر ان واقعات کو قرآن نے بیان نہ فرمایا۔ اس لئے کہ علم الٰہی میں آچکا تھا کہ قرآن کی طرح محبوب
کے واقعات تمام بلا کم وکاست دنیا میں محفوظ رہیں گے ان میں تحریفات بیہودانہ نہ ہوگی۔ نیز ان واقعات
سے کوئی قوم ایسے غلط نتائج نہ نکالے گی۔ جیسے گذشتہ انبیاء کے واقعات سے عیسائیوں نے الوہیت مسیح
کا نتیجہ نکالا۔ اور یہود نے انکار نبوت کا۔ نیز قرآن نے پچھلے انبیاء اور ان کی اُمتوں کے احوال بیان فرمائے
قرآن کے بعد کوئی کتاب نہ آوے گی۔ اس لئے ان کے واقعات کون کتاب بتائے۔ خدا کا فضل ہُوا
کہ ہم آخر امت ہیں۔ ورنہ ہماری برائیاں پچھلی امتوں کی طرح دنیا میں مشہور ہوجاتیں۔ ہمارا آخری اُمت
ہونا ہماری پردہ پوشی کا باعث ہُوا۔

(۳) اس آیت کریمہ سے دو گروہ اعتراض کرتے ہیں۔ مرزائی اور عیسائی۔ مرزائی کہتے ہیں اس سے
معلوم ہُوا کہ حضرت مسیح وفات پا گئے۔ کیونکہ ترتیب قرآنی میں وفات کا ذکر پہلے ہے اور اٹھانے کا بعد
میں متوفیک ورافعك الی تو معنی ہوئے کہ ہم آپ کو وفات دیں گے اور پھر روحانی طور پر اٹھائیں گے
عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا کہ حضرت مسیح کے متبعین قیامت تک کافروں پر غالب
رہیں گے۔ دیکھو ہم ہی حاکم ہیں اور مسلمان محکوم جرمنی، فرانس، اٹلی، برطانیہ۔ غرضیکہ یہ تمام حکومتیں عیسائی
ہیں۔ جس سے معلوم ہُوا کہ مسلمان کافر ہیں اور عیسائی عیسٰے علیہ السلام کے سچے متبع۔ قرآن کا وعدہ ہم پر
صادق آرہا ہے۔ اول کا جواب چند طرح ہے۔ ایک یہ کہ اگر مان لیا جاوے، کہ متوفیک کے معنے
موت دینا ہے۔ تو بھی واؤ ترتیب نہیں چاہتا۔ صرف جمعیت کا متقاضی ہے دیکھو قرآن میں ہے
واسجدی وارکعی مع الرّاکعین حالانکہ رکوع سجدے سے پہلے ہے، نیز فرمایا خلق الموت
والحیٰوۃ حالانکہ موت حیات کے بعد ہے کہ سلب حیات ہے۔ نیز فرمایا خلقکم والذین من
قبلکم۔ نیز فرمایا ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت الآیۃ ان تمام میں

ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ دیکھو پچھلے پیغمبر پر پہلے وحی آئی۔ مگر آیت میں ان کا ذکر بعد میں ہے۔ نیز اگر معنے آیت کے وہ ہوں جو مرزائی نے کہے کہ آپ کو وفات دے کر آپ کی روح کو اٹھائیں۔ تو اس میں حضرت مسیح کی کیا خصوصیت ہے، تمام کی روحیں بعد موت آسمان کی طرف جاتی ہیں، حالانکہ یہ مقام مدح ہے۔ اور حضرت مسیح کو اطمینان دلانا ہے، کہ یہود اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام رہیں گے۔ پھر آیت میں چار جگہ کاف خطاب ہے۔ اور رَافِعُكَ اور مُطَهِّرُكَ اور اِتَّبَعُوْكَ تین جگہ کاف سے ذات مسیح مراد لینا اور بیچ میں ایک جگہ روح مراد لینا خلاف فصاحت ہے، نیز مسیح نام ہے جسم مع روح کا۔ اور وہ ہی مخاطب ہیں یا تو عیسٰے ہیں جس سے خطاب ہے۔ اسی ذات کو اٹھایا گیا۔

اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ میں اشارہ اس جانب ہے کہ اے عیسٰے ہم تم کو وفات دیں گے، بلا واسطہ قتل وصولی، اسی لئے وفات دینے کو اپنی طرف نسبت کیا، ورنہ سب کو خدا ہی موت دیتا ہے۔ نیز اشارہ اس جانب ہے کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے آپ قتل نہیں کئے جا سکتے۔ ہم آپ کو بقیہ عمر پوری کرا کر وفات دیں گے ابھی اٹھائے لیتے ہیں۔

یہ تمام گفتگو اس صورت میں تھی، جب ہم مان لیں کہ توفی سے مراد موت دینا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ توفی کے معنے ہیں۔ اَخَذَ الشَّيْءَ وَافِيًا یعنی کسی چیز کو پورا لینا اسی لئے کہتے ہیں وفائے عہد۔ موت کو وفات۔ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ اس سے زندگی کے ایام پورے ہو جاتے ہیں۔ اگر توفی سے موت مراد ہو۔ تو قرینہ کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ معنے مجازی ہیں، قرآن کریم میں توفی نیند کے معنے اور پورے لینے کے معنے میں استعمال کیا گیا يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ، فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وغیرہ۔ اب معنے یہ ہوئے۔ کہ اے عیسٰے اللہ تم کو پورا پورا لے گا۔ اور اپنی طرف اٹھائے گا۔ رَافِعُكَ سے بتایا گیا۔ کہ دوسروں کی طرح یہ نہ ہوگا۔ کہ جسم تو زمین پر چھوڑ دیا جاوے۔ اور فقط روح اٹھائی جاوے۔ بلکہ متوفیک پورا پورا لیں گے تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۷۹ میں ہے وَذِكْرُ هٰذَا الْكَلَامِ لِيَدُلَّ عَلٰى اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ بِتَمَامِهٖ بِرُوْحِهٖ وَجَسَدِهٖ ۔ نیز توفی ایک جنس ہے ۔جس کی تین قسمیں ہیں ۔روح قبض کر کے واپس کر دینا ۔دوسرے روح قبض کر کے روک لینا ۔تیسرے جسم کو آسمان پر اٹھا لینا ۔اول کو نیند ،دوسرے کو موت ،تیسرے کو رفع جسمانی کہتے ہیں ۔تیسرے معنے کو مقرر کرنے کے لئے رافعک زیادہ کیا گیا (تفسیر کبیر) دوسری تفسیر بہتر اور انسب ہے ۔کہ بہت سی آیات اور صدہا احادیث اس کی تائید کرتی ہیں ۔قرآن فرماتا ہے ۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ، موتہ کی ضمیر بجانب مسیح لوٹتی ہے ۔معنے یہ ہوئے کہ سارے اہل کتاب حضرت مسیح کی موت سے پہلے ان پر ایمان لاویں گے ۔اور یہ قرب قیامت ہوگا ۔اور اگر موتہ کی ضمیر جانب اہل کتاب لوٹے ۔تو ایمان وقت نزع معتبر نہیں اس کا ذکر بیکار ہے ،دیکھو آیت لَيْسَتِ التَّوْبَةُ الآیۃ نیز فرمایا وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا جیسے گہوارے میں کلام کرنا عیسٰے علیہ السلام کا ایک معجزہ ہوا ۔اسی طرح بڑھاپے میں کلام کرنا بھی بطور معجزہ چاہیئے ۔وہ یہ ہی ہے کہ آسمان سے آ کر کریں ۔ورنہ صدہا انسان بڑھاپے میں کلام کرتے ہیں ،یہاں مقام مدح میں کیوں ذکر ہوا ۔غرضکہ مرزائی تفسیر محض بے دینی و الحاد ہے ۔حیات حضرت مسیح کی تفصیلی بحث دیکھو برق آسمانی بر خرمن قادیانی ، وغیرہ اور ہماری تفسیر نعیمی جلد سوم میں ۔

نیز یہاں رفع سے مراد مراتب کو بلند کرنا مراد لینا یہودیانہ تحریف ہے کیونکہ جب رفع کا مفعول زمینی جسم ہوں گے ،تو اجسام کو ہی اٹھانا مراد ہوگا وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ اور وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ قرآن کریم میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اگر یہاں رفع سے مراد روح یا مراتب کا بلند کرنا ہو ۔تو قتل کے منافی نہ ہوگا ۔حالانکہ بل چاہتا ہے کہ مابعد بل کا مضمون ماقبل کے خلاف ہو ۔ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔تو بلندی درجہ کا سبب ہے ،منافی نہیں ،کیونکہ شہادت سے درجہ بلند ہوتا ہے ۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور اَنْ تُرْفَعَ فِيْهَا اسْمُهٗ میں مفعول زمینی جسم نہیں اور يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ میں ذکر تعمیر ہے جو تعمیر کا اونچا کرنا چاہتا ہے ،حدیث میں ہے ۔

ثُمَّ رُفِعْتُ اِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی۔ یہاں بھی رفع جسمانی ہی ہے نہ کہ روحانی یا بلندی مرتبہ۔ نیز بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ قصر قلب ہے۔ اور اس میں یہ شرط ہے۔ کہ ایک وصف کو ملزوم نہ ہو۔ یہاں قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اور رفعت مراتب لازم و ملزوم غرضکہ اس آیت میں رفع سے مراد عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا ہے۔

عیسائیوں کے سوال کا جواب یہ ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے تابعدار حقیقی مسلمان ہیں، اور فوقیت سے مراد دینی فوقیت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شمار کی ابتدا ایک سے اور انتہا سو پر ہے لہٰذا سو خاتم الاعداد ہے جس کے پاس سو روپے ہو گئے اس کے پاس پچاس بھی ہو گئے۔ ساٹھ بھی اور دس بیس بھی۔ مگر جس کے پاس دس ہیں وہ بیس تیس وغیرہ سے محروم ہے۔ ہمارے پیغمبر خاتم الانبیا کا دامن تمام انبیا کا دامن ہے ان کی اطاعت سارے پیغمبروں کی اطاعت ہے۔ لہٰذا مسلمان ہی صحیح معنے میں عیسائی موسوی ہیں غرضکہ از آدم تا حضرت عیسےٰ علیہ السلام سب کا مطیع ہے۔ مگر جس کے پاس خاتم الانبیاء کی غلامی کا تمغہ نہیں، اس سے یہ نعمت دور ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ یعنی اے محبوب ان تمام انبیاء کی ہدایت کے آپ جامع ہو جایئے، یہ مطلب نہیں کہ آپ انبیاء کی پیروی کریں ورنہ اِقْتَدِ اھُمْ ہوتا۔ بلکہ مراد یہ ہے، کہ جو کمالات انبیاء کو فرادی فرادی دیئے گئے وہ تمام ملا کر آپ کو عطا فرمائے گئے۔ اسی لئے ضمیر واحد آئی۔

نیز فرمایا گیا اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ غرضکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے سچے مطیع صرف مسلمان ہیں۔ فوق سے مراد دینی فوقیت ہے نہ کہ دنیاوی سلطنت ورنہ اس سے پہلے صدہا سال مسلمان کی بادشاہت رہی اور اب بھی خدا کے فضل سے اسلامی سلطنتیں بہت ہیں تو کیا پہلے مسلمان حق پر تھے اور اب عیسائی ہیں یا ہندوستان کے عیسائی حق پر ہیں اور افغانستان و قسطنطنیہ کے اہل اسلام ناحق پر۔

نیز ہندوستان کے وہ چوہڑے چمار جو عیسائی ہو گئے۔ ان کو فوقیت کیوں نہ ملی، ان کی یہ حالت ہے کہ ہاتھ میں جھاڑو اور سر پر پائخانہ کا ٹوکرہ اور کپڑے دھوتا پھٹے، اور امریکہ وغیرہ ممالک کی خیرات پر ان کا گذارہ۔ یورپین عیسائیوں کے ساتھ گرجا میں نہ بیٹھ سکیں، مرجائیں تو ان کے قبرستان میں دفن نہ ہو سکیں۔ ان کے جوتا پران کو جگہ ملے۔ آخر یہ چوہڑے چمار بادشاہ کیوں نہ بنے۔

معلوم ہوا کہ فوقیت سے دینی فوقیت مراد ہے اور وہ ہمیشہ مسلمان کو ہی حاصل رہی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ رہے گی۔ وہ اس طرح کہ قبلہ اسلام کعبہ ہے اور یہود و نصاری کا قبلہ بیت المقدس۔ اب بھی جس قدر دھوم دھام اور رونق کعبہ میں ہے وہاں نہیں کعبہ کا ہر وقت طواف۔ وہاں ہر سال لاکھوں عاشقوں کا ہجوم ہے۔ ہر ملک میں جہاز کمپنیاں حج کے لیئے بنائی گئیں۔ بیت المقدس میں ہزارہا انبیائے کرام آرام فرما ہیں۔ مگر مدینہ پاک میں ایک سید الانبیاء جلوہ گر صلی اللہ علیہ وسلم۔

مگر ہجوم عاشقان جو مدینہ میں ہوتا ہے وہ کہیں نہیں۔ حج کے موسم میں چاروں راستے زائرین سے بھرے رہتے ہیں۔ اور تمام منزلیں آباد۔ تمام غرباء مساکین دلشاد نیز اسلامی کتاب قرآن کریم ہے اور یہود و نصاریٰ کی کتاب تورات و انجیل، مگر جو اشاعت قرآن کریم کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ یہ جو پیسہ پیسہ کی انجیلیں فروخت ہو رہی ہیں۔ وہ جھوٹے سچے ترجمے ہیں۔ جو عبرانی انجیل آسمان سے اتری۔ وہ گم ہو چکی قرآن اصلی رنگ میں ہے۔ وہ ہی زبان وہ ہی قرأت جو کہ جبریل امین لائے۔

قرآن ایسی محفوظ اشاعت ہے کہ اس کا رسم الخط بھی بالکل محفوظ ہے طریقہ قرأت ایسی محفوظ کہ صدہا اس کے مدارس اب بھی چل رہے ہیں۔ نیز قرآن کریم کے بے شمار حافظ، تورات انجیل اور وید وغیرہ کا ایک بھی حافظ نہیں۔ قرآن کی بے شمار تفاسیر۔ مگر ان کتب کی کوئی تفسیر نہیں۔ قرآن نے دنیا میں آکر ایک صدی کے اندر ساری دنیا میں اپنا سکہ جما لیا۔ کہ ہر جگہ پہنچ گیا۔ مگر ان کی کتب کی ایسی سست رفتار کہ اب تک بھی دنیا کا گشت نہ لگا سکیں۔ بقول ہنود وید کو دنیا میں آئے دو کروڑ سال ہوئے۔ مگر ایسی سست رفتار

کہ اتنی مدت میں ہندوستان کا پورا چکر نہ لگا سکا۔

سؤر بہت سی قومیں کھاتی ہیں، مگر گائے بکری وغیرہ مسلمان کھاتے ہیں۔ جو برکت ان میں ہے وہ خنزیر میں نہیں۔ جس قدر مارکیٹ گائے کے گوشت کے ہیں ان سے چہارم بھی خنزیر کے نہیں، اسلام نے جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے بھی عروج مل گیا۔

عیسائی بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں کہ مسیح آسمان پر ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرش پر حضرت مسیح زندہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے ہیں۔ یہ ہی سوال قادیانی مرزا بھی کرتا ہے۔ مگر یہ سوال محض جہالت ہے آسمان پر رہنا اور عمر دراز ہونا دلیل افضلیت نہیں۔ ورنہ ستارے اور درخت، برگد اور سانپ، انسان سے افضل ہوں گے۔ کہ تارے آسمان پر ہیں اور برگد اور گدھ اور سانپ کی عمریں بہت زیادہ ہیں۔ حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہے، نہ یہ آسمان پر رہتا ہے اور نہ اس کی عمر ہزار دو ہزار سال کی۔ موتی پانی کے نیچے رہتا ہے۔ اور حباب اوپر۔ مگر موتی افضل ہے سہ

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است ٭ کہ او بزیر زمین آں بہ اوج سما است
بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد ٭ حباب بر سر آب و گہر تہ دریا است

نیز ایک افسر کو سلطان نے حکومت کے انتظام کے لئے بھیجا۔ مگر رعایا نہ دبی۔ بلکہ افسر کو قتل کرنے کی تدبیر کرنے لگی۔ سلطان نے افسر کو اپنے پاس بلا لیا۔ کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر دوسرا افسر بھیجا گیا۔ جس نے تمام باغی اور سرکشوں کو تابع کر لیا، اس کو حکم دیا۔ کہ تم وہاں رہو۔ اور حکومت کئے جاؤ ظاہر ہے کہ دوسرا افسر پہلے افسر سے افضل ہوگا، کہ اس سے نظام خراب ہوا۔

حضرت مسیح کا آسمان پر جاکر عہد مصطفیٰ کی امن میں فرش پر تشریف لانا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرشی مہمان بن کر جانا۔ اور وہاں دھوم دھام ہونا پھر سرکشوں کی سرکوبی کے لئے دنیا میں واپس

آنا اور فرش پر جلوہ گر رہنا۔ ان میں بڑا فرق ہے سے

طور اور معراج کے قصّے سے ہوتا ہے عیاں * اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا پھر تشریف لانا اس میثاق پر عمل ہے کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ رب تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے عہد لیا تھا۔ کہ اگر نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ۔ تو ان کی اطاعت کرنا عیسےٰ علیہ السلام اپنے اصیل اور دوسرے سارے پیغمبروں کے دلیل ہوکر دین محمدی کی پیروی کرنے آئیں گے۔

وعظ نمبر ۲۸

حضور کی افضلیت

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ۝

اس آیت کریمہ میں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے۔ جو رب العالمین نے انبیاء کرام سے لیا اس جگہ دو تین امور قابل ذکر ہیں۔ آیت کا اصل مطلب اور واقعہ کیا ہے۔ اس میں نکات کیا ہیں۔ ان میں اعتراض کیا ہیں۔ اور ان کا جواب کیا۔

(۱) اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا تو آپ کو کوہ لبوس کے پہاڑ سراندیپ پر اتارا گیا۔ اور حضرت حوا کو مقام جدہ میں غالباً اس کو جدہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہاں دادی صاحبہ کا نزول

جو تین سو سال تک عفو خطا کے لئے گریہ زاری فرماتے رہے۔ اس زمانہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد آیا۔ جو پیدا ہونے کے وقت ساق عرش پر لکھا تھا۔ اس کے وسیلہ سے دعا کی۔ قبول ہوئی۔ یہ مراد ہے آیت فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ سے ؎

اگر نام محمد را نہ آوردے شفیع آدم ✦ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

بعد قبولِ توبہ مقام عرفات میں حضرت آدم وحوا سے ملاقات ہوئی، اسی لئے اس کو عرفات کہتے ہیں کہ یہاں حضرت آدم وحوا کی معرفت وپہچان ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان اصل میں اسلام استان ہے، کہ اسلام کے پہلے نبی یہاں آئے۔ اور حضرت شیث علیہ السلام کا مزار شریف بھی اجودھیا ضلع فیض آباد میں ہے۔ نیز علماء ومشائخ اور علم میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ رہا۔ مصنفین، فقہا، محدثین سرزمین ہند میں بے شمار پیدا ہوئے۔ لیکن اس کو ہندوستان اس لئے کہا گیا کہ ہندو کے معنے ہیں۔ چور ڈاکو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

بخال ہندوش بخشم سمرقند وبخارا را!

ستان معنے جگہ۔ معنے ہوئے ڈاکوؤں کی جگہ۔ اسلامی سلاطین غزنی سے آئے ان کے ملک میں اسلامی سزاؤں کی وجہ سے چوری وغیرہ کا نام نہ تھا۔ یہاں آکر چوری دیکھی۔ کہا کہ ڈاکوؤں کا ملک ہے۔

پھر نعمان پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ارواح نکال کران سے تین عہد لئے۔ ایک یہ کہ الست بربکم، یہ عہد تمام سے لیا گیا۔ دوسرا علماء سے کہ تم احکام الٰہیہ نہ چھپانا۔ من وعن تبلیغ کردینا۔ تیسرا انبیائے کرام سے۔ اس آیت میں اس تیسرے عہد کا ذکر ہے کہ اے گروہ انبیاء اگر دنیا میں تم اس پیغمبر آخرالزمان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔ اس میثاق کا یہ اجمالی بیان ہے۔

(۳) اس آیت میں چند نکات ہیں۔ ایک یہ کہ میثاق فرمایا نہ عہد یا وعدہ یہاں چند چیزیں قابل فرق ہیں۔

اقرار دعویٰ ۔ وعدہ ۔ عہد ۔ میثاق ، اصر ۔ گذشتہ بات کو اپنے ذمہ میں ماننا اقرار ہے ۔ جیسے اقرار قرض ۔ گذشتہ بات دوسرے کے ذمہ ڈالنا دعوےٰ کہلاتا ہے ۔ جیسے دعوئے قرض ۔ آئندہ کے متعلق کسی کے لئے کوئی شئے اپنے ذمہ میں ماننا وعدہ ہے مگر اس میں شدت نہیں زبانی وعدہ ہے یاد رہا تو پورا کر دیا ۔ ورنہ خیر ۔ اگر عہد میں حفاظت کا خیال رکھ لیا ۔ کہ لکھوا لیا یا کسی اور طرح تو وہ عہد ہے ۔ عہد کے معنے ہیں حفاظت ۔ چونکہ اس وعدہ کی حفاظت کر لی گئی ۔ اس کا نام عہد رکھا گیا ۔ اگر اور بھی زیادہ مضبوط کر لی گئی ۔ کہ گواہ بھی بنا لئے ، عہدنامہ کی رجسٹری بھی کر دی ۔ تو ہوا ۔ میثاق وثوق کے معنے ہیں مضبوطی اگر اس عہد پر کچھ بوجھ بھی ڈالا گیا ۔ کہ اگر اس وعدے کی مخالفت کی ۔ تو یہ سزا ہو گی ۔ تو ہوا اصر ۔ اصر کے معنے ہیں بوجھ اس عہد میں چونکہ بہت پختگی کی گئی تھی کہ نبیوں کی گواہی اور اس پر شاہی گواہی خود رب تعالےٰ کی ہوئی ۔ اس لئے فرمایا گیا میثاق یعنی ہم نے پیغمبروں سے وعدہ نہیں ۔ صرف عہد نہیں ۔ بلکہ میثاق لیا ۔

اَلنَّبِیّٖنَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ عہد صرف انبیاء سے تھا دوسرا یہ کہ انبیاء سے بھی تھا اور ان کی امتوں سے بھی ۔ جو لوگ اس عہد میں امتوں کو بھی شامل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کی طرف سے نمائندگی فرما کر جواب دیا ، جیسے نماز میں صرف امام قرأت کرتا ہے مگر مقتدیوں کی طرف سے نمائندہ ہو کر ، اور اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ چونکہ امتوں کو بواسطہ انبیاء کتابیں عطا ہوئیں ، اس لئے ان سے یہ خطاب کیا گیا ۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے علم میں تھا کہ ان انبیاء میں سے کوئی نبی حضور کا زمانہ نہ پائیگا پھر ان سے عہد لینا بیکار تھا ۔ ہاں ان کی امتیں نبی آخر الزمان کا زمانہ پائنگی اسلئے ان سے عہد لینا مفید ہے ۔ نیز آگے ارشاد ہے فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۰ اور انبیاء کرام سے بدعہدی ناممکن ہے کہ وہ معصوم ہیں ۔ ان نبیوں سے یہ کیونکر فرمایا جا سکتا تھا کہ جو کوئی بدعہدی کریگا ۔ وہ مجرم ہوگا ۔ جن کا خیال ہے کہ صرف نبیوں سے عہد لیا گیا

وہ فرماتے ہیں کہ النّبیّین میں امتوں کو شامل بلا دلیل ہے۔ یہ عہد اظہار عظمت مصطفیٰ کیلئے تھا۔ خواہ انبیاء کرام زمانہ پائیں یا نہ پائیں۔ مگر اس عہد لینے سے عظمت کا اظہار تو ہو گیا کہ اللہ اکبر یہ ایسے جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور ان کی رسالت کا عہد لیا۔ نیز نماز معراج میں ان کی اطاعت اور حضور کی پیشوائی کا اظہار فرمایا۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد اطاعت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے نیز یہ قضیہ شرطیہ ہے۔ جو امکان مقدمتین کو نہیں چاہتا۔ اگرچہ انبیاء سے بد عہدی ناممکن ہے، لیکن یہ فرمانے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے لئن اشرکت لیحبطن عملك۔ تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ حالانکہ بعض روحیں وہ ہیں جو ماں کے پیٹ میں آکر ہی واپس جائیں گی۔ بعض بچپن میں مرجائیں گے۔ بعض دنیا میں دیوانے ہو کر رہیں جو نہ خدا کو پہچانیں نہ نبی کو نہ احکام کے مکلف۔ بچپن کا پہچاننا شرعاً معتبر نہیں۔ ورنہ کفار کی اولاد تمام کی تمام مرتد ہوا کرے کہ مسلمان پیدا ہوئے۔ بعد میں کافر ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ نیز قرآن میں ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ غرضکہ اس عہد میں عظمت حضور کا اظہار ہے۔

اس جگہ نبیین فرمایا۔ رسل یا مرسلین نہ فرمایا۔ کیونکہ نبی رسول و مرسل سے عام ہے، عام میں خاص داخل ہے عکس نہیں۔ چونکہ محکمہ نبوت میں تمام درجوں کے افراد کو شامل کرنا منظور تھا، لہذا عام لفظ فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نبی کو نبوت مل چکنے اور کتاب و علم عطا ہو جانے کے بعد بھی حضور کا ظہور ہو جاتا، تو فوراً ان کی کتاب اور نبوت منسوخ ہو جاتی جیسے آفتاب کے ظہور پر بھی جو تارا جہاں ہو وہاں چھپ جاتا ہے۔ بیچ آسمان میں ہو یا مشرق و مغرب میں اسی طرح جو نبی جس حال میں ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری پر تمام انبیاء کی شریعتیں کیوں منسوخ ہوتی ہیں، چند وجوہ سے۔ اولاً اس لئے کہ حضور علیہ السلام اصل ہیں۔ اور سب نائب۔ اصل کے آتے ہی نیابت ختم۔ دوم اس لئے کہ تمام حضور کی چمک سے چمکے تھے۔ اور ہر چیز اپنے مرکز پر پہنچ کر قرار پا جاتی ہے جیسے دریا

سمندر پر پہنچ کر ؎ یک چراغیست کرانجمنے ساختہ اند۔

اگر عین جماعت کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آویں تو اسی وقت سے حضور امام ہیں، پہلے امام ہیں امامت منسوخ جیسا کہ حضرت صدیق کے فعل سے ثابت ہوا۔ کہ آپ امام تھے۔ حضور تشریف لائے تو فوراً آپ مقتدی ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی الانبیا ہیں۔

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ اس کلام پر انبیاء کو جواب دینے کا موقعہ بھی نہ دیا گیا۔ بلکہ فوراً فرمایا گیا کہ کیا آپ لوگوں نے اس کا اقرار کر لیا۔ اس میں چند وجوہ سے تاکید ہے، اولاً تو اس طرح کہ امر اور عہد میں فرق ہوتا ہے کہ امر کو مامور نے سن لیا کافی ہے۔ مگر عہد میں مامور کا منہ سے بولنا ضروری ہے، منہ سے بلوایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ محض امر نہیں، بلکہ اقرار ہے۔ دوم اس جگہ یہ سوال رب کے علم کے لئے نہیں وہ تو علیم ہے۔ بلکہ اظہار اطاعت انبیاء ہے۔

شاگرد استاد سے پوچھتا ہے علم حاصل کرنے کے لئے۔ استاذ شاگرد سے سبق پوچھتا ہے طالب علم کی محنت [illegible] کرنے کے لئے کبھی کسی کے سامنے استاذ امتحان لیتا ہے اس کی قابلیت لوگوں پر ظاہر کرنے کو سوم اس جگہ صرف بلیٰ نہ کہا گیا۔ بلکہ ان کے منہ سے کہلوایا۔ اقررنا زیادتی اہتمام کیلئے جیسا کہ ایجاب وقبول نکاح میں قبلت کہلواتے ہیں۔ صرف ہاں پر کفایت نہیں کرتے۔ پھر بعض انبیاء کو بعض پر گواہ بنایا۔ اور اپنی شاہی گواہی بھی مقرر فرمائی۔ اسی لئے معکم فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اصل گواہ تم ہو۔ ہم تو تمہاری گواہی پر گواہ ہیں۔ جیسے سلطان گواہ بھی ہو اور حاکم بھی۔

(۳) اس آیت میں چند سوالات ہیں، ایک یہ کہ جب یہ عہد یاد ہی نہ رہا تو بیکار ہوا۔ جواب یہ ہے کہ بیکار جب ہوتا کہ نہ کسی کو یاد رہتا۔ نہ یاد دلایا جاتا۔ مگر جب انبیاء نے یاد دلایا۔ معتبر ہوا۔ تمام محکموں میں عہد یاد دلانے کے لئے قاعدے رکھے جاتے ہیں، تحریر، رجسٹری، گواہ وغیرہ۔ تو کیا وہ عہد بیکار ہیں۔

انسان ہمیشہ پرانی بات بھول جاتا ہے، شکم مادر میں رہنا بچپن میں ماں کا پالنا کچھ بھی یاد نہ تھا۔ ماں نے یاد دلا کر حق خدمت ثابت کیا۔ ایسے ہی پیغمبروں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے سب کو یہ عہد یاد دلایا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو یہ عہد یاد ہوتا ہے اسی عہد پر قائم ہوتا ہے اسی لئے خاموش ہوتا ہے اور عالم ارواح سے آنے پر گریہ زاری کرتا ہے۔ یا مسِ شیطان سے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند ❊ واز جدائی ہا شکایت مے کند!

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت سے حضور کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے اَلنَّبِیِّیْنَ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیْثَاقَہُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ الآیۃ (احزاب) معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء سے عہد لیا گیا۔ کہ اگر تم کسی نبی کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔ اور حضور علیہ السلام سے بھی عہد لیا گیا کہ اگر آپ کسی نبی کا زمانہ پائیں، ان پر ایمان لائیں۔ لہٰذا اس آیت سے افضلیت حضور ثابت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے دو لفظ بتا رہے ہیں، کہ یہ عہد حضور سے نہیں تھا، بلکہ حضور کے لئے تھا۔ اول تو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ دوسرا لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ، کیونکہ ما عموم کے لئے ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ساری کتابوں کی تصدیق کرنے کوئی نبی نہ آیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں۔ جمیع انبیاء اپنے ہم زمانہ اور اگلے انبیاء کے مصدق تھے اور پچھلوں کے مبشر۔ حضور کسی نبی کے مبشر نہیں۔ کہ بشارت تو آئندہ نبی کی ہوتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے آخری نبی ہیں ثابت ہوا کہ اس عہد میں حضور علیہ السلام داخل نہیں۔ نیز ہم زمانہ نبی اپنے ہم زمانہ دوسرے نبی کے وزیر تھے۔ جیسے حضرت یحییٰ و حضرت ہارون، حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے وزیر تھے، اور وزیر سے سلطان اعلیٰ ہے۔ مگر یہاں تو حضور پر ایمان لانا ضروری ہے یہ بات صرف حضور ہی میں ہے کہ سب کے مصدق ہیں اور سب کے امام۔ خود فرماتے ہیں لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَّا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔

نیز معترض کے قول پر دور لازم آتا ہے کہ دو ہم زمانہ نبی ایک دوسرے سے افضل ہوں۔ کہ ان میں سے ہر ایک کو حکم ہوگا۔ کہ دوسرے نبی پر ایمان لاؤ اور اس کے مومن بنو۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ خدا کے علم میں تھا۔ کہ ان تمام گروہ انبیاء میں سے کوئی حضور کا زمانہ نہ پاوے گا۔ پھر عہد لینے سے کیا فائدہ ۔

اس کے دو جواب تو وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں یہ قاعدہ ہے، کہ اگر موقعہ ملے اور شرائط وجواب پائے جاویں تو عمل ضروری ہے ۔ ورنہ ان کا اعتقا لازم۔ زکوٰۃ و حج وغیرہ کے شرائط پورے ہوں۔ تو ان پر عمل کرو۔ ورنہ صرف اعتقاد فرضیت کافی معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں ۔ ۴۵ نمازیں عمل سے پہلے ہی منسوخ ہو گئیں۔ امہات المومنین کا مسلمانوں پر حرام ہونا صرف عقیدۃً رہ گیا۔ ورنہ اس پر عمل اب ناممکن ہے، کیونکہ ہم ان کے صدیو بعد پیدا ہوئے۔

اسی طرح آیات منسوخہ پر عقیدے رکھنے اور تلاوت کے لئے باقی رکھی گئیں ورنہ حکم منسوخ ۔ اسی طرح جن انبیاء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا۔ وہ اس عقیدے پر قائم کر دیئے گئے۔ کہ اگر ہم ان کا زمانہ پاتے ایمان لاتے اور تمامی امم کے لئے حضور علیہ السلام کی عظمت اور نبی الانبیاء ہونے عقیدہ ضروری ہوگیا۔ اسی لئے تمام کتب میں اس واقعہ کا ذکر ہوا غرضکہ تھا تو یہ حلف وفاداری ہو

سبحان اللہ اس حلف کا مضمون کیسا پیارا ہے ۔ وہ نظارہ قابل دید ہوگا انبیاء کا مجمع ہے ۔ سامنے ممبر پر ایک سیاہ گیسو والا محبوب جلوہ گر ہے رب تعالےٰ اس مقدس گروہ سے عہد وپیمان لے رہا ہے کہ اے جماعت پیغمبر ہم نے تمہیں نبوت کی امانت کے لئے منتخب کیا ہے ۔ تمہارے سر رسالت کا تاج رکھیں گے۔ اپنے بندوں سے تمہارا کلمہ پڑھوائیں گے۔ مگر ہم سے ایک عہد کرو وہ یہ کہ دیکھو تمہارے سامنے کالی کالی زلفوں والا ہمارا پیارا جلوہ گر ہے ۔ اسے پہچان لو۔ جب دنیا میں

تمہارا ڈنکہ بج رہا ہو۔ منبروں پر تمہارے خطبے پڑھے جارہے ہوں۔ تمہارے ماننے پر لوگوں کی نجات کا مدار ہوگا۔ عین اسی عروج کی حالت میں اگر یہ محبوب دنیا میں جلوہ گر ہو جاوے تو تم اس پیارے پر ایمان لانا۔ ان کی خدمت کرنا۔ جواب کا موقعہ نہ دیا، فرمایا کہو، اقرار کرتے ہیں اس بوجھ کو اٹھاؤ گے۔ سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔ مولے! اقرار کرتے ہیں، فرمایا اچھا۔ آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسے علیہم السلام پر اور یہ حضرات ان پر اور تمہاری گواہی پر ہماری شاہی گواہی ہے۔ سبحان اللہ۔

وعظ نمبر ۲۹

فضائل کعبہ کا بیان

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۚ فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ ۚ وَ مَنۡ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ

اس آیت کریمہ میں تین امور قابل غور ہیں۔ اس کا تعلق گذشتہ آیات سے کیا ہے؟ اس کا نزول کس موقعہ پر ہوا؟ اس سے مسلمانوں کو کیا سبق ملا؟

(۱) گذشتہ آیت میں ذکر ہوا تھا لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۚ جس سے معلوم ہوا کہ رضائے الٰہی اور قرب الٰہی پیاری چیزوں کے خرچ سے ہی ہوتی ہے۔ جان، مال، اولاد، ہر چیز خرچ کرو سے

ہرچہ داری صرف کن در راہ او ٭ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا!

اور حج میں محبوب مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ اور جان بھی، کہ ترک آرام، ترک وطن ترک اولاد سب
ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے حکم حج، حکم صدقہ کے بعد فرمایا گیا نیز اس سے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا ذکر ہوا۔ اب کعبہ کا یعنی بانی کے بعد بنا کا ذکر۔ غرضکہ آیت پوری طرح ماقبل سے تعلق رکھتی ہے۔
(۲) تحویل قبلہ کے وقت یہود و نصاریٰ نے شور مچایا۔ کہ افضل قبلہ یعنی بیت المقدس کو چھوڑ کر
ادنے قبلہ کعبہ کو اختیار کیا۔ اس لئے کہ دنیا کا پہلا گھر بیت المقدس ہے انبیائے کرام کا ہجرت گاہ۔
رسولوں کا آرام گاہ ہے یہ ہی محشر کے قیام کی جگہ ہے، کعبہ معظمہ میں یہ صفات نہیں۔ پھر افضل کو
کیوں چھوڑا۔ افضل قبلہ کی طرف نماز بھی افضل ہوتی ہے۔
یہاں ان تمام دلائل کا جواب نہایت متانت سے دیا گیا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ میں پہلے اعتراض
کا جواب ہے اور فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ میں باقی کا، یعنی پہلا گھر جو دنیا میں بنا وہ کعبہ ہی ہے۔ کعبہ
کی اولیت چند طرح ہے، اولاً تو اسی جگہ سے زمین بنی۔ پانی پر یہاں ہی جھاگ پیدا ہوئی، پھر آسمان بنا
پھر اس جھاگ کو پھیلایا۔ یہ جھاگ ہی اصل زمین ہے اسی لئے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو امی یعنی کی کہتے ہیں، کہ ماں کی طرح یہ شہر دنیا کی اصل ہے اور باقی دنیا اولاد کی طرح فرع۔
دوم، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے دو ہزار سال پیشتر زمین کے فرشتے
یعنی ملائکہ مدبرات امر جو زمین کے انتظام کے لئے یہاں مقیم تھے۔ زیارت اور حج کے لئے اس جگہ انہوں
نے بحکم الٰہی عمارت بنائی مقابل بیت المعمور کے (روح البیان) یہ ہی مقام، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے
طواف اور عبادت کے لئے جنت سے ایک مقام آیا۔ جو طوفان نوحی میں اٹھا لیا گیا۔ سوائے سنگ
اسود کے (بخاری) پھر ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی یہاں عمارت بنائی اور یہ کعبہ انہیں کا کہلایا۔ نیز
یہ جگہ بالکل وسط میں ہے۔ اسی لئے کعبہ کو ناف زمین بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نیز تفسیر حقانی
نے بقاعدہ علم ہندسہ ثابت کیا کہ کعبہ معظمہ دنیا کے بالکل بیچ میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیت المقدس

کی تعمیر کعبہ سے چالیس سال بعد میں ہوئی، پھر زمانہ سلیمانی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں جنات نے تعمیر کیا۔ قرآن کریم میں ہے۔ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ (روح البیان) بیت المقدس کو بنانے والے جنات، بنوانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام۔ مگر کعبہ معظمہ کی تعمیر کا آمر اللہ اس کے انجینیر حضرت جبریل، روح اللہ اور تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ، ان کے مددگار ذبیح اللہ۔ اس کو آباد فرمانے والے حبیب اللہ محمد رسول اللہ علیہم السلام، لہٰذا سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ تعمیر کیسی ہوگی یہود کے پہلے اعتراض کا جواب تو اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ میں دیا گیا باقی کا فِیْهِ اٰیٰتٌ میں۔ بیشک بیت المقدس آرام گاہ انبیاء ہے۔ مگر مکہ مکرمہ ولادت گاہ سید الانبیاء اور پایۂ تخت وہ ہی ہے۔ جہاں بادشاہ رہے اگرچہ دیگر وزراء، وحکام اور جگہ اجتماع ہو بے شک ملک شام محشر کی جگہ ہے۔ مگر دنیا کی ابتداء یعنی روحوں سے میثاق لینا، حضرت آدم وحوا کی ملاقات یہاں کعبہ عرفات میں ہوئی تو عالم انسانی کے ابتدائی واقعات حجاز میں ہوئے اور انتہائی بیت المقدس میں ہونگے اور عید اعظم ہونا چاہیئے۔ سلطنت ملنے کی خوشی منائی گئی ہے نہ کہ ختم ہونے کی۔

بکہ کے معنی ہیں ہجوم یا گردن کچلنا اول معنی سے مکہ مکرمہ کو اس لئے بکہ کہتے ہیں کہ یہاں حاجیوں کا ہجوم ہوتا ہے ثانی اس لئے کہ جو اس پر حملہ کرے اس کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اصحاب فیل مگر حجاج اور یزید اس لئے ہلاک نہ ہوئے کہ انہوں نے کعبہ پر حملہ نہ کیا تھا۔ بلکہ حضرت عبداللہ ابن زبیر و اہل مکہ پر خانہ کعبہ دنیاوی لحاظ سے اس طرح مبارک ہے کہ باوجود کھیتی نہ ہونے کے وہاں ہر چیز ملتی ہے اور سب پھل پہنچتے ہیں۔ دینی لحاظ سے اس طرح کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے۔ غرضیکہ دنیاوی و دینی برکتوں کا مرکز ہے۔

اس کعبہ معظمہ میں اتنی خصوصیات اور آیات ہیں۔ یہاں مقام ابراہیم ہے۔ جس نے حضرت خلیل کے قدم اپنے میں محفوظ کئے۔ اس کا حرم ہے یہاں تا قیامت حج ہوتا رہے گا۔ یہاں امن ہے

یا تو دجال سے یا وبائی امراض سے یا جذام سے یا عذاب الٰہی سے یا قاتل کو قصاص سے یا شکاری جانوروں کو شکار سے اور خود رو درختوں کو کاٹنے سے۔ یہاں تک کہ اس مقام حرم میں ہرن اور گرگ ایک جگہ آرام کرتے ہیں۔ جانور باہر سے بھاگتا آتا ہے مگر یہاں آکر بے خوف ہو جاتا ہے۔
نیز پرندے صف باندھ کر اوپر خانہ کعبہ کے نہیں گزرتے۔ بلکہ داہنیں بائیں پھٹ جاتے ہیں جو پرندہ بیمار ہو۔ وہ اس پر آکر بیٹھتا اور شفا حاصل کرتا ہے۔ حضرت ذبیح اللہ کی سخاوت کا زمزم یہاں سے دنیا بھر میں پہنچتا ہے۔ جس میں امراض سے شفا ہے۔ مختلف اوقات میں اس کی مختلف لذتیں ہیں اور برتن میں بند رہ کر بگڑتا ہے ان میں سے ایک بات بھی بیت المقدس میں نہیں نیز یہاں سنگ اسود ہے۔ جو جنتی پتھر ہے۔
(۳) اس سے چند امور معلوم ہوئے ایک یہ کہ کعبہ معظمہ لوگوں کا مقام حج ہے مگر قبر انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ کا مقام حج۔ یہاں ایک سال میں ایک بار فرشی حج کرتے ہیں۔ مدینہ پاک میں ہر تاریخ کو دو بار عرشی حج کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے صبح و شام ستر ہزار فرشتے درود و سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ جو ایک بار آ گئے وہ قیامت تک دوبارہ نہیں آ سکتے۔ میزاب رحمت بالکل روضہ کے مقابل ہے۔ وہ بھی حاجیوں کو مدینہ کا راستہ دکھا رہا ہے جیسے گلی کی دوکان کو سڑک پر لکڑی کا ہاتھ دکھاتا ہے گویا کعبہ حاجیوں کو اشارہ کر رہا ہے۔ کہ گھر تو دیکھ لیا۔ دیکھو دولہا وہ مدینہ میں سو رہا ہے ؎

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا ؎ میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

نیز دینادی معاملات میں کسی کی رعایت کرنا ضعف ایمانی ہے اگر کوئی اپنی ذات یا اپنے گھر یا اپنی کسی چیز کو ہماری ذات یا گھر وغیرہ سے اچھا کہے۔ ہم اس سے نہ لڑیں گے۔ لیکن اگر اپنے دین سے یا اپنے نبی کو ہمارے نبی سے افضل کہے۔ تو اس پر خاموش ہونا جرم ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو کعبہ سے افضل کہا جواب دیا گیا کہ ہرگز نہیں کعبہ افضل ہے۔

قادیانی جو زمین قادیان کو حرم سے بڑھ کر جانتے ہیں کہتے ہیں۔

زمین قادیاں اب محترم ہے ٭ یہاں کی ہر گلی رشک حرم ہے

بے ایمان ہیں کہ جب بیت المقدس جہاں ہزارہا انبیاء آرام فرما ہے ہیں وہ زمین مکہ سے نہ بڑھی تو زمین قادیاں جہاں دجال قادیان پیدا ہوا کس طرح حرم کے مقابل ہو سکتی ہے۔ نیز قادیانیوں نے قادیان میں بہشتی مقبرہ بنایا جس میں قبروں پر روپیہ وصول کرتے ہیں اور مثل نوجہ جنت فروخت کرتے ہیں بے دین ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں جیسے تمام اسلامی چیزوں کا ماننا ضروری ہے اسی طرح ان میں فرق مراتب بھی ماننا لازم ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ گر فرق مراتب نہ کنی۔ زندیقی جو شخص تمام انبیاء کو درجہ میں برابر مانے وہ اور جو کسی نبی کو حضور علیہ السلام سے بڑھ کر مانے دونوں بے دین ہیں۔ اسی طرح مراتب صحابہ میں اگر کوئی کسی صحابی یا اہل بیت کو حضرت صدیق سے افضل یا برابر مانے گمراہ ہے بلکہ ترتیب یہ ہے۔ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِالتَّحْقِیْقِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِیٌّ ثُمَّ د ثُمَّ جیسے بیت المقدس کو کعبہ سے افضل ماننے والا بے دین ہے ایسے ہی صحابی کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بڑھ کر ماننے والا گمراہ ہے۔

پھر جیسے بیت المقدس اور خانہ کعبہ میں ترتیب ہے۔ اسی طرح خود مسجد حرام شریف کے مقامات میں بھی ترتیب ہے۔ کہ مطاف شریف خود زمانہ نبوی میں مسجد تھا۔ وہ باقی حصہ سے جو بعد میں مسجد میں ملایا گیا۔ افضل ہے۔ حطیم شریف سب سے افضل ہے کہ جز کعبہ ہے۔ مسجد نبوی میں منبر اور روضہ پاک کا درمیانی حصہ باقی سے افضل کہ جنت کی کیاری ہے۔ اور وہ حدود مسجد جو بزمانہ نبوی میں تھے۔ اس سے افضل ہیں۔ جو بعد ملائی گئی۔ پھر جتنا روضہ سے قرب اتنا درجہ زیادہ دوسری مساجد میں صف کا داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے مگر مسجد نبوی میں بایاں حصہ داہنے سے بڑھ کر کیونکہ روضہ پاک بائیں جانب

ہے۔ جیسے دل بائیں پہلو میں ہے۔

بقیہ مسجد میں بھی ترتیب ہے۔ سب سے افضل مسجد کعبہ پھر مسجد نبوی پھر اپنے شہر کی جامع مسجد پھر مسجد بازار اور مسجد میں بھی سب سے بہتر امام کی جگہ ہے۔ پھر امام کے پیچھے پھر صف اول کا سیدھا حصہ پھر بایاں پھر دیگر صفوف۔ اور نماز جنازہ میں سب سے آخری صف افضل ہے پھر امام کے قریب۔ دیکھو شامی وغیرہ۔

جن چیزوں میں شریعت نے ترتیب نہ رکھی ہو۔ ان میں اپنی طرف سے ترتیب ایجاد کرنا سخت برا ہے۔ بلکہ ان سب کو بغیر ترتیب مانو۔ شامی باب الکفارۃ وغیرہ میں ایک بحث کی کہ خاتون جنت افضل ہیں یا صدیقۃ الکبریٰ۔ مگر فیصلہ کیا کہ سب کو مانو۔ ایک آقا کی لخت جگر ہیں۔ دوسری آقا کی محبوب ہم کو ان میں ترتیب پیدا کرنا کیا ضروری۔ اسی طرح چشتی قادری وغیرہ سلسلوں میں افضلیت پر بحث کرنا محض حماقت ہے۔ چاروں سلسلے ایک سمندر کے چار دریا ہیں۔ جس دریا میں اپنی کشتی ڈال دی سمندر میں پہنچو گے۔

ہاں اگر کسی تالاب میں کشتی ڈال دی۔ یعنی منقطع السلسلہ پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو سمندر مصطفائی میں نہ پہنچ سکو گے۔ اسی طرح اولیاء یا علماء میں اپنی طرف سے فرق مراتب ایجاد کرنا بیکار ہے۔ امام ابوحنیفہ اور غوث الاعظم رضی اللہ عنہما میں فرق مراتب مفید نہیں کہ یہ دونوں حضرات ایک محکمہ کے افسر نہیں۔ وہ اپنے محکمہ علماء کے سردار یہ اپنے محکمہ اولیاء کے افسر۔ اولیاء اور مشائخ کو علماء کی شاگردی کی ضرورت ہے۔ اور علماء کو مشائخ کی حاجت۔ کلکٹر اور سول سرجن میں تقابل صحیح نہیں، کہ ان کی لائن اور محکمہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس کا خیال ضروری ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے اس لئے افضل ہے کہ وہ سب سے پہلے بنا۔ وہاں کعبہ مقام ابراہیم اور سنگ اسود وغیرہ ہے۔ اسی طرح عشاق کی نظر میں شہر مدینہ شہر مکہ سے

افضل ہے۔ کیونکہ کعبہ مقام ابراہیم، عرفات۔ منیٰ۔ وغیرہ برات میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس برات کے دولہا ہیں۔ جن کے دم کی یہ برات ہے کہ میں اللہ کا گھر ہے۔ مدینہ میں اللہ کا نور ہے۔ مکہ میں پہلا گھر ہے۔ مدینہ میں پہلا نبی ہے۔ جن کی نبوت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے ہے۔ مکہ کو خلیل اللہ نے آباد کیا۔ مدینہ کو حبیب اللہ نے بسایا۔ مکہ میں بی بی ہاجرہ سو رہی ہیں۔ مدینہ میں بی بی فاطمہ و عائشہ آرام فرما رہی ہیں مکہ میں سالانہ فرشیوں کا حج ہوتا ہے۔ مدینہ میں سالانہ عرشیوں۔ یعنی فرشتوں کا حج ہوتا ہے۔ مکہ کی طرف کھچ کر دنیا کے پھل آتے ہیں۔ مدینہ کی طرف کھچ کر شام کی زمین لائی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ مکہ کی طرف مومنین کے سر جھکتے ہیں۔ مدینہ کی طرف عاشقوں کے جان و مال و دل جھکتے ہیں۔

حصّہ دوم

مواعظ نعیمیہ

وعظ نمبر ۳۰

اُمتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

اس آیت کریمہ میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق گزشتہ آیات سے کیا ہے دوم یہ کہ اس کا شان نزول کیا ہے۔ سوم یہ کہ اس سے احکام کیا معلوم ہوئے۔ چہارم یہ کہ اس پر اعتراض وجواب کیا ہیں۔

(۱) گزشتہ آیتوں سے دو طرح اس کا تعلق ہے۔ پہلے فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں بعض منہ کالے اور بعض سفید چمکدار ہوں گے۔ کالے منہ کفار کے ہوں گے اور چمکدار منہ والے رحمت الٰہی میں ہوں گے۔ مگر یہ نہ بتایا گیا کہ کن کے منہ روشن ہوں گے۔ یہاں ان کو بتادیا گیا کہ اے امتِ مصطفیٰ تم بھی ان میں سے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں مسلمانوں کے منہ اجالے اور کافروں کے منہ کالے ہوں گے۔ اور کیوں نہ ہو یہ لوگ دنیا میں نور کے ساتھ رہے تھے۔ اور کفار اندھیرے میں اس سیاہی اور سفیدی کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے رنج وخوشی کا اور مرض وصحت

ورضاء وناراضی کا اثر منہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کفر وایمان کا اثر بھی بروز قیامت منہ پر ظاہر ہوگا گویا منہ قلب کا آئینہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان آقا کے غلام ہیں اور کفار دشمن۔ روز قیامت انبیائے کرام خصوصاً سید الانبیاء علیہم السلام کی عظمت کے ظہور کا دن ہوگا۔ دوستوں کے منہ تو آقا کی عظمت دیکھ کر خوشی سے چمکیں گے۔ مگر کافر جل جائیں گے۔ اور حسد میں منہ کالے ہونگے۔ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ مومن کی سفیدی چند طرح کی ہوگی۔ ایمان کی، وضو کی جس سے چہرہ اور اعضائے وضو چمکیں گے۔ مگر بعض لوگ سراپا نور۔ دوسرا تعلق یہ کہ گزشتہ میں فرمایا گیا۔ ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر جس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ فرض کفایہ ہے جو علماء کے ذمہ ہے، اب فرمایا گیا اے مسلمانو تم پر بھی تبلیغ ضروری۔ تم میں سے ہر شخص مبلغ ہونا چاہیے۔ وہاں تبلیغ سے مراد جمیع احکام دین کی تبلیغ تھی۔ کہ یہ کام علماء کے سوا ہر شخص نہیں کر سکتا۔ یا اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینا مراد تھا۔ اسلام کی اور اپنے معلوم مسئلہ کی تبلیغ ہر شخص پر فرض ہے۔ ہر مسلمان اسلام کا مبلغ ہے۔ رہی وہ آیت لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ اس میں تبلیغ کی نفی نہیں بلکہ وہاں مقصود یہ ہے کہ مبلغ اپنی فکر بھی رکھے۔ یا یہ کہ اولاً فرض یعنی تبلیغ کے بعد میں اس فکر میں پریشان نہ ہو کہ میری تبلیغ پر کافر مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ فرض ہے کہ تبلیغ بھی ہدایت میں داخل ہے۔ لہذا ان تینوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ سمجھ کی غلطی ہے۔

۲۔ مالک ابن صیف اور وہب ابن یہودا نے حضرت اُبی ابن کعب و دیگر مومنین اہل کتاب سے کہا کہ تم نے غریب الوطن مہاجرین اور ان کے مفلوک الحال میزبانوں یعنی انصار کے پاس کیا دیکھا کہ ہم سے ٹوٹ کر ان سے رشتہ اخوت جوڑا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دین اسلام خیر ادیان ہے اور قوم مسلمان خیر اقوام بانیٔ اسلام سید الانبیاء ہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ یہودیت تمام دینوں سے افضل ہے۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کو فرمایا وَفَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ اس پر یہ آیت اتری۔ اور

قرآن کریم نے ان کا فیصلہ فرمادیا۔ اس آیت کا یہ ہی شان نزول ہے۔

(۳) اس آیت میں تین چیزیں قابل غور ہیں۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (الآیۃ) کُنتم کے معنی ہیں تھے تم یا ہو تم یا ہوگے۔ تم یا تھے بھی اور ہو بھی اور ہوگے بھی تھے تم یا تو لوح محفوظ میں یا پچھلی کتابوں میں جیسا کہ روایت مشہور ہے۔ کہ قلم نے بحکم رب تعالیٰ تمام امتوں کے احوال لکھے۔ مگر اس امت کے لئے ارشاد ہوا تَاَدَّبْ یَا قَلَمْ لکھ دے اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ امت گنہگار اور رب غفار ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے فضائل دیکھ کر تمنا کی تھی کہ خدایا مجھے بھی امت مصطفٰے سے بنا۔ اور ہوگے سے مراد بروز قیامت ہونا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت چند وجوہ سے تمام امتوں سے بہتر ہے۔ ایک یہ کہ اس کے لئے اعمال تھوڑے ثواب زیادہ۔ بنی اسرائیل ہزار ماہ عبادت کرے۔ اور مسلمان شب قدر میں۔ مگر ثواب مسلمان زیادہ پائے۔ دوسرے اس اُمت کے اعمال آسان۔ ان کے سخت۔ ان کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ۔ اُن کی زکوٰۃ چوتھائی مال۔ ان کی نماز ہر جگہ جائز ہے۔ اُن کی نماز صرف عبادت خانوں میں تھی۔ اُن کی توبہ صرف قتل نفس وغیرہ سے ہوتی تھی۔ ان کی توبہ صرف اقرار زبانی اور شرمندگی دل سے۔ ان کا بدن یا کپڑا ناپاک ہو تو کاٹنا ضروری تھا مسلمان کا کپڑا یا بدن صرف پانی پاک کر دے، دودھ اور تیل بھی پاک ہو جائیں۔ ان پر مال غنیمت حرام تھا ہم پر حلال ہے۔

شب کفار اور بنی اسرائیل کے عیوب دنیا و آخرت میں ظاہر۔ مسلمان کے چھپے۔ اگر کوئی بنی اسرائیل میں گناہ کرتے۔ صبح کو دروازے پر دست قدرت سے لکھا جاتا تھا، وہ کب سے گزر گئے۔ مگر ان کے عیوب بذریعہ قرآن کریم رہتی دنیا تک مشرق و مغرب میں ہر زبان پر رہیں گے۔ قیامت میں بھی ان کے مجرموں کو ندا دے کر پکارا جائے گا، مگر اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی آسمانی کتاب آنے والی نہیں اس لئے ان کے عیوب مشہور نہ ہوں گے۔ قیامت میں اسی طرح خاموشی سے۔

مجرموں کا حساب ہوجائے گا۔ کہ کسی کو خبر نہ ہوگی۔ اس اُمت میں اولیاء و علماء کا تا قیامت سلسلہ قائم ہے۔ اُن میں نہیں تھا۔ علماء اُمت مثل انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ غرضیکہ ہر طرح یہ امت دیگر اُمتوں سے افضل۔

نیز یہ خیرُ الرسل کی اُمت ہے۔ جن کے اُمتی انبیاء بھی ہیں اسکا دین خیرالادیان ہے۔ یعنی اسلام اس کے اول میں خاتم النبیین ہیں اور درمیان میں امام مہدی، آخر میں خاتم الاولیاء یعنی حضرت مسیح ہیں۔ نیز اس کا وجود بقائے عالم کا ذریعہ ہے کہ جب امت مسلمہ نہ ہوگی۔ قیامت آجائے گی۔ جیسے ستارے آسمان کے لئے ذریعہ بقا ہیں۔ اسی طرح مسلمان اہل زمین کے لئے بقاء کا ذریعہ ہیں جب تارے ٹوٹ جائیں گے۔ تب آسمان پھٹ جائے گا۔ اسی طرح جب مسلمان نہ رہیں گے۔ تب زمین بھی ختم ہوجائے گی۔

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے تین معنی ہیں۔ ناس سے یا تو مراد انبیاء ہیں روز قیامت پچھلے نبیوں کی گواہی اُمت مصطفیٰ دے گی۔ اور اس اُمت کی سچائی اور ثقہ ہونے کی گواہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا اس جگہ شہید بمعنے رقیب ہیں۔ اس لئے یہاں علےٰ آیا، ورنہ شہادت علےٰ زید کے معنی ہیں زید کے خلاف گواہی دینا۔ معلوم ہوا کہ حضور اپنے ہر اُمتی کے ہر حال سے ہر وقت واقف ہیں۔ ورنہ اُمت کی توثیق کس طرح فرمائیں۔ گواہ مدعی کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خاص کر گواہ شاہی لہٰذا مسلمان تمام انبیاء کو پیارے اور محبوب ہیں کہ اسی امت کے ذریعہ قیامت میں انبیاء کا مقدمہ فتح ہوگا۔ یا اَلنَّاس سے مراد کفار ہیں، تو معنے ہوئے کہ تم کو تبلیغ کفار کے لئے یا کفار پر بادشاہت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ النَّاس سے تمام لوگ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سب کے نفع کے لئے تم پیدا ہوئے تمہاری بقاء سے سب کو بقا ہے۔ جب تم نہ ہو گے تو کوئی نہ ہوگا۔

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کا مقصد یہ ہے کہ جب تم خیر ہو تو ضروری ہے کہ خیریت سے رہو اور خیر کام کرو کہ تم تمام اُمتوں کے اُستاد ہو۔ تم بھی اچھے کام کرو۔ اوروں کو بھی خیر کا حکم کرو۔ کہ واعظ اگر خود عامل نہ ہو۔ تو وعظ میں اثر نہ ہوگا۔ یہ تو واعظ کو حکم ہے مگر سننے والے کو چاہیئے کہ اگر واعظ بے عمل بھی ہو۔ جب بھی اس کی اچھی بات قبول کرے بزاز اگر خود بُرے کپڑے پہنے ہے پرواہ نہ کرو۔ قیمت یعنی اعتقاد دو اور مال لو۔ بے عمل عالم اندھے چراغ والے کی طرح ہے کہ اگرچہ وہ خود اس سے نفع نہ لے۔ مگر لوگوں کو اس سے نفع ہو جائے۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ آخر میں اس لئے فرمایا گیا کہ تبلیغ وہ ہی کر سکتا ہے۔ جس کا بھروسہ اللہ پر ہو۔ اہل دنیا سے خوف کرنے والا حق نہیں کہہ سکتا۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ اس کے دو۲ مطلب ہیں۔ ایک وہ جو حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو دو۲ گنا ثواب ملتا ہے۔ ایک تو وہ غلام جو رب تعالیٰ کی عبادت اور اپنے مولےٰ کی اطاعت کرے۔ دوسرے وہ شخص جو تمیہ لونڈی کو ادب سکھا کر آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے، تیسرے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو جائے۔

یا یہ مراد کہ اہل کتاب آمدنی کم ہونے کے خوف سے ایمان سے رکتے تھے ان سے فرمایا گیا کہ ان کو محض دھوکا ہے۔ ایمان لا کر کوئی پریشان نہیں ہوتا، رزاق تو ہم ہیں بجنور میں انارکلی لاہور کے نو مسلم وکیل نے جو کہ لالہ لاجپت رائے کے بھتیجے ہیں بیان کیا کہ لندن میں میں مائل بہ اسلام ہوا۔ خود مسلمانوں نے مجھے بہکایا کہ تم اسلام لا کر اپنی موروثی میراث سے محروم ہو جاؤ گے۔ ایک شب میں زیارت سرکار سے مشرف ہوا، فرمایا کہ تو قدم تو بڑھا دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ میں صبح سویرے مشرف بہ اسلام ہوا، بڑے مزے سے گزر رہی ہے۔ میں ہندوؤں کے بڑے گھرانے کا بیٹا ہوں۔ مسلمان ہو کر اگرچہ اپنی موروثی جائیداد سے محروم ہو گیا مگر رب کا فضل ہے، دو چار نوکر رکھتا ہوں بڑے مزے سے گزارا ہو رہا ہے۔

۴۔ یہاں اعتراض دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس آیت نے جو وعدہ کیا کہ مسلمان خیر گروہ اور دنیا کے اُستاد ہیں۔ بادشاہت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں وہ پورا نہ ہوا۔ فی زمانہ مسلمان ان نعمتوں سے کوسوں دور ہیں۔ دوم یہ کہ نا ممکن ہے کہ جو خدا چاہے وہ نہ ہو، خدا نے چاہا کہ مسلمان عالم کے استاد ہوں مگر نہ ہوئے۔ بادشاہ ہوں مگر نہ ہوئے۔ اوّل کا جواب یہ ہے کہ تمام باتیں ایمان سے مشروط تھیں ایمان میں ضعف ہوا۔ شرط معدوم ہوئی۔ یہ اشیاء بھی ختم اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا ٭ جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے چلنا چھوڑ دیا

دوم کا جواب یہ ہے کہ کسی صانع نے کسی چیز کو کسی کام کے لئے بنایا مگر لوگوں نے اسے غلط استعمال کیا۔ تو قصور استعمال کرنے والوں کا ہے نہ کہ صانع کا۔ جوتا کوئی سر پہ باندھ لے تو قصور بنانے والے کا نہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یہاں رب کا ارادہ مراد نہیں ہے بلکہ حکمت الٰہیہ کا ذکر ہے، ارادہ کا خلاف منع ہے نہ کہ حکمت کا۔

مسلمان اسی لئے پیدا ہوا کہ حضور کا غلام رہ کر دنیا کا تاجدار رہے اگر مسلمانوں نے یہ نہ کیا تو ان کا اپنا قصور ہے۔

وعظ نمبر ۲۱

میلاد شریف کا بیان

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

رب العالمین نے اس آیت کریمہ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک بیان فرمایا۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ سرکار کی تشریف آوری تو سب کو معلوم ہو چکی تھی۔ بلکہ مسلمان نے تو انہیں مان کر قرآن کو پہچانا۔ پھر جانی مانی ہوئی چیز قرآن کریم نے کیوں بتائی۔ نیز تین چیزیں اور بھی قابل غور ہیں جآء کُمْ سے مراد کیا ہے مِنْ اَنْفُسِکُمْ کا مطلب کیا۔ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ سے فائدے کیا حاصل ہوئے۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کے نکات کیا ہیں۔

ا۔ تشریف آوری کی خبر دینے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک تو حضور علیہ السلام کی شان کا اظہار۔ دوسرے مسلمانوں پر احسان۔ جب حکومت کا وزیر خاص کہیں بھیجا جاتا ہے۔ تو اس کی خبر پہلے دی جاتی ہے۔ وہاں پہنچنے پر دھوم مچ جاتی ہے کہ وہ آگئے وہ آگئے۔ آمد محبوب سے پہلے جو نبی تشریف لائے حضور کی بشارت دیتے۔ ان کی دعائیں مانگتے، ان کے گن گاتے آئے، گزشتہ کتابوں نے آمد کی دھوم مچائی۔ آخری کتاب نے قیامت تک کیلئے اُن کی تشریف آوری کی دھوم مچا دی کہ نمازی نماز میں، قرآن خوانده تلاوتِ قرآن میں ان کا میلاد خواں رہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسلام کی ہر عبادت میں میلاد ہے۔

مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ وہ محبوب سے مشرف ہوئے۔ ورنہ پچھلی امتیں اور ان کے نبی تمنائیں ہی کرتے رہے۔ ہر نمازی نماز میں میلاد پڑھتا ہے کہ جماعت میں قیام بھی ہوتا ہے الحمد بھی ہاتھ باندھے صف بستہ قیام بھی کرتا ہے اور ذکر آمد محبوب بھی، یہ ہی میلاد کی حقیقت ہے، کلمہ میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، رسول کے معنے ہیں بھیجے ہوئے بھیجنا چاہتا ہے آمد کو، لہٰذا یہاں بھی آمد کا ذکر ہے کون سی عبادت ہے کہ جہاں حضور کی رسالت کا چرچا نہ ہو۔ تمام عبادات میں میلاد ہے اور میلاد سُنَّتِ اللّٰہِ بلکہ پیغمبروں اور فرشتوں کی سُنّت ہے۔

لَقَدْ حرفِ تاکید وہاں بولا جاتا ہے۔ جہاں کوئی منکر ہو۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا

بھی لوگوں نے انکار کیا اور رسالت کا بھی اور باقی صفات مذکورہ کا بھی اس لئے یہاں لَقَدْ لانا بہتر ہؤا۔ جَآءَکُمْ میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے۔ فقط اہل عرب سے ہوتا تو اس میں زیادہ درجہ ظاہر نہ ہوتا کہ تمام انبیاء کی رسالت اور اُن کی تشریف آوری بیان فرمائی گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی خاص قوم کے نبی نہیں بلکہ سب کے ہیں، تو اب معنے ہوئے کہ اے مسلمانو تم سب کے پاس رسول تشریف لائے، کیسے آئے ایسے آئے کہ ہر مسلمان کے دل میں ہیں خیال میں ہیں، گھر میں ہیں، قبر میں ہیں، کون سی جگہ ہے۔ جہاں وہ نہیں لَقَدْ جَآءَکُمْ نے فرمایا کہ تم جہاں بھی ہو رسول تمہارے پاس ہیں اور مسلمان تو ہر جگہ ہیں رسول بھی ہر جگہ۔ دیکھو التحیات میں حضور کو ندا سے سلام ہے۔ معلوم ہؤا کہ قلب مومن میں موجود ہیں دیکھو اشعۃ اللمعات باب التشہد) تنہا گھر میں جاؤ حضور کو سلام کرو۔ معلوم ہؤا کہ ہر مسلمان کے گھر میں ہیں۔ جب کان میں خود بخود آواز آئے درود شریف پڑھو۔ کیونکہ وہ حضور کی آواز ہے، دیکھو شامی اور مدارج۔ جب قبر میں مردہ جائے۔ کہیں بھی مرے۔ کسی جگہ دفن ہو۔ حضور کی زیارت۔ معلوم ہؤا کہ ہر جگہ ہیں حجاب ہماری طرف سے ہے۔ بعض اولیاء ہر جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے ہیں۔

گرچہ صد مرحلہ دورم زبر پیشِ نظرم وَجْهُهٗ فِیْ نَظَرِیْ کُلَّ غَدَاۃٍ وَ عَشِیِّ رسول کے ساتھ کوئی قید بیان نہ ہوئی کہ عرب کے رسول یا عجم کے فرشیوں کے یا عرشیوں کے۔ جس سے معلوم ہؤا کہ حضور سب ہی کے رسول ہیں حتیٰ کہ رسولوں کے رسول ہیں۔ آپ شمس ہیں باقی سب تارے دیکھو قصیدہ بردہ سے

فَاِنَّکَ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا ٭ یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

محمد ابن عبداللہ کا آنا سب نے مانا۔ مگر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا آنا کفار نے نہ مانا، ابولہب اور ابوطالب نے بھتیجہ ہونے کی حیثیت سے ولادت کی خوشی کی اور خدمت انجام دی نہ کہ رسول ہونے

کی حیثیت سے، ورنہ وہ صحابہ ہوتے۔ اسی لئے جَاءَ پر لَقَدْ لایا گیا، معلوم ہوا کہ رسول ماننا معتبر ہے۔ بشر یا بھائی مان کر لاکھ نعت لکھنا اور خدمات کرنا بیکار ہے۔ جیسا کہ ابو طالب نے نعتیں لکھیں، مگر ایسی بیکار ہوئیں کہ جب انکا انتقال ہوا، تو فرزند ارجمند علی مرتضیٰ کہتے ہیں۔ اِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ سرکار فرماتے ہیں وَارُوْا اَبَاكَ فِي التُّرَابِ فرزند اپنا باپ نہیں کہتے سرکار اپنا چچا نہیں کہتے۔ حضرت علی عرض کرتے ہیں آپ کے گمراہ چچا نے وفات پائی۔ حضور فرماتے ہیں جاؤ اپنے باپ کو مٹی میں داب دو۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ میں چند توجیہیں ہیں۔ اَوَّلاً فا کا فتحہ یعنے تم میں بہترین جماعت میں سے یعنی ہر حیثیت سے بہترین جماعت میں آئے۔ عرب وعجم میں عرب بہتر ہے عرب میں حجاز بہتر، حجاز میں مکہ مکرمہ بہتر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں تشریف لائے، اور جب مدینہ پہنچے مدینہ افضل ہو گیا۔ افضلیت تو ان کے قدم سے وابستہ ہے۔ جہاں وہ ہیں وہ ہی افضل (دیکھو نسیم الریاض) تمام قوم میں اولاد ابراہیم افضل ہے، ان میں قریش قریش میں بنی ہاشم، حضور بنی ہاشم میں آئے۔

تمام ماؤں میں وہ ماں بہتر جس نے نو ماہ اس آفتابِ نبوت کو اپنے برج میں رکھا قیمتی موتی کے سیپ بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ اسی لئے نام شریف آمنہ یعنی خدا کی امانت کی آمینہ یا دینا کو امن دینے والی۔ حضور علیہ السلام خود بھی افضل ہیں، ان کی ماں تمام ماؤں سے بہتر۔

حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک حضور کے سلسلۂ نسب میں کوئی نہ مشرک ہوا ہے نہ زانی کہ زانی کی نسل سے ولی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ نبی ہو (روح البیان یہ ہی آیت) حضرت ابراہیم کے والد تارخ ہیں۔ نہ کہ آذر، آذر تو چچا ہیں، قرآن کریم میں چچا کو بہت جگہ باپ کہا گیا ہے۔ وَاٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ۔ حضرت اسمٰعیل یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں مگر انہیں باپ کہا گیا۔ اسی طرح اِنَّ اَبِيْ وَاَبَاكَ فِي النَّارِ کی حدیث میں ابی سے مراد ابو طالب چچا ہیں۔ وہ جو حدیث

میں ہے کہ سرکار فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی نہ ملی ۔ زیارت قبر کی اجازت چاہی مل گئی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیارت فرمائی اور روئے اور سب کو رلایا۔ اس سے آمنہ طیبہ طاہرہ کا کفر ثابت نہیں ہوتا، اس لئے رونا فراق مادر میں تھا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتیں ہم کو باین اقبال ملاحظہ کرتیں۔ خوش ہوتیں، استغفار سے ممانعت اس لئے تھی کہ وہ بے گناہ تھیں۔ استغفار گنہگار کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے بچہ کی نماز جنازہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں کہ وہ بے گناہ ہے، گناہ ہوتا ہے احکام الٰہی کی مخالفت سے، آمنہ خاتون اصحاب فترت ہیں۔ کسی نبی کا دین اور احکام ان کے زمانہ میں باقی نہ تھے۔ ان کے لئے عقیدہ توحید کافی ہے۔ اگر کفر کی وجہ سے استغفار سے ممانعت ہوتی تو زیارت قبر کی بھی اجازت نہ ملتی، فرمایا گیا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ اَبَدًا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے بھی نفیس ہیں کہ نور الٰہی سے پیدا ہوئے، حضرت جبریل سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ کی عمر کس قدر ہے۔ فرمایا یہ تو نہیں خبر، اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارہ دیکھتا تھا۔ جو ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ وہ میں نے بہتر ہزار بار دیکھا ہے۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے (روح البیان یہ ہی آیت) اس طرح حضور کے صحابہ، دیگر انبیاء کے صحابہ سے اور حضور کی آل تمام نبیوں کی آل سے۔ حضور کی کتاب تمام کتابوں سے افضل ہے۔ نیز ان کا زمانہ ولادت تمام زمانوں سے بہتر ہے اسے کہتے ہیں ربیع الاول یعنی پہلی بہار۔ چونکہ پہلی بہار عالم ارواح والی اس میں آئی، نام ہوا ربیع الاول، دو شنبہ، فضل ایام ہے جو پانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے بہا وہ زمزم سے افضل ہے زمزم بھی اس لئے افضل کہ ایک نبی کے قدم سے نکلا اور حضور علیہ السلام نے اس سے معراج کی شب غسل کیا۔ اس لئے کہا گیا۔ جَآءَکُمْ ۔ مسلمانو یہ خدائی تحفہ تمہارے پاس آیا نہ کفار اور منافقین کے پاس، کہ بڑی نعمت بڑوں کو ملتی ہے۔

ایمان تین قسم کا ہے، ایمان میثاقی، ایمان فطری فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ نیز فرمایا

گیا کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ تو۔ ان دونوں ایمانوں میں صرف عقیدۂ توحید کافی ہے۔ ایمان تبلیغی اس ایمان میں تمام عقائد ضروری ہیں، مگر یہ ایمان اس کے لئے ضروری جس کو نبی کی تبلیغ پہنچے۔ ہاں حضور نے حجۃ الوداع میں والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کیا (دیکھو شامی اور شمول الاسلام اور علامہ سیوطی کے رسائل)۔ یہ بھی سرکار کی خصوصیت ہے کہ بعد موت ایمان والدین قبول ہوا۔ غیر پر قیاس کرنا غلط ہے۔ ان دونوں حضرات کو صحابیت کا شرف بخشنے کے لئے تبلیغی ایمان تعلیم فرمائی گئی

۳۔ ہماری قرأت اَنْفُسِکُمْ فا کے پیش سے ہے۔ اس کے معنے مشہور یہ ہیں کہ وہ نبی تم میں سے تشریف لائے، نہ کہ جن یا فرشتہ کی جنس سے: یا اے اہل عرب تم میں سے اور تمہاری زبان میں سے تشریف لائے جس سے سارا عرب دنیا میں ممتاز ہو گیا۔ ان کی برکت سے تمام جہان عرب کی طرف کھچ آئے گا۔ مگر یہ معنیٰ تو مِنْکُمْ سے حاصل ہیں۔ کلمہ اَنْفُسُ سے نیا فائدہ ہونا چاہیئے، لہٰذا اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضور کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے جان کا بدن میں آنا، کہ اگر بدن کے کسی عضو کو ذرا تکلیف پہنچے تو روح کو خبر ہو جاتی ہے۔ سونے کی حالت میں نفس سیلانی دور دراز جگہ میں ہو، مگر جہاں کسی نے جگایا نفس فوراً معلوم کر کے آن کی آن میں موجود ہو جاتا ہے۔ یہ ہی حال ہے حضور کے حاضر ناظر ہونے کا۔

اس معنیٰ کی تائید عَزِیْزٌ عَلَیْہِ سے ہو رہی ہے۔ یعنی اگر حضور کو کسی کے دکھ درد کی خبر نہ ہو تو امت کی مصیبت حضور کو ناگوار کس طرح گزرے۔ نیز جیسے جسم کا بقا بغیر روح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بقائے عالم خصوصاً بقائے مومن بغیر اتباع سرکار محال ہے۔ ایک قرأت میں عزیز" پر وقف ہے یعنی یہ مبتدا ہے اور مِنْ اَنْفَسِکُمْ خبر۔ یعنی نبی تمہاری جانوں سے زیادہ پیارے ہیں کہ تمام چیزیں جان پر قربان ہیں اور جان حضور پر۔ کہ ادنےٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ مال جسم کے لئے ہے۔ جسم جان کیلئے۔ جان آبرو کیلئے۔ اور یہ تمام چیزیں سرکار کی عزت پر قربان ہونے کے لئے ہیں۔

اسی لئے حضرت علی، حضرت صدیق و طلحہ و حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اپنی نماز عصر اور جان و جسم اور آبرو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیں۔ ان کے واقعات مشہور ہیں۔ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں !

اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے

اب عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ جملہ مستقلہ ہے۔ یعنی ان کے ذمہ کرم پر ہیں۔ تمہارے تمام گناہ جو تم کو پریشان کریں (روح البیان یہ ہی آیت) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا تھا۔ کہ جو مقروض وفات پائے اس کا قرض ہم پر ہے، اگر جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے۔ قربان جایئے کرم کے۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوا کہ کوئی مال کا حریص ہے۔ کوئی عزت و آبرو کا، کوئی اولاد کا مگر آقا اپنے غلاموں کے۔ اسی لئے ولادت اور معراج میں، نیز وفات کے وقت اور قبر انور میں اُمت ہی کو یاد فرمایا۔ ماں بچہ کو قیامت میں بھولے گی مگر مولےٰ نہ بھولیں گے۔ تمام راتیں جاگ کر گزاریں۔ کھڑے ہو کر رو رو کر اُمت کی شفاعت فرماتے رہے، سب اپنے لئے روتے ہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم گنہگاروں کے لئے۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں رحمت خاصہ کا ذکر ہے۔ رحمت عامہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ یہ آخر تک جو شخص ہر نماز کے بعد پڑھ کر درود شریف پڑھے وہ حضور کے نزدیک عزت والا ہے۔ نیز اس سے ہمیشہ غنا رہتی ہے (روح البیان یہ ہی مقام) معلوم ہوا کہ میلاد شریف بہت بابرکت مجلس ہے۔ چند وجوہ سے اولاً تو وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ حضور سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ دوم اس لئے کہ ابو لہب نے خوشی ولادت کی جس سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ سوم اس لئے کہ ولادت کی رات ملائکہ نے خوشیاں منائیں اور در دولت پر حاضری دی، شیاطین غمگین ہوئے اور چھپتے پھرے، ہم ملائکہ سے مشابہت کریں نہ کہ شیاطین سے۔ چہارم اس لئے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو شنبہ کو روزہ ہمیشہ رکھا،

کیونکہ یہ روز ولادت ہے معلوم ہوا کہ حضور کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا اچھا ہے۔ پنجم اس لئے
کہ محفل میلاد شریف کے ذریعہ حضور کے اوصاف کی تبلیغ ہے اور یہ تبلیغ اسلام ہے۔ اس پر دہاب
کے صرف دو ہی اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ بدعت ہے۔ دوم یہ کہ اس میں بہت سی ناجائز باتیں ہو
ہیں۔ مثلاً زن مرد کا اختلاط اور غلط روایات کا بیان کرنا، رات کو دیر میں سونا۔ اس سے فجر قضا ہو
بعض جہلا نے تو میلاد شریف کو شرک تک کہہ دیا۔ مگر یہ دونوں اعتراض لغو ہیں۔ پہلا اعتراض
اس لئے کہ ہر بدعت یعنی نیا کام حرام نہیں، بدعت سیئہ حرام ہے۔ علامہ شامی نے جلد اول
باب الامامت میں اور ملا علی قاری نے مرقات باب الاعتصام بالسنۃ میں فرمایا ہے کہ بدعت
پانچ قسم پر ہے۔ واجب، مستحب، جائز، مکروہ، حرام۔ اگر ہر بدعت حرام ہو تو دینی مدرسے اور ان کے تما
امور حرام ہوں نیز ریلوے، تار، پریس وغیرہ حرام ہوں۔ شریعت و طریقت کے چاروں سلسلے ناجا
ہو جائیں گے۔ علم حدیث اور قرآن کریم کے اعراب ناجائز ہو جائیں گے۔

دوسرا اعتراض بھی لغو ہے کیونکہ کوئی مباح یا سنت محرمات کے ملنے سے حرام نہیں ہوتی! ک
حرام تو حرام ہے اور مباح مباح جیسے کہ زیارت قبور اور دفن میں شرکت نوحہ خوانوں کی وجہ سے
حرام نہیں، ریل کی سواری، اجنبی مرد و زن کے اختلاط کی وجہ سے حرام نہ مکہ سے پہلے بیت اللہ
میں اور صفا و مروہ پر بت تھے۔ مگر ان بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے طواف و سعی نہ چھوڑی
حتیٰ کہ صلح حدیبیہ کے بعد بھی مسلمانوں نے اسی حال میں عمرہ کیا۔ ہاں جب خدا نے قوت دی
تو بتوں سے کعبہ پاک فرما دیا۔ دینی مدارس میں بہت سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے
وہ مدرسے حرام نہیں۔ محرمات کو روکو، حلال کو باقی رکھو۔ ہاں حرام چیز کسی حلال کا جزو بن
جائے تو حلال بھی حرام ہوگا۔
غلط روایات کا بیان اور رات کو دیر میں سونا بھی میلاد کو حرام نہ کرے گا۔ دینی

مدارس میں کتب احادیث پڑھاتے ہیں ان میں روایات ضعیفہ بھی آتی ہیں۔ محفل نکاح اور مطالعہ کتب۔ ریل کی سواری میں کبھی دیر سے سونا ہوتا ہے۔ شرک کہنا تو پوری جہالت اور بے دینی ہے میلاد کا نام، اس کا مقصد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا بیان کرنا ہے، ولادت عبد کی ہوتی ہے نہ کہ خالق کی۔ تو میلاد شریف شرک کو مٹاتا ہے۔ قیام محفل میلاد میں تین فائدے ہیں، اولاً تو ملائکہ سے تشبیہ ہے جو وقت ولادت دروازہ پاک پر کھڑے تھے۔ اچھوں کی نقل بھی برکت ہے حضرت ہاجرہ تلاش پانی میں صفا و مروہ کیطرف سات بار دوڑیں حضرت اسمٰعیل نے قربانی جان کے موقع پر شیطان کو کنکر مارے۔ آج بھی حاجیوں کو اس کی نقل بنانا ضروری ہے۔ کیونکہ تشبیہ کے لئے نیز ذکر ولادت کی عظمت کے لئے قیام ہوتا ہے۔ آب زمزم اور وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیتے ہیں۔ کیوں؟ اس کی عظمت کے لئے۔ کہ وہ ایک پیغمبر کے پاؤں سے نکلا ہے، نیز قیام میلاد اظہار خوشی کے لئے ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق اکبر سے ایک حدیث سن کر خوشی میں قیام فرمایا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الایمان)۔

لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ کی حدیث میں ہر قیام تعظیمی سے منع نہیں بلکہ عجمیوں کی طرح قیام سے منع ہے، کہ بڑا آدمی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس کھڑے ہوں۔ لا تصلوا مثل المنافقین میں نماز کی ممانعت نہیں، نفی المقید نفی القید ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے قیام تعظیمی فرمایا ہے دیکھو مشکوٰۃ باب القیام، حضرت سعد کے لئے قیام تعظیمی کا لوگوں کو حکم دیا (مشکوٰۃ)

خیال رہے کہ ادب و تعظیم کے لئے نقل و ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جو تعظیم منع نہ ہو وہ اچھی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتُوَقِّرُوْهُ میرے محبوب کی خوب توقیر کرو۔ امام مالک مدینہ پاک میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے ہمیشہ کھڑے ہو کر غسل کر کے خوشبو مل کر حدیث پڑھاتے تھے۔ بعض صوفیا بعد

حصہ مدینہ میں کبھی استنجا نہ کیا کہ یہ زمین پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک سے مس ہوئی ہے۔ ان آداب کا نہ قرآن کریم سے ثبوت ہے۔ نہ حدیث سے، نہ صحابہ کرام سے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ دل ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

وعظ نمبر ۳۲

بعثت نبوی کا بیان

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

اس آیت کریمہ کو لَقَدْ سے شروع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ جو امور اس میں مذکور ہوئے ان کے بہت لوگ منکر ہیں اور منکرین سے کلام کرنے میں تاکید ضروری ہے۔ کوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعمت الٰہی ہونے کا منکر ہے، کوئی اُن کی نبوت کا، کوئی اُن کی خاتمیت کا کوئی ان کی قدرت اور دیگر محامد کا۔ اور یہ ہی امور مذکور ہیں۔ لہٰذا لَقَدْ فرمایا گیا۔

مَنّ اور احسان و انعام میں عموم و خصوص مطلق ہے۔ انعام و احسان تو ہر نعمت کو بولا جائے گا۔ مگر مَنّ کسی بڑی نعمت کو ہی کہا جائے گا۔ خدائے قدوس کی بے شمار نعمتیں انسان کو ملیں جن کا ذکر قرآن کریم سے بطور احسان و انعام فرمایا مگر لفظ مَنّ سوائے اس نعمت کے کسی پر نہ بولا۔ کہ یہ ہی نعمت اللہ

کے نزدیک بڑی سے بڑی ہے۔ بادشاہ اپنی شان کے لائق چیز دے کر احسان جتائے گا نہ کہ فقیر کے شان کے لائق نعمت پر، ہاتھ پاؤں، زمین و آسمان ہمارے لئے بڑی نعمت ہیں مگر شان خداوندی کے لئے بعثت سرکار بڑی نعمت ہے۔

لفظ من پر بعض جہلاء کا اعتراض ہے کہ کوئی چیز کسی کو دے کر احسان جتانا بُرا ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى، تو خدا نے احسان کیوں جتایا۔ مگر رب اور مربوب کے احکام جدا ہیں۔ کوئی بندہ خود کسی پر احسان نہیں کرتا، خدا دلواتا ہے بندہ دیتا ہے، اس لئے اگر ہم احسان جتا دیں تو جھوٹے ہیں۔ خدا حقیقی منعم ہے۔ وہ احسان جتا دے اُس کو لائق ہے۔ نیز ہم احسان جتا ئیں گے طعنہ کے لئے۔ جس سے فقیر کو تکلیف ہوگی۔ خدا نے احسان جتایا تاکہ اس نعمت کی قدر پہچانیں، اگر ہم بھی کچھ دے کر اس لئے احسان جتائیں کہ وہ اس کی قدر کرے۔ تو جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عباس کو نماز تسبیح بتاتے وقت بہت اظہارِ احسان فرمایا دیکھو مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ التسبیح ارشاد فرمایا۔ اے چچا میں تم پر احسان کرتا ہوں۔ جو یہ بتاتا ہوں۔

نیز آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى جس سے معلوم ہوا کہ جس احسان جتانے سے فقیر کو تکلیف ہو وہ منع ہے، اور یہاں مقصود اظہار قدر نعمت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کی تشریف آوری پر پانچ وجہ سے احسان جتایا اولاً تو حضور محبوب الٰہی ہیں۔ سب کچھ دے دیا جاتا ہے۔ مگر محبوب دینا تو کیا معنیٰ دکھایا بھی نہیں جاتا، روپیہ قفل میں رکھتے ہیں نہ دکھاتے ہیں نہ بتاتے ہیں۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے

بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

پھر خدا نے اس کے باوجود مسلمانوں کو محبوب دیا، بڑا فضل کیا، دوسری نعمتیں محبوب خدا نہیں، معراج میں جانا تعجب کی بات نہیں۔ محبوب حبیب کے پاس جایا کرتے ہیں۔ ہاں وہاں سے آنا

باعث تعجب ہے کہ محبوب بُلا کر واپس فرمائے گئے۔ مگر یہ نعمت مسلمانوں کو ہی ملی۔ نہ کہ کفار کو۔ اس لئے احسان صرف مسلمانوں کو جتایا، اگرچہ وہ سب کے لئے رحمت ہیں، رسالت سے فائدہ مسلمانوں نے اٹھایا، لہٰذا فرمایا گیا رب نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں اپنا رسول بھیج دیا۔

دوم تمام نعمتیں فانی ہیں مگر وہ نعمت باقی کہ نزع و قبر و حشر و جنت و دوزخ ہر جگہ کام آئیگی باقی نعمتیں دنیا میں ہی ساتھ چھوڑ دیں گی، فانی چیز خواہ کیسی ہو باقی کے مقابلہ میں کچھ نہیں تیسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں وغیرہ ہماری خدمت کرتے ہیں اور ہم ان کی، کہ ان کو غذا پہنچاتے ہیں۔ بیماری میں علاج کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کے نفعے معاوضہ پر ہیں مگر آقا کے کرم عوض نہیں چاہتے۔ وہ کرم ہی کرتے ہیں ؎

رحمت حق بہانہ می طلبد ٭ رحمت حق بہانمی طلبد

سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

لطیفہ: ۔ ایک بار اعضائے بدن نے کمیٹی کی کہ ہم کماتے کماتے مرے جارہے ہیں۔ اور معدہ مفت میں کھاتا ہے۔ چنانچہ ان سب نے ہڑتال کر دی معدہ بھوکا رہا تو ہاتھ پاؤں وغیرہ میں بھی ضعف آگیا، تب معدہ نے کہا کیا تم سمجھتے تھے کہ تمہاری کمائی سے صرف میں نفع کماتا ہوں حالانکہ تمہارا تم ہی کو پہنچا دیتا ہوں، یہ مثال ان مسلمانوں کی ہے جو سمجھتے ہیں کہ علماء مفت کھاتے ہیں اور ہم کماتے ہیں حالانکہ علماء کا بقا مسلمانوں کا بقا ہے۔

چوتھے یہ کہ ہر نعمت جب ہی نعمت ہے جب اس کا استعمال صحیح ہو ورنہ زحمت۔ تلوار اگر دشمن کو مارے تو رحمت ہے، اگر اپنے کو مارے تو زحمت۔ اسی طرح اگر اعضائے بدن کو کار خیر میں لگایا جائے تو رحمت ہیں ورنہ زحمت۔ اور ان کو صحیح مصرف لگانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا، یہ

بی سر بتوں کے آگے جھکتا تو جہنم میں لے جاتا۔ حضور علیہ السلام نے خدا کے آگے جھکا دیا۔ جنت میں لے جائیگا۔ لہذا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری دیگر نعمتوں کو نعمت بنانے والی ہے۔ خدا کی ہر دی ہوئی قوت خرچ کرنے کے لئے ہے۔ اس میں سے کسی کو معطل کر دینا فطرت کو بگاڑنا ہے جیسے ہندوؤں کے سادھوؤں اور عیسائیوں کے پادریوں اور ننوں نے کیا کہ بغیر نکاح کے رہے نتیجہ معلوم ہے۔ اسلام نے سب قوتوں کو اپنی جگہ خرچ کرایا۔ آنکھ سے دیکھو مگر غیر عورت کو نہیں شہوت خرچ کرو۔ مگر اپنی بیوی پر۔ یہ تمام باتیں حضور علیہ السلام نے سکھائیں۔

پانچویں یہ کہ تمام اعضاء اور مال بڑھاپے میں وبال جان بن جاتے ہیں کہ جواب دے دیتے ہیں۔ اولاد بھی گھبراتی ہے کہ یہ بڑھا کب مرے سے

دانت گرے اور کمر گھسے اور پیٹھ بوجھ نہ لے

ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھے بھس دے

قیامت میں یہ ہی اعضاء ہمارے عیوب ظاہر کریں گے۔ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ مگر قربان اس مدنی ستار عیوب کے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ بڑھاپے میں پنشن دے دیں یعنی تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب اور قیامت میں عیب پوشی فرمائیں۔

۳۔ بعثت اور خلق میں فرق یہ ہے۔ خلق معدوم کو موجود کر دینا ہے لہذا ہر موجود مخلوق ہے۔ حق تعالیٰ کی نیابت اور اس کی طرف سے مامور ہونے کو بعثت کہتے ہیں لہذا نبی سے کم کوئی مبعوث نہیں کہلاتا، حضور کی ولادت جس قوم میں ہوئی وہ اس وقت مومن نہ تھی یعنی قریش، لہذا بعثت مومنین میں ہی ہوئی اس لئے بعثت فرمایا خلق نہ فرمایا فِیْهِمْ سے مراد قیامت تک کے تمام مسلمان ہیں نہ کہ صرف اہل عرب معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مسلمانوں میں رہتے ہیں۔ یہ ہی معنی ہیں حاضر ناظر کے۔ اس کی تحقیق اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق میں

پڑھیئے۔

۴۔ رَسُوْل۔ کی تنکیر عموم کے لئے ہے یعنی جس کا خدا خالق ہے اس کے حضور رسول ہیں یَتْلُوْ عَلَیْہِمْ سے آخر تک کی آیت سے حسب ذیل امور معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ تلاوت اور طہارت اور علم قرآنی علیحدہ چیزیں ہیں صرف قرآن پڑھ لینا ہی علم قرآنی نہیں، آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ الٹا سیدھا قرآن پڑھنا ہی علم قرآنی ہے۔ جو استنجا کرنا نہیں جانتے۔ وہ تفسیر قرآن کرنا چاہتے ہیں وَیُزَکِّیْہِمْ سے معلوم ہوا کہ فقط قرآن کریم پڑھ لینا اور سیکھ لینا ایمان اور طہارت قلبی نہ دے گا۔ بلکہ پاک فرمانا حضور کا فضل ہے جو تعلیم قرآن وغیرہ کے علاوہ ہے۔ علم کے لئے لازم نہیں۔ شیطان عالم تھا مگر مومن نہ تھا۔

آج بھی بہت لوگ علم کے باوجود دولتِ ایمان سے محروم ہیں اس لئے کہ اس محبوب سے علیحدہ ہیں ؎

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی　　　　بخار آگیا پر بخاری نہ آئی!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر طرح کی پاکی بخشتے ہیں، آفتاب اپنی شعاع سے زمین کو پاک کرتا ہے پانی جس پر توجہ کرے پاک کر دے یہ آفتاب رسالت چشمۂ رحمت ہیں۔ جس پر توجہ فرمائیں پاک کر دیں۔

یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ سے معلوم ہوا کہ قرآن کا سمجھنا آسان نہیں، کہ عقل سے معلوم ہو جائے، ورنہ اس کی تعلیم کے لئے انبیاء تشریف نہ لاتے، مشکل علم کے سکھانے کے لئے بڑے بڑے علماء مقرر ہوتے ہیں جو اسے کا معلّم قابل ہوگا۔ سائنس سکھانے نبی نہ آئے۔ کہ وہ عقل سے حاصل ہو سکتی۔ چونکہ قرآن پاک سب سے افضل اور مشکل تھا۔ لہٰذا اس کی تعلیم کے لئے سید الانبیاء کو بھیجا گیا۔

۵۔ وَاِنْ کَانُوْا(الآیہ) میں اہل عرب کی پرانی گمراہی کا ذکر ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تمام کفار ہی گمراہ ہیں مگر اہل عرب جیسے گمراہ جنگجو اور جہالت میں گرفتاروں کی مثال نہیں مل سکتی، بھلا حد ہو گئی کہ شرفاء اپنی لڑکیوں کو اس لئے قتل کر دیتے تھے کہ ہم خسر نہ کہلائیں۔ ادنیٰ لوگوں کی ایک نسل کا نکاح اس طرح ہوتا تھا کہ نکاح

سے پہلے لڑکی بے شمار لوگوں سے زنا کرائے، جب بچہ ہو تو زانی جمع ہوں جس سے بچہ مشابہ ہو وہی شوہر قرار پائے۔ ایسی قوم کو اس ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دس برس کی تبلیغ سے ایسا درست کیا کہ چوروں کو پاسبان، ڈاکوؤں کو رعایا کا نگہبان اور بت پرستوں کو خدا پرست بنا دیا۔ حالانکہ پہاڑ اکھیڑ دینا، دریا کا رخ پلٹ دینا آسان ہے۔ مگر بگڑی قوم کو بنانا مشکل۔ دیکھو تفسیر اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

تمام عالم پر حضور کا احسان ہے مگر اہل عرب پر خاص کرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اگرچہ اب حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہماری آنکھوں سے پردہ میں ہیں۔ مگر ان کے فیوض و برکات کا دریا اسی طرح بہہ رہا ہے۔ جس طرح پہلے تھا بلکہ اولیاء اقطاب بعد دفن بھی زندہ ہیں۔ مومنین کے لئے باعث رحمت و قوت ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، اموات جمع میت کی ہے۔ میت اُس مردار کو کہتے ہیں جس سے بعد موت کوئی نفع نہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ شہید دل اگرچہ وہ تلوار آہنی سے شہید ہوں یا تلوار عشق الٰہی سے، بے کار مردہ نہ کہو، وہ تو کار آمد بھی ہیں اور زندہ بھی۔ اسی لئے فرمایا کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ معلوم ہوا کہ اصحاب قبور سے مایوس ہونا کار کفار ہے۔

جب زمین کے نیچے والی بنیاد یا پشتہ دیوار کو ایسا مضبوط بنا دیتا ہے کہ وہ دیوار آندھی اور بارش سے نہیں گرتی تو زمین کے اندر آرام فرمانے والے شہداء و اولیاء زندوں کی پشت بانی ضرور کریں گے۔

چہ غم دیوار اُمت را کہ باشد چوں تو پشتی بان!

برہم چاری مرحوم کہتے تھے کہ ہم تو ہندوستان میں بنیاد والی دیوار ہیں ہمارے زندے اوپر، مردے نیچے، اگر تم بغیر بنیاد دیوار ہو کر تمہارے زندہ مردے سب ہی اوپر ہیں۔ اسی لئے قبر کھودنا منع ہے کہ بنیاد کھودنے اور جڑ اکھیڑنے سے دیوار گر جاتی اور درخت خشک ہو جاتا ہے۔

۴۔ نعمت الٰہی کا شکریہ اور اس کا اظہار ضروری ہے۔ جب اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری رب تعالٰے کی بڑی نعمت ہے تو حضور کا چرچا کرنا بھی ضروری ہوا۔

رب تعالٰی نے فرمایا وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ نیز تاریخ ولادت شریف کرنا صدقہ وخیرات جلوس وجلسے بہت بہتر ہیں۔ رب تعالٰی کی نعمت کی خوشیاں منانے کا حکم ہے رب تعالٰی فرماتا ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔ شروع اسلام میں عاشورہ کا روزہ اس لئے فرض کیا گیا تھا اس تاریخ میں موسٰے علیہ السلام نے فرعون سے نجات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دوشنبہ کو اس لئے روزہ رکھا کرتے تھے کہ وہ حضور کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔ اسی دن نبوت عطا ہوئی پہلی وحی آئی، قرآن پاک نے ماہ رمضان کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی کہ اس میں قرآن کریم کا نزول ہے۔ فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ نیز فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ جب شب قدر نزولِ قرآن کی وجہ سے ہزار مہینوں سے افضل ہے تو جس رات صاحب قرآن کی ولادت ہوئی وہ بھی بہت بابرکت ہوگی۔

وعظ نمبر ۲۳

علم غیب کا بیان

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ گزشتہ آیتوں سے اس کا تعلق کیا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا شانِ نزول کیا ہے۔ سوم یہ کہ اس سے فوائد ونکات کیا حاصل ہوئے۔ چہارم

یہ کہ ان پر مخالفین کے اعتراضات کیا ہیں اور اُن کا جواب کیا۔

(۱) گزشتہ آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ کفار و منافقین ہماری دی ہوئی مہلتوں کو اپنے لیئے خیر نہ جانیں، ان کو اس لیئے مہلت دی جارہی ہے۔ کہ اپنے گناہوں میں اضافہ کر کے پیالہ بھر لیں۔ اب آگاہ کیا جارہا ہے کہ اے منافقو اور کافرو! یہ مہلت ہمیشہ نہ رہیگی اور تم مسلمانوں کو ظاہری کلمہ گوئی سے ہمیشہ دھوکا نہ دیتے رہو گے۔ بلکہ وقت امتیاز آنے والا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ منافقین نے اپنی عمر و مال اور عزت ظاہری اور اولاد کو دیکھ کر سمجھا کہ اگر ہم اللہ کے محبوب بندے نہ ہوتے تو ہم کو یہ نعمتیں کیوں ملتیں۔ دشمنوں کو عذاب دیا جاتا ہے نہ کہ انعام، لہٰذا ہم خدا کے پیارے ہیں نہ کہ دشمن۔

یہاں فرمایا گیا کہ تم نے محبوبیت کا معیار غلط قائم کیا، دنیاوی نعمتیں دشمنوں کو بھی دی جاتی ہیں۔ مگر وہ لعنتیں ہوتی ہیں نہ کہ نعمتیں معیار تو آئندہ آنے والا ہے۔ جس سے منافق اور مخلص ظاہر ہو جائیں گے۔ کھیت میں بھوسہ اور گندم رلا ملا اُگتا ہے۔ مگر ایک فرق کا دن آتا ہے پھر فرمایا گیا کہ تفریق کس طرح ہوگی۔ اس طرح نہیں کہ عام مسلمانوں کو غیب کا علم دے دیا جائے اور وہ قلوب کی حالت جان لیں۔ بلکہ حق تعالےٰ اپنے خاص غیب پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادے گا۔ اور وہ رسول سب کو علیحدہ فرمادیں گے۔ اور پھر فرمایا دان تومنوا یعنے اے منافقو! اس دن سے پہلے ہی ایمان لے آؤ تاکہ تمہارے راز نہ کھلیں اور تمہاری رسوائی نہ ہو۔

۲۔ شان نزول یہ ہے کہ ایک بار رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفرینش سے پہلے میری اُمت جب کہ مٹی کی شکل میں تھی۔ میرے سامنے اصلی صورتوں میں پیش کی گئی۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیش ہوئی تھی، اور مجھے کفار و مومنین کا علم دیا گیا۔ منافقوں کو اس فرمان کی خبر پہنچی۔ تو مذاق کے طور پر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام تو دعوےٰ کرتے ہیں کہ قبل پیدائشِ خلق وہ

کافر و مومن کو جانتے تھے۔ حالانکہ ہم ان کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ان کو ہماری اصلی حالت کی خبر نہ ہوئی اس پر سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر قیام فرما کر فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں آج سے لے کر قیامت تک کے واقعات میں سے کوئی شئے ایسی نہیں جس کا تم ہم سے سوال کرو اور ہم تم کو خبر نہ دیں۔

اس پر عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر عرض کرنے لگے کہ میرے والد کون ہیں۔ فرمایا حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا سرکار علیہ السلام نے فرمایا تم باز آؤ گے! پھر منبر سے اتر آئے (تفسیر خزائن العرفان اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔)

۳۔ اس سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ جیسے انبیائے کرام خاص خاص نعمتوں سے مخصوص فرمائے جاتے ہیں۔ مثلاً نبوت، وحی قرب الٰہی، وسیلہ الی اللہ، خلافت الٰہی وغیرہ اسی طرح ان میں علم غیب بھی عطا فرمایا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ انبیاء کی بعثت سے مقصود منافقین و مومنین اور ان میں فرق کرنا ہے۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ اس پر شاہد ہے اگر انکو لوگوں کے قلوب کا حال معلوم نہ ہو اور سعید و شقی کو نہ پہچانیں، یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت یہ ہی مضمون بتا رہی ہے۔

نیز نبوت حقیقۃً خلافت الٰہی ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور سلطان کی نیابت کے لئے تین امور ضروری ہیں۔ علم سلطانی، جاہ و جلال، عظمت سلطانی۔ ان کے بغیر خلافت ہو سکتی ہی نہیں، وائسرائے کو ملک کے حالات کا علم، خصوصی اختیارات، عظمت و شوکت ضرور دی جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلافت دے کر عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا علم اشیاء دیا، سجدہ ملائکہ سے بھی ممتاز کیا جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی عظمت و قدرت

کا یہ عالم ہے کہ خاص ملائکہ بھی ان کے سامنے جھکا دیئے گئے پھر انسان کیوں نہ جھکیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ مار دیا اور ان کی آنکھ جاتی رہی یہ ہے قدرتِ انبیاء۔

نیز شفاعت کے لئے مشفوع لہٗ کا جاننا ضروری ہے تاکہ نااہل کی شفاعت نہ ہو جائے اور اہل شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں۔ چونکہ حضور شفیع ہیں۔ لہٰذا انہیں علم دیا گیا۔ اس آیت سے تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ہر نعمت نااہل کو دینا اسراف یا تبذیر ہے اور اہل کو نہ دینا بخل اس لئے فرمایا گیا کہ لوگوں کو غیب پر مطلع نہیں کیا جاتا، ہاں رسولوں میں سے بعض کو اطلاع دی جاتی ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ اپنی نعمتیں اہل کو عطا فرماتا ہے نااہل کو نہیں۔ انبیاء علم غیب کے اہل ہیں اسی لئے اس کے بعد بخل کی مذمت کی آیات بیان ہوئیں، عطائے علم غیب میں آیات واحادیث بے شمار ہیں۔

۴۔ اس آیت کریمہ سے مرزائیوں نے ثبوتِ مرزا پر دلیل پکڑی ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے بعد خدا نبی بھیجے گا جو مومنوں و منافقوں میں فرق کریں گے۔ اس زمانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو خلط ملط رہا۔ عَلٰی مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ صاف بتا رہا ہے۔ یَجۡتَبِیۡ صیغۂ مستقبل ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضور کے بعد پیغمبر چھنٹے جائیں گے۔ چنانچہ مرزا جی آ گئے۔ لیکن یہ صریح دھوکا ہے۔ پھر تو لازم آئے گا کہ اسلام مرزا جی کے زمانہ تک غیر مکمل رہا، مرزا جی نے مکمل کیا۔ حالانکہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ اس کے خلاف ہے۔ نیز قرآن کریم کا نام ہے فرقان، حضور انور کے خدام کا لقب ہے فاروق، جب انہوں نے فرق ہی نہ کیا، تو یہ لقب انہیں کیوں ملے۔

نیز لازم آئیگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ پوری نہ فرمائی لہٰذا آیت کا مطلب وہ ہی ہے جو اوپر ذکر ہوا یَجۡتَبِیۡ سے مراد یہ نہیں کہ آئندہ نبی بن کر آئیں گے اور چھنٹے جائیں گے بلکہ اللہ اپنے اس محبوب کو عطائے غیب کیلئے چن لے گا اور خود یہ ہی محبوب تمام کے راز فاش فرما دیں گے، بعد میں ایسا ہی ہوا کہ ایک جلسہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے منافقوں کو اپنی مجلس پاک سے نام

بنام پکار کر اٹھا دیا کہ اے فلاں تو منافق ہے۔ مجلس سے اٹھ جا۔

اس پر دیوبندی وغیرہ کے چند اعتراض، بعض اصولی اور بعض فروعی۔ اصولی حسب ذیل ہیں۔

اوّل:۔ غیب خدا کی صفت ہے۔ مخلوق میں نہیں پائی جا سکتی۔

دوم:۔ دیگر آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب خدا کے لئے خاص ہے۔

سوم۔ یہ کہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔ لَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ بخاری میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نبی ہوں مگر مجھے خبر نہیں کہ مجھ سے معاملہ کیا ہوگا۔

چہارم۔ یہ کہ مرتدین کا علم تو حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی نہ ہوگا۔ کچھ لوگ حوض پر آتے ہوئے روکے جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے اُصَیْحَابِیْ یہ صحابہ ہیں۔ ملائکہ عرض کریں گے۔ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا یعنے مرتد ہو گئے۔

پنجم:۔ ہزارہا واقعات میں آپ واقعہ سے بے خبر رہے۔ جیسے کہ افک اور ہار کا گم ہونا۔ یا یہ کہ صحابہ کرام کا عرض کرنا کہ کیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں جس سے آپ کو علم ہے کہ پیلو کے سیاہ پھل اچھے ہوتے ہیں۔

جواب:۔ شبہ اول کا یہ ہے کہ جیسے علم غیب صفت الٰہی ہے ایسے ہی علم شہادت بھی صفت الٰہی ہے۔ عالم الغیب والشھادۃ بلکہ مطلقاً علم سمع بصر حیات وغیرہ صفات الٰہیہ ہی ہیں۔ تو چاہیے کہ کسی کو نہ علم غیب مانو، نہ علم شہادت، نہ سمیع، نہ بصیر، نہ علیم، نہ خبیر، نہ زندہ۔ حق یہ ہے کہ یہ الفاظ مشترک ہیں۔ ان کے معانی میں بڑا فرق ہے۔ خدا تعالےٰ کے یہ تمام صفات ذاتی ہیں، مخلوق کے عطائی، خدا کے قدیم مخلوق کے حادث، خدا کے محیط، مخلوق کے محاط۔ یہ ہی بات علم غیب میں ہے۔

خدا کا نام ہے علی، حضرت علی کا نام بھی علی ہے۔ مگر ان کے معانی میں بڑا فرق ہے۔

سوال ۲ کا جواب یہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے۔ ان الحکم الا للّٰہ حکم خدا کا ہی ہے۔ نیز فرماتا ہے۔ تمام آسمان اور زمین کی چیزیں اللہ ہی کی ہیں لہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض۔ کہیے آپ اپنے گھر، لباس اور مملوکات کے مالک ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں، تو وجوب زکوٰۃ، فطرہ وجواز بیع وغیرہ کیسی؟ اور اگر مالک ہیں تو حصر کے خلاف ہوا نیز فرماتا ہے واذا حکمتم فاعدلوا نیز فرماتا ہے فابعثو حکمًا من اھلہ وحکمًا من اھلھا جب حکم خدا کا ہی ہے تو یہ احکام کیسے؟ بادشاہ، مشائخ علماء کا حکم کیسا؟ یہ ہی کہا جائے گا کہ حقیقی ملکیت اور حکم خدا کے ہیں اور مجازی وعطائی مخلوق کے۔ رب تعالےٰ نے کسی کو ملک کا، کسی کو شہر کا، کسی کو گھر و مکانات کا مالک بنا دیا۔ اسی طرح علوم غیبیہ مختلف طرح عطا ہوئے، لہٰذا ذاتی علم رب تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے۔ عطائی مخلوق کو حاصل ہے۔

سوال ۳ کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت مذکورہ اور حدیث مذکورہ کا تمہاری طرح مطلب کیا جائے تو بہت سی آیات اور احادیث کے متعارض ہوگا، قرآن کریم فرماتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضٰی نیز فرماتا ہے لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر۔ وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم حدیث میں ارشاد ہوا اناسید ولد اٰدم لواء الحمد یومئذ بیدی وحدیث شفاعت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں جنتی وجہنمی لوگوں کو جانتے ہیں، عشرہ مبشرہ کو جنت کی خوش خبری دی۔ ایک شخص سے کہا۔ ان ابی وابا ک فی النار کیونکر ممکن ہے کہ حضور کو اپنی خبر نہ ہو، وہ تو جس کے ایمان کی رہبری فرما دیں وہ جنتیوں کا سردار ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت وما ادری مایفعل بی ولا بکم میں علم کی نفی نہیں، بلکہ درایت کی نفی ہے جس کے معنی ہیں قیاس اور اٹکل سے معلوم کرنا، یعنے میں اپنے اور تمہارے متعلق آئندہ

کے معاملات اپنے اٹکل سے نہیں جانتا، آگے فرمایا گیا۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ صاف بتا رہا ہے کہ یہ علم وحی سے ہے۔ حدیث بخاری کا بھی یہ ہی منشا ہے کہ تمام خلق میں انبیائے کرام کی عقل اعلیٰ ہے کہ ان کی عقل کے مقابلہ میں تمام دنیا کی عقلیں ہیچ ہیں۔ جب ہم باوجود مکمل عقل کے عقل سے احوال آخرت نہ جان سکے وحی سے جانے، تو تم کوتاہ عقل والے کسی کا انجام اپنی عقلوں سے کیسے جان سکتے ہو۔ اسی لئے بغیر نص کے بعد الموت کسی کے جہنمی و جنتی ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ رہا کسی کو ولی ماننا وہ شہادت مومنین کی وجہ سے ہے وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ زبانِ خلق نقارۂ خدا کَمَا فِي الْحَدِيْثِ۔

سوال ۴۔ کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں حضور ہی تو خبر دے رہے ہیں کہ کل بروز قیامت یہ واقعہ ہوگا کیا! قیامت میں خود بھول جائیں گے، قیامت میں تو ہر شخص جہنمی و جنتی کو پہچانے گا جہنمیوں کے منہ کالے جنتیوں کے سفید، جہنمی کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں اور جنتی کا دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ مسلمانوں کا جسم آثار وضو سے پنج کلیان ہوگا۔ یعنے اس کا منہ اور ہاتھ پاؤں سفید ہونگے۔ جہنمی اس سے محروم۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہی ہے کہ ہم اپنی جماعت کو اس علامت سے جانیں گے، شفاعت کرنیوالے بچے اور علماء بھی کافر مومن کو پہچان کر شفاعت کریں گے۔ تو کیا شفیع المذنبین نہ پہچانیں نا ممکن ہے۔ بلکہ ان کو صحابی طعنہ کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ میرے دوست ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ رب تعالیٰ جہنمی کافر سے فرمائے گا عذاب چکھ۔ تو بڑی عزت و عظمت والا ہے۔ پنجم۔ اعتراض فروعی ہے۔ وہابی بہت سے واقعات کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں چیز حضور نے نہ بتائی، اگر علم ہوتا تو کیوں نہ بتاتے۔ ان کا جواب اجمالی اور جامع یہ ہے کہ نہ بتانے میں علم کی نفی نہیں بلکہ اعلام کی نفی ہے۔ بسا اوقات علم ہوتا ہے۔ ہزارہا اسرار کی وجہ سے اعلام نہیں ہوتا، سوال کیا گیا کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے،

جواب یہ نہ دیا بلکہ گھٹنے بڑھنے کے فائدے بتادیئے۔ کیا خدا کو بھی علم نہ تھا بلکہ اگر ہار فوراً بتا دیا جاتا تو بواسطہ صدیقہ تیمم کی آیت نہ آتی۔ بہت سے احکام اسباب کی وجہ سے آئے۔ مشیت الٰہی یہ ہی تھی کہ آیت تیمم کے نزول کا سبب حضرت صدیقہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تراویح متواتر جماعت سے نہ پڑھی۔ علم تھا کہ یہ ہمیشگی سبب فرضیت بن جائے گی۔ اگرچہ خدا بغیر سبب بھی فرض فرمانے پر قادر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت میں گواہی قرآن میں آنے والی تھی جس سے قیامت تک کے مسلمان عصمتِ صدیقہ کے گواہ بن جائیں۔ اور آئندہ قاضی لوگ ایسے امور میں اپنے علم سے فیصلہ نہ کر دیا کریں۔ نیز صحابہ کرام کا پوچھنا کہ کیا حضور نے بکریاں چرائی ہیں۔ اس میں علم غیب کا انکار نہیں بلکہ ذریعہ علم دریافت کرتے ہیں کہ آیا بذریعہ وحی یہ علم ہوا یا تجربہ سے۔ صدیقہ کا ہار اور جگہ تلاش کرانا یہ تدبیر تھی دیر لگانے کی۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے شاہی پیمانہ بنیامین کے سامان میں پیچھے اور بھائیوں کے سامان میں پہلے تلاش کیا حالانکہ جانتے تھے کہ وہ ان کے سامان میں ہے۔ یہ تدبیر تھی بنیامین کو روکنے کی تدبیر اختیار کرنا خلاف علم نہیں۔ نیز علم کے لئے ہر وقت حضور ضروری نہیں علم مخلوق علم حصولی ہوتا ہے اور حادث حصولی حادث کا ذہول اور اس سے بے توجہی ممکن ہے۔ بڑا عالم جب کسی اور طرف متوجہ ہو اُس وقت ایک مسئلہ بھی اسے حاضر نہیں ہوتا لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا حضرت یعقوب علیہ السلام نے چاہِ کنعان میں یوسف علیہ السلام کو محسوس نہ فرمایا۔ مگر مصر سے یوسف کی خوشبو پائی، فرمایا وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ اور فرمایا عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاتِیَنِیْ بِہِمْ جَمِیْعًا حالانکہ صرف بظاہر بنیامین اور یہودا مصر میں رہے تھے۔ مگر فرمایا وہ تینوں آئیں گے۔

بات یہ ہے ؎

بگفت احوال ما برق جہاں است ✦ دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ٭ گہے بر پشت پار خود نہ بینم

گلستان میں ہے۔

گہے با حفصہ و زینب نہ پرداختے ٭ گہے با جبریل و میکائیل نہ ساختے

دیوبندی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کو علم نہیں۔ اور ہمارے پاس ترازو نہیں جس سے تول ک
بتادیں کہ کتنا علم حضور کو دیا گیا، پھر وہ کل کی نفی اور بعض کا ثبوت کس ترازو میں تول ک
کرتے ہیں۔ نیز خدا کو بھی علم غیب مانتے ہیں یا نہیں، وہ کس ترازو سے تول کر یہ بھی کہتے ہیں
اس مسئلہ کی اب ضرورت کیا ہے، لیکن اب یہ بحث چھڑ چکی، لوگ دیوار کے پیچھے کا علم بھی حضور
نہیں مانتے، تو درستیٔ اعتقاد ضروری ہے۔ امام احمد ابن حنبل نے قرآن کریم کے قدیم ہونے ک
مسئلے پر کوڑے کھائے۔

۵۔ انبیاء پیدائش کے وقت ہی عارف باللہ ہوتے ہیں۔ اور علم غیب رکھتے ہیں۔ حضرت
آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساقِ عرش کی تحریر پڑھ لی۔ عیسےٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی
اپنی نبوت وغیرہ کی خبر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی اُمت کی شفاعت کی ز
میں ان کے علوم پڑھتے رہتے ہیں۔ حضور کو علوم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ تو معراج میں عطا فرما
گئے، کہ ایک قطرہ منہ میں ٹپکایا گیا۔ جس سے تمام علوم منکشف ہو گئے۔ جیسا کہ حدیثِ معرا
میں ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ رب تعالےٰ نے اپنا دستِ قدرت ہمارے سین
پر رکھا۔ جس سے تمام کائنات منکشف ہو گئے اور سب کو ہم نے پہچان لیا بعض لوگ سوال کرت
ہیں کہ اگر معراج میں علوم غیبیہ عطا ہو گئے تھے تو اس آیت کے کیا معنی نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ
تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ جب قرآن کریم کے نزول سے پہلے علوم عطا ہو چکے تو قرآن سے علوم دی
تحصیل حاصل ہے۔ جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی شان تبیان ہے۔ یعنے واقعات کا بیان

For More Books Click On This Link

کرنا معراج وغیرہ میں علوم بطور کشف عطا ہوئے۔ قرآن کریم میں بطریق بیان۔ اسی لئے واقعہ معراج میں فرمایا گیا فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ یعنی اس وقت بھی تجلی تھی، اور اب بیان ہوا۔ تجلی اور ہے بیان کچھ اور۔ سورۂ فاتحہ دوبار نازل ہوئی، ہر رمضان میں پورا قرآن حضرت جبریل حضور علیہ السلام کو سناتے تھے، ظاہر ہے کہ ہر دفعہ تبیان نہیں ہو سکتا مگر اس کی شان تبیان ہے۔

۴۔ کفار بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے معتقد تھے چنانچہ جنگ بدر کے لئے امیہ بن خلف نہیں جاتا تھا۔ بی بی نے کہا تو تو بہادر ہے بزدل کیوں ہو گیا؟ کہا کہ میرے ایک یثربی دوست نے خبر دی ہے کہ محمد نے فرمایا ہے کہ امیہ ہمارے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اور ان کی خبر جھوٹی نہیں ہوتی۔ نیز ابوجہل نے کنکریاں ہاتھ میں چھپا کر پوچھا کہ اس میں کیا ہے ؟ ؎

گر رسولی چیست در دستم نہاں ✽ تو خبر داری ز راز آسماں!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ مجھ سے روزے نماز کے مسائل پوچھ۔ یہ میں کیا جانوں فرمایا کہ تو تو میرے فقط علم کو جانچنا چاہتا ہے۔ میں تجھے اپنا علم و قدرت دونوں دکھا دوں ؎

گفت شش پارہ حجر در دست تست ✽ بشنو از ہر یک تو تسبیح درست

مگر افسوس کہ مسلمان کہلانے والے حضور کے علم میں شک کرتے ہیں۔

لطیفہ:۔ مخالفین یہ تو مانتے ہیں کہ تمام مخلوق کے مجموعی علوم سے علم مصطفیٰ زیادہ ہے مگر پھر دو چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ علم جمیع مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اور علم امور خمسہ، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ہی اعراض وجواہر کا علم دیا گیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی سیر کرائی گئی۔ ادھر جو فرشتہ شکم مادر میں بچہ کی تقدیر لکھتا ہے۔ اسے علوم خمسہ کا علم دیا جاتا ہے کہ سعید ہے یا شقی، کہاں مرے گا، کب مرے گا، کتنا کھائے گا، لڑکا ہے یا لڑکی۔ اسی طرح جب کسی مسلمان سے اس کی بیوی

جنگ کرتی ہے۔ تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ اس سے نہ لڑ۔ یہ ہمارے پاس آنیوالا ہے۔ تیرے پاس مہمان ہے۔ دیکھو حور نے جنت میں سے گھر کی لڑائی دیکھ لی۔ اور اسے یہ خبر بھی ہے کہ یہ شخص مر کر جنت میں پہنچے گا۔

تابیر نخل کی حدیث سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ فرمایا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یہ غلطی ہے۔ یہ کلمہ زجر کے لئے فرمایا کہ اچھا تم جانو۔ اگر وہ لوگ صبر سے کام لیتے تو بغیر شادی ہی درختوں میں پھل خوب آتے حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی بھی کھیتی نہیں کی تھی اور بچپن میں وطن سے آکر مصر میں شاہی محل اور جیل میں قیام فرمایا، کسی کسان سے ملاقات کا موقع نہ ملا۔ مگر قحط سالی کے لئے غلہ پیدا کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو ایسی ترکیب بتائی جو آج تک کارآمد ہے فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖ نیز فرمایا اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ جب یوسف علیہ السلام کو کھیتی باڑی کے ایسے راز معلوم تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باغ کے راز معلوم ہونا کیا بعید ہے

حکایت:۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف میں وضو کے لئے اپنے موزے اتارے، اچانک ایک عقاب موزہ لے اڑا اور ہوا میں لے جاکر وہاں سے اوندھا کرکے پھینکا۔ جس میں سے بڑا سانپ نکلا۔ جو مار لیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا عقاب کو ہماری بارگاہ میں حاضر کرو، وہ حاضر ہوا، فرمایا تو نے ہماری بے اجازت ہمارا موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کرنے لگا کہ حضور میں نے موزے میں سانپ دیکھا چاہا کہ اس پر حضور کو مطلع کر دوں۔ تاکہ آپ بے توجہی میں پہن نہ لیں اور سانپ سے ایذا نہ پائیں۔ اس اطلاع کے لئے میں نے یہ تدبیر کی، فرمایا کہ سانپ تو موزے میں تھا۔ اور تو ہوا میں۔ اتنی دور سے چھپی چیز تو نے کیسے دیکھی؟ اس نے عرض کیا؟

ما ہ موزہ من بہ نشیمنم از ہوا! ✦ نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

حضور آپ کے سر مبارک سے ایک نورانی شعاع نکل رہی تھی۔ جو آسمان پر پہنچی ہوئی تھی جب میں اس نورانی شعاع میں آیا۔ تو چودہ طبق مجھ پر روشن ہو گئے۔ اُسی روشنی میں یہ سانپ میں نے دیکھ لیا، یہ میرا کیا کمال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں سے

عکس تو بہ حق ہمہ نوری بود! ✽ عکس دور از حق ہمہ دوری بود

نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔ اور دور کا سایہ بھی دور۔ حضور نے فرمایا سے

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود! ✽ دل دریں لحظہ بحق مشغول بود!

حکایت:۔ مثنوی شریف میں ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے دفن سے واپس ہوئے۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت زور کی بارش آئی تھی۔ راستہ میں کوئی پناہ کی جگہ بھی نہ تھی، حضور کا جسم پاک تر کیوں نہ ہوا۔ فرمایا اے عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا آپکا تہبند شریف میرے سر پر ہے۔ تو فرمایا سے

گفت بہر آں نمود اے پاک جیب! ✽ چشم پاکت را خدا باران غیب!

نیست ایں باراں ازیں ابر شما ✽ ہست باراں دیگر و دیگر سما!

اے عائشہ اس تہبند کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش غیب کی تھی، پانی کی بارش نہ تھی، جس پر نبی کا کرم ہو جائے اسے علم غیبیہ مل جاتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

وعظ نمبر ۳۴

مسئلہ توبہ کا بیان

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ

مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الاٰية اس آیت کریمہ میں توبہ کی مقبولیت کے شرائط بیان فرمائے گئے۔ اس جگہ چند امور قابل غور ہیں، اولاً توبہ کے معنی۔ دوم توبہ کے مراتب سوم توبہ کے شرائط۔ چہارم توبہ کے مسئلہ پر اعتراضات وجوابات۔

(۱) توبہ کے معنی ہیں لوٹنا رجوع کرنا۔ جب اس کا فاعل بندہ ہو۔ تو معنے ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف رجوع کرنا۔ اور جب فاعل خدا ہو تو سزا سے عطا کی طرف رجوع کرنا، تواب بندے کی بھی صفت ہے اور رب کی بھی، مگر مختلف معنے سے گناہ سے رجوع کرنا عام ہے۔ خواہ کفر سے رجوع کرنا ہو یا حقوق عباد سے یا صغائر سے یا کبائر سے یا زبان سے کہہ کر یا صرف ارادہ قلبی سے یا عمل بدل کر یہ سب توبہ کی شقیں ہیں زبان کی ہی پابندی ہے۔

۲۔ جس مرتبہ کا گناہ ہوگا اسی مرتبہ کی توبہ یعنے اگر گناہ ظاہر ہو چکا ہو تو توبہ بھی اعلانیہ ضروری ہے، اگر گناہ خفیہ ہے تو توبہ بھی خفیہ ہو، اور اگر توبہ حقوق الٰہی سے ہے تو صرف دل کی شرمندگی اور آئندہ بچنے کا عہد کافی ہے۔ جیسے داڑھی منڈانے سے توبہ۔ اور اگر حقوق شریعت سے توبہ ہے۔ تو اس کی قضا۔ یا کفارہ یا قصاص ضروری ہے۔ جیسے جو کوئی نماز کا تارک رہا وہ نماز کی قضا کرے، جس نے روزہ یا قسم توڑی وہ کفارہ دے۔ زنا کیا یا کسی کو قتل کیا۔ تو سزا یا قصاص بھگتے۔ اُسے محض منہ یا دل سے توبہ کرنا کافی نہیں۔ اگر حقوق العباد سے توبہ کرنا ہے تو صاحب حق کا یا تو حق ادا کرے یا اس سے معاف کرالے۔ اگر وہ مر چکا ہے تو ورثہ سے اس حق کی معافی چاہے۔ صرف لفظ توبہ کہہ لینا کافی نہ ہوگا۔

امام صاحب کے والد حضرت ثابت نے دریا میں بہتا ہوا ایک سیب اٹھا کر کھا لیا۔ پھر خیال آیا کہ یہ حق عباد ہے۔ مالک سے معافی چاہنا ہے۔ تلاش مالک میں دریا کے کنارے کنارے

چلے گئے۔ بہت دور جاکر ایک باغ لب دریا پایا۔ سمجھے وہ سیب اسی باغ کا ہوگا۔ اس کے مالک کے مکان پہ پہنچ کر معافی چاہی، اس نے کہا معاف کر دوں گا۔ بشرطیکہ تم میری بیٹی سے نکاح کرنا منظور کر لو، جو اندھی، گونگی اور لنگڑی ہے۔ فقیر درویش بر جان درویش۔ منظور کر لیا، نکاح ہوگیا، گھر میں جاکر دیکھا، تو ایک نہایت حسینہ جمیلہ نو عمر لڑکی قرآن پڑھ رہی ہے۔ دیکھ کر بھاگے۔ اس نے عرض کیا کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ فرمایا کہ تیرے باپ نے کہا تھا کہ وہ اندھی، گونگی اور لنگڑی ہے۔ لیکن تم تو نہایت حسین ہو۔ اس نے عرض کیا میں غیر کی شکل دیکھنے سے اندھی ہوں۔ غیر کا آواز سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔ آج تک میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلی۔ لہٰذا میں لولی لنگڑی ہوں۔ میرے باپ نے سچ کہا تھا۔ میں غیروں سے بالکل محفوظ ہوں اسی کے بطن سے امام ابو حنیفہ پیدا ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صلوٰۃ مسعودی شرح کتاب) یہ طریقہ توبہ کا اور اس کے برکات ہیں۔

۴۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ توبہ کے کچھ تو ارکان ہیں۔ اور کچھ شرائط ہیں، کچھ مستحبات اور کچھ اوقات ہیں۔ جیسے دیگر عبادات کے لئے اس کے ارکان دو ہیں (۱) دل میں گزشتہ گناہوں سے ندامت (۲) آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد۔ توبہ کی دو شرطیں ہیں۔ اول ریا سے پاک ہونا دوم خدا سے خوف و امید ہونا (روح البیان یہ ہی آیت) رہا توبہ کا وقت، اگر کفر سے توبہ ہے تو غرغرہ موت سے پہلے کرے۔ ملائکہ کو دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں اور اگر گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو موت سے پہلے کرے (تفسیرات احمدیہ وکتب کلام) توبہ کے مستحبات چند ہیں۔ اولاً توبہ کے وقت آنسو نکلنا۔ تاکہ اس جاری پانی سے رحمتِ الٰہی کے پھول مہکیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ازپس ہر گریہ آخر خندہ ایست! ◆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

تانہ گرید طفل کے جوشد لبن! ◆ تانہ گرید ابر کے خندد چمن!

تا نہ گرید طفلک حلوہ فروش ✦ بحر بخشائش نمی آید بجوش

بچہ کے بغیر روئے ماں دودھ نہیں دیتی، بادل کے بغیر روئے چمن نہیں ہنستا کنوئیں کے بغیر پانی بہائے کھیت ہرا بھرا نہیں ہوتا، اسی طرح چشمۂ چشم کے بغیر بہے ایمان کی کھیتی ہری بھری نہیں ہوسکتی۔ دیکھو ایک حلوہ فروش کا بچہ کی وجہ سے تمام قرض خواہوں کا قرضہ پردۂ غیب سے وصول ہوا جس کا قصہ مشہور ہے۔

حضرت ابولبابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک راز ظاہر کر دیا تھا۔ توبہ کے ستون سے اپنے ہاتھ کو باندھ دیا کہ حضور ہی کھولیں گے تو آزاد ہونگا، چنانچہ اس ستون کا نام ہے استوانہ ابولبابہ، اس باندھنے کی برکت سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

دوسرے یہ کہ توبہ کے وقت چار اعضاء کام میں ہوں، آنکھیں رونے میں۔ دل خوف سے لبریز، دماغ تصور شان جباری و قہاری میں ہو، زبان کلمات استغفار بولنے میں۔ توبہ کے وقت کچھ صدقہ و عمل خیر کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت کعب ابن مالکؓ نے توبہ قبول ہونے کے مخبر کو تمام کپڑے دے دیئے۔ بوستان میں لکھا ہے، کہ ایک بادشاہ کو بیماری رشہ نے عاجز کر دیا۔ اطبا۔ مایوس ہوگئے۔ ایک فقیر سے دعا کو کہا۔ اس نے کہا کہ مجھ اکیلے کی دعا پر تیرے مظلوم قیدیوں کی بددعائیں غالب ہوں گی۔ تو پہلے مظلوم قیدیوں کو آزاد کر، مظلوموں کو راضی کر، پھر فقیر نے دعا کو ہاتھ اٹھائے کہ پروردگار یہ تیرا غلام حاضر ہے۔ معاف کر۔ فوراً آرام ہوا۔ مرشد کی دعا کے ساتھ اوروں کی بددعا نہ لو۔ ورنہ قبول نہ ہونے کی کیا شکایت ہے۔

۴۔ توبہ کا فائدہ یہ ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ انسان صحیح توبہ کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ بلکہ بعض وقت توبہ سے مجرم قطب بن جاتا ہے۔ عہد فاروقی میں پیر چنگی ایک فاسق گویا تھا، جب بڈھا ہو کر فاقے مرنے

لگا تو قبرستان میں جاکر کہا کہ خدایا! آج تو میری چنگ سن، چنگ پھینک کر روتے روتے بیہوش ہوگیا۔ ادھر فاروق اعظم کو حکم ہؤا کہ ہمارا بندہ خاص جنت البقیع میں بھوکا ہے۔ اس کو سات سو درہم دے آؤ۔ حضرت فاروق جب آئے تو سوائے پیر چنگی بے ہوش کے کسی کو نہ پایا، آپ بار بار یہی خیال فرماتے رہے کہ یہ فاسق فاجر بڈھا مرد خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

پیر چنگی کے بود مردِ خدا! ❊ حبذا اے رازِ پنہاں حبذا

آخر اسی کے سرہانے بیٹھ گئے۔ ان کی چھینک سے چنگی کی آنکھ کھلی خلیفہ کو بیٹھا پایا، چاہا کہ بھاگ جائے، فاروق اعظم نے ہاتھ پکڑ کر تھیلی پیش کی اور پیغام الٰہی پہنچایا۔ چنگی اس کرم الٰہی کو دیکھ کر جان بحق ہوگیا۔

انسان توبہ کرتا رہے۔ اس میں شرم نہ کرے توبہ تو ہمارے دادا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے۔ اسی لئے ائمہ دین اگر اپنی کسی شرعی غلطی پر مطلع ہوتے تو مجمع میں رجوع کر لیتے تھے، ہر وقت توبہ کرتے رہنا چاہیئے۔

۵۔ توبہ کے متعلق چند اعتراضات ہیں۔ ایک یہ کہ توبہ کے مسئلہ سے مجرم دلیر ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ گناہ کروں پھر توبہ کروں گا مغفرت تو ہو ہی جائے گی۔ دوم یہ کہ آیت میں ہے عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ پر توبہ قبول کرنا واجب ہے۔ حالانکہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں (علم الکلام) قرآن کریم میں ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ سوم یہ کہ اس آیت سے معلوم ہؤا کہ جہالت سے جو گناہ ہو وہ تو قابل معافی ہے اور عمداً گناہ معافی کے قابل نہیں۔ کیونکہ اِنَّمَا حصر کے لئے ہے۔ حالانکہ دوسری آیت میں ہے۔ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ چہارم یہ کہ عنقریب سے معلوم ہؤا کہ گناہ کرتے ہی توبہ کرو تو قبول، ورنہ نہیں۔ پنجم یہ کہ آیت لَیْسَتِ التَّوْبَةُ سے معلوم

ہوا کہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں، تو ابو طالب کو بوقتِ موت تلقینِ اسلام کیوں کی گئی اور میّت کو نزع میں تلقین کیوں کرتے ہیں جب اس وقت کی توبہ ہی قبول نہیں ہوتی تو تلقین بیکار ہے۔

جواب:۔ حسب ذیل ہیں۔ اول کا یہ کہ امیدِ مغفرت اور خوفِ عذاب گناہ روکتا ہے۔ اور معافی سے مایوسی گناہ پر دلیر کرتی ہے۔ پھانسی والے کی بہت نگرانی کی جاتی ہے۔ دیکھو کَسِنَّوْرٍ مَغْلُوْبٍ يَصُوْلُ عَلَى الْكَلْبِ ہاں یقینِ مغفرت بے خوفی پیدا کرتا ہے، یہاں یہ نہیں، دوم کا جواب یہ ہے کہ کسی دوسرے کے واجب کرنے سے خدا پر کچھ واجب نہیں۔ مگر اس نے اپنے کرم سے خود اپنے پر لازم فرمایا، یہ عین رحم ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ میں۔ جیسے خدا پر کسی کا حق نہیں، مگر اس نے خود حق مقرر فرمایا اپنے کرم سے، اسی لئے بحق فلاں سے دعا کرنا جائز ہے (شامی کتاب الکراہیۃ)

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ یہاں جہالت سے مراد نادانی یا حماقت ہے۔ نہ کہ لاعلمی (روح البیان و احمدی) عالم بھی گناہ کرتا ہے تو نادانی کرتا ہے۔ اس سے وہ لوگ نکل گئے جو گناہ کو حلال جان کر کریں یا جہالت سے مراد خدا سے غفلت ہے۔ اگر گناہ کرتے وقت خیال کرے کہ خدا دیکھ رہا ہے، تو کبھی گناہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے نماز میں خیال چاہیئے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تب خشوع حاصل ہوگا۔

چہارم کا جواب یہ ہے کہ قریب سے مراد قبل موت ہے۔ کیونکہ عمر خواہ کتنی دراز ہو، قبل موت کا وقت بعد موت کے اعتبار سے قریب ہے یا مراد قریب سے گناہ نہیں۔ بلکہ قریب موت ہے، پھر بھی مراد وہ ہی ہوئی۔ یعنے موت سے پہلے توبہ کرے، مگر موت کا ہر وقت خطرہ ہے۔ لہذا ہر وقت توبہ چاہیئے۔

آیت لَيْسَتِ التَّوْبَةُ میں توبہ عن الکفر مراد ہے۔ سَيِّئَاتِ سے بھی مراد کفر ہے جو

ہزارہا گناہوں کا سبب ہے۔ حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ سے مراد حالتِ غرغرہ ہے۔ یعنے حالتِ غرغرہ میں کفر سے توبہ معتبر نہیں۔ کیونکہ اب ملائکہ عذاب کو دیکھ لیا تو ایمان بالشہادت ہؤا اور معتبر ہے ایمان بالغیب، ہاں اس وقت گناہوں سے توبہ بہتر ہے۔ ابوطالب کو تلقین قبل غرغرہ تھی۔ نزع میں جو تلقین کرائی جاتی ہے۔ وہ کفر سے توبہ کرانے کے لئے نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تو مومن ہے۔ ایمان پر قائم رکھنے کیلئے ہوتی ہے۔ حضور کے والدین کا ایمان بعد موت بھی قبول کر لیا گیا۔ یہ حضور کی خصوصیت تھی، نیز وہ حضرات مومن تو تھے صرف توبہ سے صحابیت سے مشرف کرنا منظور تھا (دیکھو ہماری کتاب جاء الحق) یا مراد یہ ہے کہ موت کے وقت کی توبہ اللہ پر لازم نہیں۔ قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر موت سے پہلے کی توبہ رب تعالیٰ ضرور قبول فرمائیگا۔ اس نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرما لیا۔

نکتہ: جسم انسانی ایک انجن ہے کہ روح ڈرائیور کو استعمال کے لئے دیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ اس سے مطابق قانون کام لے۔ ہر قوت خدا و رسول کی رضا میں استعمال کرے۔ مانگا ہؤا چرخہ جو کات لیا سو اپنا۔ پھر چرخہ چرخے والے کا۔ جسم سے جو اعمال کر لئے وہ اپنے، پھر جسم جسم والے کا۔

توبہ کی شرط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری بھی ہے خواہ جسمانی خواہ قلبی، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکومت الٰہی کے وکیل ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن فرماتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا رب وکیل ہے۔ تو جواب دیا جائیگا کہ یہاں مراد وکیل لغوی یعنی اَلَّذِیْ یَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ ہے نہ کہ اصطلاحی یعنے ملزم و حاکم درمیان وسیلہ، کیونکہ خدائے قدوس تو اصل مقصود اور حاکم ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے معنے کے اعتبار سے وکیل ہیں۔ ورنہ کسی مقدمہ میں نہ تو کسی کو وکیل بناؤ اور نہ گواہ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ

شَهِيْدًا، اور نہ محاسب وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا، اور نہ حاکم اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ جناب بغیر وکیل و گواہ نکاح بھی نہیں ہوتا۔

توبہ و استغفار کا اچھا وقت صبح کا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ توبہ کے بڑے فوائد ہیں۔

لطیفہ:۔ ایک شخص نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آکر تنگی رزق کی شکایت کی، آپ نے فرمایا توبہ و استغفار پڑھا کرو۔ دوسرے نے بیماری کی شکایت کی، اسے بھی توبہ کا حکم دیا، غرضیکہ کسی نے بے اولاد ہونے کی، کسی نے قحط سالی کی، کسی نے نااتفاقی کی شکایت کی، سب کو توبہ و استغفار کا حکم دیا۔ جو اس ساری گفتگو کو سن رہا تھا اس نے عرض کیا کہ حضرت بیماریاں مختلف ہیں اور علاج ان سب کا ایک، آپ نے فرمایا ہاں توبہ استغفار ہر بیماری کا علاج ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ توبہ تمام مصیبتوں کا آسان ذخیرہ ہے۔

وعظ نمبر ۳۵

عورت پر مرد کی بزرگی کا بیان

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ اس آیت کریمہ میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس کا شان

نزول کیا ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مسائل کیا معلوم ہوئے۔ سوم یہ کہ اس پر اعتراض کیا ہو سکتے ہیں اور ان کے جواب کیا۔

۱۔ حضرت ابن ربیعہ نقیب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حبیبہ بنت زید کو غصہ میں آکر ایک طمانچہ مار دیا۔ انہوں نے اپنے میکے میں شکایت کی اور قصاص چاہا، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، روح البیان یعنے مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر بزرگی دی ہے، نیز عورتوں کا خرچہ مردوں پر لازم کیا۔ انہیں کچھ سختی کا حق ہے، قصاص کیسا۔

۲۔ حسب ذیل باتیں اس آیت سے معلوم ہوئیں۔

مرد عورت کا افسر ہے۔ اگر افسر اپنے ماتحت کو کسی قدر مار دے تو اس پر قصاص واجب نہیں، جیسے کہ باپ یا استاد یا موٹے اپنے ماتحتوں کو مارے حتیٰ کہ باپ اگر بیٹے کو قتل بھی کر دے تو اس پر قصاص نہیں ہوتا۔ مردوں کی فضیلت عورتوں پر دو طرح سے ثابت ہے ایک وہبی جیسے فَضَّلَ اللّٰهُ نے بیان فرمایا۔ دوم کسبی جیسے بِمَآ اَنْفَقُوْا نے بتایا۔ چونکہ مرد کے ذمہ عورتوں کا نفقہ، مہر اور مکان وغیرہ دینا واجب ہے، لہذا مرد افضل ہے۔ نیز اللہ نے مرد کو افضل کیا۔ لہذا افضل ہے۔

اللہ نے عورتوں پر مردوں کو چند طرح بزرگی دی۔ عورت میں نبوت اور خلافت نہیں، حدود و قصاص میں عورت کی گواہی معتبر نہیں، صرف عورتوں کی گواہی کسی معاملہ میں معتبر نہیں۔ عورت کی گواہی مرد سے نصف ہے۔ مرد تو پورے رمضان کے روزے رکھے اور نمازیں پڑھیں۔ مسجد میں آئے۔ قرآن کریم پڑھے۔ مگر عورت بحالتِ حیض و نفاس ان تمام امور سے محروم ہے۔ نیز جونکہ مالدار اپنے نوکر سے افضل ہے کہ اسے تنخواہ دیتا ہے۔ تو مرد بھی عورت پر بہت خرچ کرتا ہے لہذا وہ افضل ہے۔

۴۔ یہاں دو اعتراضات ہیں، ایک یہ کہ لازم آتا ہے تمام مرد ساری عورتوں سے افضل ہوں۔ تو بیٹا ماں سے بچوٹا۔ بھائی بہن سے۔ عام مومنین بلکہ معاذ اللہ غیر مومن صحابیات اور اہل بیت سے افضل ہونے چاہئیں۔ دوم یہ کہ بیٹا ماں باپ پر بڑھاپے میں خرچ کرتا ہے، بعض صورتوں میں عورت شوہر کو کھلاتی ہے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ ان صورتوں میں بیٹا ماں باپ سے اور عورت شوہر سے افضل ہو، کیونکہ بِمَآ اَنْفَقُوْا سے یہ ہی معلوم ہؤا کہ جو کسی کو خرچہ دے وہ اس سے افضل ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ یہاں الف ولام جنسی ہے۔ جس نے رجال ونساء کی جمعیت ختم کر دی۔ معنے یہ ہوئے کہ مردیت عوریت سے افضل ہے۔ اس سے لازم نہیں کہ ہر مرد ہر عورت سے افضل ہو۔ جیسے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مگر کافر انسان جبریل سے افضل نہیں، ہاں انسانیت ملکیت سے افضل ہے، یا جیسے باپ بیٹے سے بہتر ہے، لیکن اگر باپ غیر عالم یا غیر نبی ہو اور بیٹا عالم یا نبی ہو تو باپ بیٹے سے افضل نہیں۔ ہاں ابوت سے ضرور افضل ہے یہ فرق بہت باریک ہے۔ حقیقت اور چیز ہے افراد کچھ اور۔

یہاں بھی اگر قتل کی گواہی ایک ولی عورت دے معتبر نہیں۔ ہاں اگر ایک مومن مرد دے تو معتبر ہے، اسی طرح اگر دو عورتیں قطب الوقت مقدمہ میں گواہی دیں غیر معتبر ہے۔ دو مرد غیر قطب دیں معتبر، معلوم ہؤا کہ مرد ہونے کے احکام جداگانہ ہیں، دوم یہ کہ یہاں مراد مردوں سے شوہر اور عورتوں سے ان کی بیویاں ہیں، تو ہر عورت سے اس کا شوہر افضل ہے۔ فاطمہ زہرا سے علی مرتضٰے، صدیقۃ الکبریٰ سے حضور علیہ السلام یقیناً افضل ہیں۔ فاطمہ زہرا اور صدیقۃ الکبریٰ میں ایسی خصوصیات ہیں جو کسی مرد میں نہیں۔

نبی کی لاڈلی، بیوی ولی کی، ماں شہیدوں کی!

یہاں جلوہ نبوّت کا، ولایت کا، شہادت کا

خود سیدۃ النساء شوہر سید الاولیاء والد سید الانبیاء فرزند سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ لیکن پھر بھی حق زوجیت کے اعتبار سے حضرت علی کو حضرت زہرا پر فضیلت ہے، عائشہ صدیقہ خود صدیقہ والد صدیق شوہر نبی، ان کا حجرہ ملائکہ کی زیارت گاہ ان کی گود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری آرامگاہ۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نکاح حضور سے کیا۔ حالانکہ آپ سات سالہ تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف ۵۰ سال تھی۔ یہ بھی خبر تھی کہ صدیقہ کو نہ حضور کی میراث ملے گی اور نہ کسی سے بعد حضور نکاح جائز ہوگا۔ ۱۸ سال کی عمر شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا سے پردہ ہوا اور صدیقہ نے ۵۰ سال میں وفات پائی تو تمام جوانی صبر سے گزاری۔ مسلم باب الغسل میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ازواج نے بال کٹوا دیئے تھے۔ کہ بال تو زینت کے لئے ہوتے ہیں، اور اب زینت کس کے لئے کریں۔ ان تمام فضائل کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے کیا تمام عالم سے کہیں افضل ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ خرچ کرنا چند طرح کا ہے۔ رئیس نوکر کو تنخواہ دیتا ہے، لہذا اس کا افسر ہے۔ مگر حکومت کو ٹیکس دیتا ہے لیکن حکومت کا ماتحت ہے۔ اسی لئے اس آیت میں دو طرح افضلیت بیان کی بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ اور بِمَا اَنْفَقُوْا، اگر عورت شوہر پر خرچ کرے تو بھی شوہر سے افضل نہیں۔ کہ خرچ تو مرد پر تھا اتفاقاً و مجبوراً عورت نے خرچ کردیا۔ جیسے اگر کسی بچہ کو ماں پرورش نہ کرسکے اور بعد میں بچہ ماں کی پرورش کرے۔ تو بچہ درجہ میں ماں سے نہ بڑھے گا۔ کَذَا هٰذَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تنخواہ لے کر پالا تو کیا اس سے اُن کا حق مادری فوت ہوگیا؟ ہرگز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی ماتحت ہے، مرد افسر، لہذا عورت مرد سے مثل افسر کام نہ

لے نہ اس کا نام لے کر پکارے، بلکہ عورت کی نجات اپنے شوہر کو راضی رکھنے میں ہے، باوجودیکہ حضرت فاطمہ زہرا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور نظر، لخت جگر، جنتی بیویوں کی سردار ہیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر تصور کرتی تھیں۔

حکایت:۔ ایک بزرگ کسی کنوئیں پر پہنچے، سخت پیاسے تھے۔ دیکھا کہ کنوئیں پر ایک عورت کھڑی ہوئی ڈول پر ڈول نکال رہی ہے۔ اور گرا رہی ہے، آپ نے کہا مائی میں سخت پیاسا ہوں مجھے دو گھونٹ پانی پلا دے وہ بولی ٹھہر جاؤ، آپ بہت دیر کھڑے رہے۔ مگر اُس نے پانی نہ پلایا۔ آپ نے فرمایا۔ تو بڑی بے وقوف ہے کہ بے کار پانی بہا رہی ہے۔ اور مجھ پیاسے کو نہیں پلاتی، وہ بولی کہ دہلی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں یہاں سے اسے بجھا رہی ہوں، تجھ ایک کو پانی پلاؤں یا وہاں کے ہزار جلتوں کو بچاؤں آپ کو سخت تعجب ہوا اور پوچھا اے نیک بخت تجھے یہ درجہ کہاں سے ملا۔ وہ بولی اپنے شوہر کی خدمت سے، شوہر کی رضا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے حق تعالیٰ توفیق خیر دے۔

وعظ نمبر ۳۶

فضائل نبوی کا بیان

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○

یوں تو سارا قرآن محبوب کی عظمت کا اظہار فرماتا ہے، لیکن اس آیت کریمہ میں خاص صفات

کا ذکر ہے۔ اس جگہ حسب ذیل امور قابل غور ہیں یا سے کیا مقصود ہے۔ اَلنَّبِیُّ کا فائدہ کیا ہے شَاہِدًا کے کیا معنے ہیں بشارت اور دعوۃ الی اللہ کے نکتے۔ سراج منیر سے مراد اور اس کے فائدے۔

۱۔ ندا سے چند فائدے ہوتے ہیں۔ غافل کو اپنی طرف متوجہ کرنا جیسے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اظہار عتاب جیسے یا ابلیس یا خبیث اظہار کرامت، جیسے یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔ اظہار محبت، جیسے اے بیٹے اظہار عجز جیسے یا اللہ تکوین اور تاثیر جیسے یَا جِبَالُ اَوِّبِی مَعَہٗ وغیرہ یہاں ندا اظہار کرامت کے لئے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالےٰ سے کسی وقت غافل نہیں تاکہ ان کو متوجہ کیا جائے اسی لئے صفات سے ندا ہے۔

۲۔ اَلنَّبِیُّ یا تو نبوت سے بنا ہے بمعنے بلندی و مرتبہ یا نباء سے بمعنے غیب کی خبر دینا اس جگہ لفظ نبی اختیار فرمایا گیا، کیونکہ آگے مراتب کا ذکر ہے۔ تو اول ہی سے بلندی کا کلمہ ارشاد ہوا۔ یا کہ آگے شہادت کا ذکر ہے، اور شہادت سے خبر۔ اس لئے نبی بمعنے مخبر فرمایا۔ نیز اَرْسَلْنَا سے رسالت ثابت ہے۔ اگر یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ سے ندا ہوتی تو اَرْسَلْنَا سے علیحدہ فائدہ نہ ہوتا۔ اب نبوت و رسالت دونوں مذکور ہو گئیں، اور اگر یہ مراد لی جائے کہ نبی تو ہماری خبر لوگوں کو دینے والا اور شاہد اوروں کی خبر ہم کو دینے والا۔ تب تو لطف ہی آجائے، خدا خود خبیر ہے۔ مگر اوروں سے بھی خبر لیتا ہے۔ جیسے اعمال لکھنے والے فرشتوں سے قیامت کے دن گواہوں سے گواہی لے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق کی خبر مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا نبی ہیں اور مخلوق کی خبر خالق کے سامنے عرض کرتے ہیں۔ لہٰذا شاہد ہیں۔

۳۔ شاہد کے تین معنے ہیں گواہ، موجود، حاضر، محبوب، گواہ اور محبوب بھی واردات اور دل عاشق میں موجود رہتے ہیں۔ اس لئے انہیں شاہد کہا جاتا ہے۔ ان میں حاضری کے معنی ملحوظ ہیں۔ اس جگہ تینوں معنے بن سکتے ہیں۔ اگر بمعنے گواہ ہوں تو دو معنے ہوں گے۔ اولاً تو یہ کہ آپ گواہ ہیں ہمارے

کہ ہماری ذات وصفات، جنت و دوزخ، حشر و نشر وغیرہ کے گواہ۔ اسی لئے حضور نے فرمایا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوم یہ کہ قیامت میں آپ انبیاء اور لوگوں کے گواہ ہیں یا کفار کے مقابل ہمارے یہاں گواہی دیں گے وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا۔

اول معنے پر اعتراض یہ ہے کہ سارے پیغمبر گواہ بن کر آئے۔ اس میں حضور کی تخصیص نہیں پھر اسے مقام مدح میں کیوں ذکر فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ انبیاء کی گواہی سنی ہوئی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی دیکھی ہوئی اور دیکھی ہوئی گواہی اعلیٰ ہوتی ہے۔ نیز حضور نے سارے نبیوں کی گواہی دی کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ دیگر انبیاء نے بعض گزشتہ کی گواہی اور حضور کی بشارت، حضور سب کے گواہ ہیں کسی نبی کے بشیر نہیں۔ کیونکہ بشارت تو اگلا پچھلے کی دیتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں بشارت کس کی دیں، لہٰذا مطلق گواہ ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔

دوسرے معنے پر یہ اعتراض ہے کہ زمانہ حال اور عامل ذوالحال میں اتحاد چاہیئے، اور ارسال تو ہو چکا کب کا اور گواہی قیامت میں ہوگی نیز اور حضرات بھی گواہی دیں گے لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ حال مقدورہ ہے۔ جیسے کہ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ اور دنیا تو گواہ بننے کا وقت ہے اور قیامت گواہی دینے کا وقت ہوگا۔ آیت میں گواہ بننا مراد ہے۔ نیز قیامت میں اوروں کی گواہی سنی ہوئی، اور حضور کی عینی ہوگی۔ اسی لئے امت کی گواہی کے بعد حضور کی گواہی لی گئی۔

شاہد بمعنے موجود حاضر بھی ہو سکتے ہیں اور یہی اصل ہے عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ تو معنے یہ ہوئے کہ ہم نے آپکو حاضر ہر جگہ، ناظر ہر شئے کا بنا کر بھیجا۔ حاضر ناظر کے معنے نہ تو یہ ہیں کہ چند اجسام ہیں کہ جن سے آپ چند مقام پر حاضر ہیں۔ اور نہ یہ کہ جسم واحد تمام کو محیط ہے جیسے کہ۔

رب تعالےٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ یہاں قید نہیں کہ علیحدہ علیحدہ آئیں۔ بلکہ جمع کا صیغہ اجتماع کو بتا رہا ہے۔ نیز آج کل لوگ زمانہ حج میں جمع بنا کر ہی مدینہ پاک حاضر ہوتے ہیں۔ پردیسی لوگ سال میں اسی موقعہ پر جاتے ہیں۔ تم نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ حدیث کے معنے یہ ہیں کہ میری قبر کو لہو و لعب کی جگہ نہ بناؤ جیسے عید میں ہوتا ہے، بلکہ با ادب آؤ یا ہماری قبر پر اکثر آیا کرو عید کی طرح سال کے بعد نہ آؤ۔

اعتراض چہارم کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام امور تعظیم شعائر اللہ میں داخل ہیں (دیکھو تفسیر روح البیان آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت باب اللباس میں ہے کہ مقابر اولیاء اللہ پر غلاف ڈالنا اس لئے بہتر ہے کہ اس سے زائر کی نگاہ میں صاحب قبر کی وقعت ہوتی ہے۔ اگر یہ امور اسراف ہیں تو کعبہ معظمہ کو بھی غلاف پہناتے ہیں۔ روضہ پاک کو بھی قیمتی غلاف پہنایا گیا ہے۔ روسار چھتوں میں زینت کے لئے کپڑا لگاتے ہیں۔ شادی میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ نہ کسی نے آج تک ان چیزوں کو حرام کہا ہے اور نہ کہتا ہے۔ جب یہاں غرض صحیح یعنی تعظیم شعائر اللہ موجود ہے تو یہ اسراف کیوں ہوا؟ بے فائدہ مال خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے۔

مشابہت کفار کی بھی خوب نکالی، مشابہت کفار یہ ہے کہ جو چیز بری ہو یا کفار کا شعار قومی یا مذہبی بن گئی وہ بری ہے۔ کسی کام میں اشتراک حرام نہیں، فتح مکہ کے بعد مسلمانوں نے کہا کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس میں تشبیہ بالکفار ہے کہ وہ بتوں کی وجہ سے اس کی سعی کرتے تھے۔ ان کا رد کر دیا گیا کہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ یعنی تم تو حضرت ہاجرہ کی نقل کرتے ہو نہ کہ کفار کی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شے کسی بزرگ کی وجہ سے شعائر اللہ بن جائے تو بدعات مل جانے

کے بعد بھی اس کی حرمت اسی طرح رہے گی تمیم داری نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں چراغاں مسجد کیا۔ حضور نے دعا دی (دیکھو روح البیان آیت مذکورہ) اسی طرح مقابر مشائخ پر قبّہ بنانا جائز ہے (دیکھو شامی جلد اول اور روح البیان)

پنجم سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کے معنی یہ کئے جائیں کہ سوائے تین مسجدوں کے کہیں سفر نہ کرو۔ تو سفر تجارت ... وسفر زیارت والدین و سفر سیر وغیرہ سب ہی حرام ہو جائیں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ شامی جلد اول زیارت قبور میں بحث ہے کہ اولیاء اللہ فیوض میں مختلف ہیں لہٰذا سفر زیارت قبور جائز ہے۔ جیسے حکیم اور ڈاکٹر کے پاس سفر کر کے جاتے ہیں بخلاف مساجد کے۔ کہ سوائے تین مساجد کے باقی تمام شہروں کی مساجد ثواب میں برابر ہیں۔ جو ثواب گاؤں کی مسجد میں ہے وہ ہی دلی کی جامع مسجد میں ہے۔ لہٰذا شہروں کی مساجد کی طرف بایں خیال سفر کرنا کہ ثواب وہاں زیادہ ملے گا لغو ہے اور ناجائز یہ ہی حدیث مذکور کا مطلب سفر مزارات ایسا ہے جیسا کہ طبیبوں یا شفاخانوں کی طرف سفر امام شافعی امام اعظم کے مزار پر دعا مانگنے کے لئے فلسطین سے بغداد جاتے تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کی زیارت کے لئے سفر ضروری ہے مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ حدیث میں ہے۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ) جب مسلمان خدا کے گواہ ہیں۔ تو جس کو مسلمان ولی اللہ کہہ رہے ہیں، وہ یقیناً ولی اللہ ہی ہے۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کی تعریف کرنے پر فرمایا، کہ اس میت کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اور برائی کرنے پر فرمایا، کہ

اس میت کے لئے جہنم واجب ہو گئی۔ اسی حدیث کی تفسیر مرقات میں ہے لِسَانُ الْخَلْقِ اَقْلَامُ الْخَالِقِ یعنی زبان خلق نقارۂ خدا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زندگی کے احکام بعد موت جاری کئے جاتے ہیں تاوقتیکہ مغیر یقین سے معلوم نہ ہو۔ اسی لئے جو زندگی میں مسلمان تھا اس پر نماز جنازہ ہو گی۔ جو کافر تھا اس پر نہ ہو گی، خرابی خاتمہ کے احتمال سے نماز جنازہ نہ چھوڑی جائے گی، اسی طرح جو زندگی میں ولی تھا اس کو بعد موت بھی ولی مانا جائے گا، جیسے صحابی و تابعی کہ جو زندگی میں صحابی تھے وہ بعد وفات بھی صحابی ہیں۔

نوٹ:۔ اس آیت میں تعظیم مطلق ذکر ہوئی۔ کیونکہ ہر جگہ تعظیم کے طریقے مختلف ہیں۔ جس ملک میں تعظیم کا جو طریقہ مروج ہو اور اسلامی اصول کے خلاف نہ ہو جیسے تعظیمی بوسہ، وہ ہی ادا کیا جائے، تعظیم اور توہین میں نقل کی ضرورت نہیں، عرف لیا جائے گا۔ لفظ مہتر ملتان اور ایران میں کلمہ تعظیم ہے۔ شاہ چترال کو مہتر چترال کہا جاتا ہے۔ مگر لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ تو ملتان و ایران میں یہ کلمہ تعظیم ہے مگر اہل لکھنؤ اگر نبی کو یہ لفظ کہیں تو کافر ہوں گے جیسے رَاعِنَا یہود کی زبان میں گالی تھا۔ مدینہ کی لغت میں گالی نہ تھا۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح ۞ سندیاں را اصطلاح سند مدح
در حق او مدح در حق تو ذم ۞ در حق او شہد در حق تو سم
موصیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان درواناں دیگر اند

جس طرح کہ مختلف مکان کے مختلف احکام۔ اسی طرح مختلف زمان کے جدا جدا احکام ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اگر عام قبور پر قبہ بنانے کی ممانعت تھی تو زندوں کے مکان عمدہ بنانے کی اجازت کہاں تھی۔ ایک صحابی نے عمدہ مکان بنوایا تو جب تک انہوں نے گرا نہ دیا تب تک اُن کا سلام قبول نہ ہوا۔ لہذا اس وقت مساجد اور مقابر بھی اسی ہی

سادگی میں رہے۔

مگر جب زندوں کے مکانات اچھے بنے تو عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسجد نبوی کو بڑے شان سے آراستہ کیا کہ انسانوں کے گھر تو عمدہ ہوں اور بیچ میں اللہ کا گھر کچا، بجدا بڑی غیرت کی بات ہے۔ اسی طرح روضہ پاک کو بڑی شان سے تعمیر کیا گیا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا جو لوگ مقابر کو کھودتے ہیں وہ پہلے اپنے عالی شان مکانوں کو پیوند زمین کریں۔

اپنی کہانی: میں ایک دفعہ سیالکوٹ گیا، مولانا عبدالحکیم جنہیں منطق کی کتابوں میں فاضل لاہوری کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اُن کی مزار پُرانوار پر فاتحہ پڑھنے کا بہت شوق تھا، اولاً تو وہ جگہ بہت تلاش کے بعد بمشکل ملی، پھر دوپہر کا وقت تھا۔ گرمی شدت کی تھی، زمین تپ رہی تھی۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی قبر شریف کھلے میدان میں واقع تھی جس پر کوئی سائبان نہ تھا، آس پاس کی زمین چونے گچ کی تھی بمشکل تمام بہت ہی مختصر سی فاتحہ پڑھ سکا۔ نیچے سے پاؤں اوپر سے کھوپڑی تپ رہے تھے۔ شوق تھا کہ اس فخر پنجاب و ہند کی قبر پر بیٹھ کر دل کی حسرت نکال لوں مگر نہ ہو سکا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات کے قبے بہت ہی مفید ہیں جن سے زائرین کو خاص سہولت رہتی ہے۔

چونکہ وہابیوں کی قبور پر کوئی فاتحہ کے لئے آتا ہی نہیں، اس لئے وہ سب کو اپنی طرح سمجھ کر سب پر قبے بنانا حرام کہنے لگے۔

آج ہندوستان میں بہت جگہ قبرستان پر مشرکین و کفار نے قبضہ کر لیا۔ کیونکہ کچی قبریں کچھ دن میں بے نشان ہو گئیں، حدودِ قبرستان کا پورا ثبوت مسلمان نہ دے سکے، لہذا ان کی بیع ہو گئی۔ البتہ جن قبرستانوں میں پکی قبریں یا مقبروں کی عمارات موجود تھیں وہاں کسی

کافر کا قبضہ نہ ہو سکا کہ یہ عمارتیں اس کا پورا ثبوت تھیں، لہٰذا ہندوستان میں بعض قبور کا پختہ ہونا اس وقت بہت بہتر ہے۔

وعظ نمبر ۳۹

فضائل اولیاء کا بیان

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ

اس آیت کریمہ میں ایک جماعت محبوبین کا ذکر ہے۔ جن کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ اس کے متعلق تین چار امور قابل ذکر ہیں۔ اولاً یہ کہ اولیاء اللہ کی دنیا کو کیا ضرورت ہے اور دنیا میں ان کے وجود سے کیا فائدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اولیاء اللہ کسے کہتے ہیں تیسرے یہ کہ ولی اللہ کی پہچان کیا ہے۔ چوتھے یہ کہ لہم البشریٰ سے کیا مراد ہے۔

۱۔ جیسے کہ عالم اجسام میں بعض اجسام محتاج اور مستفیض ہیں اور بعض محتاج الیہ اور مفیض۔ آفتاب اور بارش محتاج الیہ ہے اور زمین و باغ محتاج۔ کہ زمین اپنی روشنی اور سرسبزی میں آفتاب و بارش کی محتاج ہے۔ اسی طرح روحانیات میں انبیائے کرام اور ان کے ذریعہ سے علماء و مشائخ و اولیاء اللہ عالم کے محتاج الیہ ہیں۔ اور عالم ان کا محتاج

ذاتِ پاکش ہست محتاج الیہ ؛ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

لہٰذا جیسے دنیا کو بارش اور آفتاب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح علماء اور اولیاء کی بھی ضرورت ہے۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں علماء کو بارش نبوت کا تالاب کہا گیا ہے۔

۲۔ رحمتوں کا دینے والا خدائے پاک ہے۔ قاسم محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اَللّٰہُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ اور ذریعہ و سبب تقسیم علماء و اولیاء ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ بِہِمْ یُرْزَقُوْنَ وَبِہِمْ یُمْطَرُوْنَ نیز ارشاد ہے کہ علماء کے لئے مچھلیاں دعائے بقا کرتی ہیں مرقات میں ہے کہ وہ جانتی ہیں کہ نزول بارش اور دریا کی روانی علماء کی وجہ سے ہے نیز آخر مشکوٰۃ میں ہے یُسْتَقٰی بِہِمُ الْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِہِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَیُصْرَفُ عَنْ اَھْلِ الشَّامِ بِہِمُ الْعَذَابُ۔

۳۔ خدا تک رسائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک رسائی علماء و اولیاء کے ذریعہ سے سینۂ نبوت سے نور صحابہ کرام نے بلا واسطہ حاصل کیا۔ پھر بعد والوں نے اولیاء اللہ سے لیا اولیاء کے سینے نور نبوت کے آئینے ہیں کہ نور نبوت ان شیشوں میں چھن چھن کر عالم کو منور کر رہا ہے۔ اسی لئے بیعت کی جاتی ہے تاکہ کسی شیشہ کے سامنے آجائیں اور بے نور نہ رہیں۔

۴۔ اس لئے کہ انبیائے کرام خلق کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے تشریف لاتے، بعد ختم سلسلہ نبوت وہ کام دو گروہوں کو سپرد ہوا۔ ظاہری اصلاح علماء کے اور باطنی اصلاح اولیاء اللہ کے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت قیامت تک رہے گی۔ فرمایا اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ تو ضروری تھا کہ تاقیامت نبوت کے تمام کام انجام پاتے رہیں یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں گروہ موجود رہیں، نماز میں جسم پاک کرا دینا، قبلہ رو کھڑا کر

دینا، شرائط وارکان ادا کرا دینا علماء کا کام ہے۔ اور خلوص و حضورِ قلب بواسطہ اولیاء ملتا ہے۔ گویا شرائط صحت علماء سے ملتی ہیں اور شرائط قبول اولیاء سے۔

۵۔ ایمان تو عالم دین سے ملتا ہے۔ مگر ایمان کی حفاظت اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اسی لئے اولیاء علماء کے شاگرد ہوتے ہیں۔ اور علماء اولیاء کے مرید۔ نزع کے وقت امام رازی کے دلائلِ توحید شیطان نے توڑ دیئے، تب اُن کے مرشد نے دور سے پکار کر کہدے میں نے بلادلیل خدا کو ایک پہچانا، یہ کہہ کر مولانا ایمان سلامت لے گئے مثنوی شریف میں ہے ؎

گر باستدلال کارِ دین بُدے ! ٭ فخر رازی رازدارِ دین بُدے !
پائے استدلالیاں چوبیں بود ! ٭ پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

چھٹے، جیسے جسموں پر بیماریاں آتی رہتی ہیں۔ اور لوہے پر زنگ اسی طرح دل پر رَین یعنے زنگ آتی رہتی ہے، بیماری اجسام کے لئے اطبائے یونان پیدا ہوئے اور بیماری دل کے لئے اطبائے ایمان ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں ! ٭ حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

زنگ والے لوہے کے لئے بھٹی کی ضرورت ہے۔ مگر زنگ آلودہ دل کے لئے صحبت اولیاء اللہ اور عبادات درکار ہیں۔ مگر تاثیر میں صحبت اولیاء عبادت سے تیز تر ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت آہستہ آہستہ زنگ اور سیاہی قلب دور کرتی ہے۔ مگر صحبتِ ولی آن کی آن میں کایا پلٹ دیتی ہے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ٭ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضور غوث پاک کی بارگاہ میں چور بری نیت سے آیا مگر کچھ نہ پایا خدام کو فرمایا۔ کہ فلاں مقام کے ولی کا انتقال ہوگیا ہے۔ وہاں اسے قطب بنا کر بھیج دو۔ ایک ڈاکو نے جنگل

میں آپ کا دامن بُرے ارادہ سے پکڑ آتا کہ قبا چھین سے ۔ دعا کی الٰہ العالمین اس نے عبد القادر کا دامن پکڑ لیا ہے ۔ حشر تک نہ چھوٹے ، ڈاکو فوراً ولی ہوگیا ۔ اور یہ ڈاکو عمر بھر نمازیں پڑھتا تو یہ قرب حاصل نہ ہوتا ، مگر ؎

نگاہ مردِ مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں

ساتویں ۔ جیسے دنیاوی مسافر کے لئے راہبر کی ضرورت ہے ۔ اسی طرح عالم بالا کے مسافر کو راہبرِ طریقت کی ضرورت ہے ، ورنہ راہ راہ میں راہ مارو پھرتے ہیں ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ۔ ہست بس پر آفت و خوف و خطر

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ! ۔ ہمچو موسےٰ زیرِ حکمِ خضر رو !

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

۲ ۔ ولی کے معنے ہیں قریب ، مددگار اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ولی ۔ اس آیت میں قریب بمعنے اللہ سے قریب رکھنے والا مراد ہے ۔ رہا یہ کہ ولی کون ہے ۔ اس کو خود قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ولی وہ جو ایمان و اعمال صالحہ کا جامع ہو بغیر ایمان کچھ کر و ولایت حاصل نہیں ۔ اور بغیر تقویٰ و طہارت ظاہری کے باطنی طہارت میسر ہونا محال ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ! ۔ تواں یافت جز در پئے مصطفےٰ

وہابی ، دیوبندی ، قادیانی وغیرہ کتنی عبادات کریں ۔ ولایت میسر نہیں ہوتی کہ ایمان وہاں مفقود ہے ۔ اب ایمان اور تقویٰ کے تین درجے ہیں ۔ اسی لئے ولایت کے تین مرتبے ولایت عام ، ولایت خاص ولایت اخص الخواص ۔ ایمان نام ہے تمام دینی امور کو یقین سے ماننا یقین تین طرح کا ہے ۔ علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین یعنے سن کر یقین ، دیکھ

کر یقین۔ اس میں فنا ہو کر یقین۔ جیسے آگ کو سن کر گرم ماننا۔ اس کے پاس بیٹھ کر گرمی محسوس کر کے گرم ماننا، آگ میں آپ کو ڈال کر فنافی النار ہو کر گرمی کا یقین کرنا، پہلا یقین تو ہر مسلمان کو حاصل ہے دوسرا یقین خاص حضرات کو ہے۔ اسی یقین کو حاصل کرنے کے لئے حضرت خلیل نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اسی یقین کو بخشنے کے لئے معراج کرائی گئی نیز ارشاد ہوا وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تیسری قسم کا یقین فنافی الرسول یا فنافی اللہ والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جب ولی اس درجہ پر پہنچتا ہے۔ تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں۔ پلاتا ہے تو پیتے ہیں۔ بلاتا ہے تو بولتے ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! ، گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوں روا باشد اَنَا اللّٰہ از درخت!

کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت!

مشکوٰۃ باب الذکر میں حدیث قدسی ہے۔ رب فرماتا ہے میں اپنے دل کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے، ان کی آنکھ و زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا اور بولتا ہے۔ اس حال پر پہنچکر بعض حضرات اَنَا الْحَق کہہ کر سولی پا گئے اسی کو فرمایا گیا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی نیز فرمایا گیا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ط۔

ولایت کے درجات اور مراتب بے شمار ہیں۔ انہی مراتب کا بیان مختلف طرح سے صحابہ کرام اور صوفیائے عظام نے فرمایا کسی نے مبداؤ کر کیا، کسی نے منتہی۔ بعض مست بجمال عقل و دانش کو بیٹھتے ہیں۔ جن کو مجذوب کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب عقل

وحواس ہی درست نہیں۔ تو ان کے قول وافعال پر احکام شرعیہ کیسے۔ منصور نے اَنَا الْحَقُّ کہا۔ وہ تو مومن ہی رہے۔ کیونکہ وہ انانیت فنا کر چکنے کے بعد کہہ رہے تھے۔ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا کافر ہوا کہ وہ انا تھا اور پھر رب بنا۔

لطیفہ:۔ فنا فی اللہ تو دیوانہ ہو کر انا الحق کہہ سکتا ہے۔ مگر فنا فی الرسول دیوانہ ہو کر اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مقام ناز ہے اور یہ مقام ادب۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار

یہ ہی ان اشعار کا مطلب ہے کہ ؎

بندہ از بندگی خدا گوید ❊ نہ تو اند کہ مصطفٰے گوید

قطرہ در آب رفت آب شود ❊ نہ تواند کہ درِ نایاب شود

کوئلہ آگ میں گیا، آگ نے ایسی سرایت کی کہ آگ کی طرح تاثیر پیدا ہو گئی بعض وہ ہیں ع

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں میں شامل

ان کو سالک کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات کسی پیغمبر کے قدم بہ قدم ہوتے ہیں۔ ولایت عیسوی والے تارک الدنیا ہوتے ہیں، ولایت ابراہیمی والے مظہر جمال ولایت، نوحی والے مظہر جلال ولایت۔ سلیمانی والے صاحب تخت وتاج اور ولایت مصطفوی والے جامع صفات حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ ❊ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

اس کا یہ ہی مطلب ہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور نے صدیق

وفاروق سے مشورہ کیا۔ صدیق نے معافی اور معاوضہ کے متعلق عرض کیا اور فاروق نے قتل کا مشورہ پیش کیا۔ ارشاد ہوا کہ اے صدیق تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی سی ہے کہ فرماتے ہیں فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْم اور اے فاروق تمہاری مثال حضرت نوح کی سی ہے جو فرماتے تھے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہ کی پہچان سخت مشکل ہے بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ دلہن ہیں اور دلہن تک رسائی نہیں ہوتی، مگر اس کے محرم کی، اسی طرح "ولی را ولی می شناسد" یا تو ولی کو ولی جانتے یا جس کو اللہ نفع پہنچانا چاہے۔ شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے مگر ولی کا پہچاننا مشکل، کیونکہ خدا تو ذات وصفات میں مخلوق سے ممتاز ہے۔ پھر ہر مخلوق اس پر گواہ مگر ولی شکل وصورت افعال میں بالکل ہماری طرح (روح البیان یہ ہی مقام) اسی لئے مشکوٰۃ باب فضل الفقراء میں آیا کہ بہت سے پراگندہ حال۔ بکھرے بال، دروازوں سے جن کو دھکے دیئے جاتے ہیں اگر خدا پر قسم کھائیں تو پوری فرمائی جائے سے

خاکساران جہان را بحقارت منگر!
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اب لوگوں نے اپنی طرف سے ولی کی علامتیں مقرر کی ہیں۔ بعض نے کہا ولی وہ جو کرامات دکھائے۔ مگر غلط۔ اس لئے کہ چار چیزیں ہیں کرامت، معجزہ، ارہاص، استدراج اگر خلاف عادت کام مدعی نبوت کے ہاتھ پر تصدیق دعویٰ کے لئے صادر ہو تو معجزہ ہے اور نبی کے ہاتھ پر قبل دعوے نبوت ظاہر ہو تو وہ ارہاص۔ جیسے حضرت حلیمہ کے یہاں حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برکات وغیرہ۔ اگر نبی کے تابع کے ہاتھ پر صادر ہو تو کرامت اگر کافر کے ہاتھ پر ہو تو استدراج ہے، سینکڑوں خلاف عادت کام کفار، شیاطین اور خاص کر دجال کے ہاتھ پر صادر ہوں گے، اور بڑے بڑے اولیاء اللہ سے صادر نہ ہوتے۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہوا میں اڑنا ولایت ہے تو گدھ اور چیل بڑی ولی ہے، اگر پانی میں تیرنا ولایت ہے تو مچھلی اور تنکا سب سے بڑا ولی ہے، اور اگر دل کی بات جاننا ولایت ہے تو شیطان بڑا ولی ہے کہ وسوسہ اور خطرات تک کی خبر رکھتا ہے۔

بعض نے کہا کہ ولی وہ جو تارک الدنیا ہو۔ گھر بار نہ رکھتا ہو یہ بھی محض غلط ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان غنی، حضور غوث پاک، مولانا روم بڑے صاحب کمال تھے، کیا ولی نہ تھے؟ یہ حضرات تو ولی گر تھے اور بہت سے کفار سنیاسی تارک الدنیا ہیں کیا ولی ہیں۔ بعض نے کہا کہ ولی وہ جو عقل کھو چکا ہو۔ یہ بھی بے عقلی کی بات ہے۔ ابھی عرض کیا گیا کہ مجذوب سے سالک افضل ہے۔ اور مجذوب بے فیض۔ نیز سالک طاقتور اور مجذوب کمزور سے

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبستی

بعض بیہودے دعویٰ ولایت کرتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے کہتے ہیں کہ ہم تو کعبہ میں پڑھتے ہیں۔ روٹی اور نذرانہ مرید کے گھر سے لیتے ہیں۔ غرض جس قدر منہ اسی قدر باتیں اور تمام لغو۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ولی مختلف مراتب رکھتے ہیں ہر ایک ہی انبیاء کے مظہر ہیں۔ اسی لئے ان کی علامات بھی مختلف ہیں۔ ایک ہی علامت سب میں تلاش کرنا

غلطی ہے۔ ایک حکومت کے مختلف محکمے ہیں۔ ہر محکمہ کی علیحدہ وردی پگڑی بنی ہے، ایک علامت سب میں کیوں تلاش کی جائے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں ولی کی مختلف علامتیں بیان ہوئیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے (خازن) حتے کہ بعض اولیاء جس جگہ بیٹھ جاتے ہیں، وہاں کے جانور بلکہ درودیوار بھی ذاکر ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں ولی وہ جس کا چہرہ زرد، آنکھیں تر، پیٹ بھوکے ہوں (روح البیان) سے

عاشقاں راتش نشان ست اے پسر ✽ آہ سردو رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام ✽ کم خورد کم گفتن و خفتن حرام

بعض اولیاء فرماتے ہیں ولی کی پہچان یہ کہ وہ دنیا کی فکر سے لاپرواہ، فکرِ مولےٰ میں مشغول ہو۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو لِوَجْهِ اللّٰهِ محبت وعداوت رکھے، قرآن کریم نے مختلف مقام پر مختلف علامات بیان فرمائے۔ سورۂ فتح کے آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ الآیۃ یعنی جو ہمارے نبی کے ساتھی ہیں۔ حسب ذیل علامات رکھتے ہیں، کفار پر سخت، مسلمان بھائی پر نرم رکوع اور سجدے میں رہنے والے۔ خدا کے فضل ورضا کے جویاں اور ان کے چہرے میں سجدوں کے داغ۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو ایمان لائیں اور پرہیزگار ہوں کہیں فرمایا کہ نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔

ہم بیان کر چکے کہ مراتب اولیاء اللہ بے حد ہیں (روح البیان) ان میں سے بعض درجات تو کسب سے حاصل ہو سکتے ہیں جیسے ایمان وتقویٰ وغیرہ اور بعض محض عطائے الٰہی ہیں جیسے کہ تقرب خاص ومقبولیت اور فنائیت۔ یہ چیزیں عطائے

الٰہی سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ میرا صحابی ایک مُد جَو خیرات کرے اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے تو برابر نہ ہوگا (مشکوٰۃ فضائل الصحابہ) وجہ یہ ہی ہے کہ وہ مقبولیت کہاں سے آئے، جو محض عطائے الٰہی ہے حالانکہ صحابہ کرام بھی اولیاء اللہ ہیں کوئی غوث قطب صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

۴۔ اولیاء اللہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات زمین کے چاند و تارے ہیں۔ جیسے آسمان کی نورانیت، بلکہ اس کا بقا اور زینت تاروں سے ہے اسی طرح زمین کا بقاء و روشنی اولیاء اللہ سے ہے (حدیث مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ) قرآن کریم نے جگہ جگہ ان کے مراتب بیان فرمائے، کہیں فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کہیں فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ الآیۃ یہ سب حضرات کشتہ خنجر تسلیم ہیں شہداء کے حکم میں داخل ہیں (دیکھو روح البیان پارہ دوم) ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ! ٭ ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

اس آیت میں اولیاء اللہ کے پانچ فضائل بیان کیے گئے۔ اُن کو خوف نہیں ۲ وہ غمگین نہ ہوں گے۔ اُن کے لئے دنیا میں خوشخبری، آخرت میں بشارت ہے۔ اُن کو بڑی کامیابی ہے۔

اس میں دھوکا پڑتا ہے کہ اولیاء کو کسی قسم کا کسی سے خوف نہیں حالانکہ یہ غلط ہے انکو خدا کا خوف اوروں سے زیادہ ہے۔ خاتمہ خراب کا خوف ہے، قیامت کا خوف ہے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تیل والی پوچھا کرتی تھی کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم؟ تو فرماتے تھے کہ اگر مجھے خاتمہ بالخیر نصیب ہو جائے تو میری داڑھی

اچھی، ورنہ تیرے بیل کی دُم اچھی (شرح فقہ اکبر) یہ ہے خوفِ خاتمہ۔ پھر انہیں سانپ بچھو دیگر اشیاء سے بھی خوف ہوتا ہے۔ پس آیت کے کیا معنے ہیں۔ اور کون سے خوف کی نفی کی گئی ہے۔

اس لئے آیت کی چند توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں نقصان دہ خوف کی نفی ہے۔ نہ کہ خوفِ مفید کی، خدا سے خوف مفید ہے نہ کہ مضر علاوہ ضرر کے لئے آتا ہے۔ نیز خدا کے خوف کو اکثر خشیت کہتے ہیں۔ مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا مضر خوف ایسا ہے۔ جیسے دنیاوی خوف کی وجہ سے نماز نہ پڑھے مسجد میں نہ جائے۔ روزہ یا حج ادا نہ کرے۔ بیماری یا جانور یا دریا کا خوف، یا ملازمت چھوٹنے کا ڈر۔ ان چیزوں سے روک دے اس کی یہاں نفی ہے۔ کہ یہ چیزیں خود اولیاء سے ڈرتی ہیں۔ وہ ان چیزوں سے کیا ڈریں۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک بزرگ کو شیر پر سوار دیکھا (دیکھو بوستان) حضرت سفینہ نے شیر سے کہا کہ میں غلام رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) راستہ بھول گیا ہوں۔ اس نے راستہ بتایا۔ مخدوم صاحب کچھوچھوی کے نام سے جن اور شیاطین بھاگتے ہیں۔ غرضیکہ موذی جانور اور دنیاوی چیزیں اولیاء اللہ سے ڈرتی ہیں۔

یا یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے یعنے اس دن عامۃ المسلمین کو تو اپنا خوف اور حساب کا کھٹکا ہوگا۔ گزشتہ زندگی پر ندامت اور حزن و غم بھی ہوگا۔ انبیائے کرام کو اپنی امت پر خوف ہوگا۔ اور جو جہنم میں گئے ان کا رنج ہوگا۔ اسی لئے وہ حضرات رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ فرمائیں گے۔ مگر اولیاء اللہ کو خوف و غم نہیں۔ کہ یہ حضرات شفاعت کے ذمہ دار نہیں (روح البیان یہ ہی مقام)

یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ کہ بروز قیامت انبیائے کرام اولیاء اللہ پر غبطہ فرمائیں گے، جیسے بادشاہ اپنی ذمہ دارانہ زندگی دیکھ کر غریب کی آزادانہ زندگی پر غبطہ کرتے ہیں۔ نیز اولیاء اللہ کو حساب کا بھی ڈر نہ ہوگا، کیوں کہ اول تو سوائے لنگوٹے کے ان کے پاس تھا ہی کیا، اور جو کچھ تھا بھی، وہ محض اللہ کے لئے کھایا تو اس کے لئے سوئے تو اس کے لئے، حساب کیا سے

دیا جو تو نے وہ کھایا پیا چلے آئے ٭ گدا سے کیسا حساب وکتاب ہوتا ہے

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام عالم کے حساب کی فکر ہوگی اسی لئے صدیقہ الکبریٰ نے پوچھا کہ حضور قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کیا جائے؟ فرمایا۔ میزان پر، صراط پر، یا کوثر پر، کبھی رو رو کر شفاعت فرما رہے، کبھی صراط پر گرتوں کو سنبھال رہے ہیں کبھی گنہگاروں کا نیکی کا پلہ وزنی فرما رہے ہیں، ایک جان ہے۔ اور فکر جہاں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ شَفِیْعِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اسی طرح قیامت میں عامۃ المسلمین کو تو اپنی گزشتہ زندگی کی کوتاہیوں پر حزن وافسوس اور انبیائے کرام کو اپنی گنہ گاران امت کے گناہ گزشتہ پر ملال ہوگا۔ حدیث معراج میں ہے۔ کہ ہم نے ایک مقام پر ایک بزرگ کو دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں ارواح ہیں داہنے کو دیکھ کر خوش اور بائیں کو دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔ جبریل امین نے عرض کیا کہ یہ حضرت آدم ہیں، داہنے طرف ارواح مومنین ہیں اور بائیں طرف ارواح کفار۔ ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آنسو بہاتے ہیں۔ یہ محبت پدری کا تقاضا ہے۔ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام رات رات بھر روتے ہوئے گزارتے تھے اور امت کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کو بار بار

پڑھتے تھے۔ اسی طرح وہاں بھی ماں باپ، قرابت دار تو اپنی اپنی فکروں میں، مگر وہ امت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی فکر میں ہیں۔ اولیاء اللہ ان دونوں غموں سے دور ہونگے یہ مراد ہے وَلَا یَحْزَنُوْنَ سے۔

۴۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى کی دو توجیہیں ہیں ایک یہ کہ بشریٰ سے مراد اسم مفعول ہے بمعنے خوشی کی چیزیں۔ یعنے حقیقی خوشی دارین میں اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہے۔ کہ ان کا دل دنیاوی تفکرات سے اثر نہیں لیتا۔ بلکہ دنیا کی فکریں مثل دریا کے ہیں۔ اور ان کے قلوب مثل کشتی کے دریا پر کشتی رہے تو محفوظ ہے اور دریا کشتی میں ہو تو ہلاکت، وہ تو دنیا پر ہیں اور ہم لوگوں کے قلوب میں دنیا ہے ؎

صحابہ کا زمانہ اور تھا یہ اور جمرمٹ ہے۔
وہاں سینوں میں قرآن تھا یہاں سینوں میں لسکٹ ہے،

آب دریا زیر کشتی پشتی است ۔ آب در کشتی ہلاک کشتی است!

عشق خدا اور رسول نے دل میں تفکرات کے رہنے کی جگہ ہی نہ چھوڑی، جس گھر میں مالک نہ ہو وہاں جن رہتے ہیں۔ مگر آباد اور روشن گھر میں کوئی بھوت نہیں آتا ؎

نور الٰہ کیا ہے محبت حبیب کی!
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

یہ تو تھا دنیا کا حال۔ رہی موت، وہ ان کے لئے وصل محبوب کا ایک ذریعہ ہے۔ رہی قبر، وہ دیدار مصطفےٰ کی جگہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم قبر بھی ان کو پیاری، رہی قیامت، اس دن وہ سایہ عرش میں ہیں۔ یہ بشریٰ آخرت ہے۔ لقائے محبوب کے لئے تمنائے موت بھی جائز ہے (دیکھو مشکوٰۃ)

بشریٰ کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دنیاوی بشریٰ سے مراد ہے اچھی خوابیں، الہامات اور کشف۔ حدیث پاک میں ہے کہ سچی خواب نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہے کہ زمانہ نبوت ۲۳ سال ہے اور اس سے قبل اچھی خوابیں چھ ماہ ہوئیں جو ۲۳ سال کا ۴۶ واں حصہ ہیں اور آخرت میں ملائکہ رحمت کا بشارتیں پیش کرنا۔ سلام عرض کرنا آخری بشارت ہے۔

تیسری توجیہ یہ ہے، کہ دنیاوی بشارت مسلمانوں کا ان کو ولی سمجھنا اور ان کو اچھا جاننا ہے، کہ خلق کی زبان، خالق کے اقلام ہیں۔ مجھ سے مکہ مکرمہ میں امام حرم شریف نے کہا کہ جن کو تم اولیاء اللہ کہہ کر ان کی قبروں پر جاتے ہو تمہیں کیا خبر کہ ان کو خاتمہ بالخیر بھی میسر ہوا یا نہیں میں نے وہ حدیث پڑھ دی اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ اور آخرت میں بشارت چہرے کا نور اور نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ہونا ہے۔

وعظ نمبر ۴

منافقین کے حالات کا بیان

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ ان کا تعلق گزشتہ آیات سے کیا ہے۔ منافق کسے کہتے ہیں۔ درک اسفل کیا چیز ہے اور وہاں عذاب کس طرح کا ہوگا اور

لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا سے کیا مراد ہے۔

۱۔ کتب طب میں بیان امراض میں چار پانچ امور بیان ہوتے ہیں، مرض کا نام، مرض کی کیفیت، علامات، انجام کہ مہلک ہے یا خطرناک، اس کا علاج۔ اس روحانی طب کی کتاب یعنے قرآن کریم نے مرض قلب یعنے نفاق کا ذکر فرمایا پھر اس کی کیفیت بیان فرمائی کہ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وغیرہ۔ پھر اس کی علامات بیان فرمائیں کہ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا چار علامات بیان ہوئیں۔ نماز میں سستی کرنا یعنے یا تو دیر سے نماز کے لئے اٹھنا یا تراویح وغیرہ میں بیٹھے رہنا، رکوع میں مل جانا دنیاوی نفع کے لئے دنیاوالوں کو دکھا کر نماز پڑھنا ورنہ تعلیم کے لئے نماز دکھانا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر نماز جماعت پڑھی اور اونٹ پر طواف کیا، یا جماعت سے پڑھنا وغیرہ جائز ہے۔ تیسری خدا کا ذکر کم کرنا یعنی یا تو نماز میں تھوڑی آیات پڑھنا قدر مسنون سے کم یا بیرون نماز خدا کا ذکر نہ کرنا بخلاف مسلمان کے کہ وہ ہر موقع پر بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ مَعَاذَ اللّٰهِ، اِنْ شَآءَ اللّٰهُ جَزَاكَ اللّٰهُ۔ مَاشَآءَ اللّٰهُ وغیرہ کہتا ہے۔ اب اس آیت میں انجام نفاق اور اِلَّا الَّذِيْنَ میں علاج نفاق کا ذکر فرمایا گیا۔

۲۔ منافق یا تو نافقہ سے بنا ہے۔ یا نفقہ سے، یا نفاق سے نافقہ کہتے ہیں لومڑی کے رہنے کے سوراخ کو۔ اس میں دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک چھپا ہوا۔ اگر کوئی شکاری اس کا دروازہ بند کر دے تو چپکے سے دوسری راہ سے نکل جاتی ہے۔ اسی طرح منافق دو راستے اختیار کرتا ہے۔ ظاہر میں اسلام اور باطن میں کفر۔ نفقہ یا نفاق کے معنے ہیں علیحدہ علیحدہ ہونا، وفاق ایک ہونا۔ خرچ کو نفقہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس میں جمع شدہ

روپیہ علیحدہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ کچھ کپڑے والے کو کچھ غلے والے کو۔ کچھ اور جگہ بکھیر دیا جاتا ہے۔

شریعت میں منافق اس کو کہتے ہیں جس کا دل اور زبان ایک نہ ہوں علیحدہ علیحدہ ہوں یعنے دل میں کفر اور زبان پر اسلام ہو۔ اگر اس کا عکس ہے۔ تو اس کو ساتر کہنا مناسب ہوگا۔ یہ بلا ضرورت ناجائز اور ضرورۃً جائز ہے۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اور اگر دل وزبان سے کافر ہے تو مجاہر ہے۔ اور اگر دونوں سے مسلمان ہے، تو اسے مخلص کہتے ہیں۔ شرعی منافق کی دو قسمیں ہیں۔ منافق اعتقادی اور منافق عملی۔ منافق اعتقادی کا ذکر تو ہو چکا۔ منافق عملی وہ جو منافقوں کے سے کام کرے۔ جیسے نماز میں سستی ترکِ جماعت، خلاف وعدہ کرنا امانت میں خیانت کرنا وغیرہ۔ یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ (الحدیث)

۳۔ منافق اعتقادی کی سزا کا یہاں ذکر فرمایا گیا کہ وہ جہنم کے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ دوزخ کے درجے کل سات ہیں۔ سعیر، سقر، (حطمہ) ہاویہ، لظےٰ، جحیم، جہنم، ہاویہ سب سے آخری طبقہ ہے (روح البیان یہ ہی مقام وخازن) اسی طرح جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔ خلد بریں، فردوس عدن، دارالسلام، دارالقرار، ماویٰ، نعیم، علیین۔ جنت میں جتنا اونچا درجہ، اتنا ہی اعلیٰ ثواب۔ جہنم میں جس قدر نیچا درجہ اسی قدر سخت عذاب درک اونچے نیچے درجہ کو کہتے ہیں (روح البیان) خواہ اونچائی نیچائی رہتی ہو یا مکانی رہتی جیسے ریل میں فسٹ، سیکنڈ وغیرہ پھر ان درکات میں بہت سے درجے اور ہر درجہ میں فرق مراتب۔ تھرڈ میں ریل کے بہت ڈبے، ہر ڈبہ میں علیحدہ بنچ جو کھڑکی کے برابر ہیں وہ آرام میں جو بیچ میں ہیں معمولی ہیں اسی طرح دوزخ میں بہت درجے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاویہ کا معمولی عذاب یہ ہے۔ کہ مجرم کو وہاں آگ کی پیٹی میں بند کیا جائے گا جس میں کوئی دروازہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاویہ تین گروہ ہوں گے، منافقین، اصحاب مائدہ جنکے بارے میں آتا ہے۔ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ تیسرے آلِ فرعون اُدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (روح البیان) منافقین کو سخت عذاب بمقابلہ کفار اس لئے ہے کہ کفار صرف کفر کے مجرم، مگر یہ کفر و استہزا اور دھوکا دہی کے مجرم ہیں نیز دنیا میں منافق مزے میں رہے کہ جانبین سے نفع حاصل کرتے رہے، لہٰذا ب زیادہ تکلیف میں۔ نیز وہ دنیا میں ہر کافر کے فضلہ خوار تھے کہ ہر ایک کے بھائی، یہاں جہنم میں نیچے رکھے گئے کہ تمام اہل دوزخ کی پیپ دھوون بہ کر جو آئے پئیں۔

۴۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جب جہنم ایک ہے تو اس کے درجات میں فرق کیونکر ہوا؟ اس فرق کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو آگ ایک ہی جگہ جل رہی ہو۔ مگر اس کے اثر مختلف طبقات میں مختلف ہوں جیسے حمام میں ہوتا ہے۔ یا ایک ہی دھوپ میں سوداوی، بلغمی، صفراوی مزاج کے لوگ بیٹھیں۔ تو سوداوی کو تکلیف زیادہ اور بلغمی کو کم۔ اسی طرح وہاں ہوگا۔ (روح البیان وخازن) نیز ایک ہی آفتاب مختلف ملکوں اور اقلیموں میں گرمی اور سردی مختلف دیتا ہے۔ ایک ہی ملک میں مختلف زمانوں میں سردی، گرمی بدلتی رہتی ہے۔ پھر گرمی کے زمانہ میں زمین پر گرمی ہوتی ہے۔ مگر فضا میں ٹھنڈک اور پہاڑوں پر سردی ہوتی ہے۔ اسی طرح دوزخ میں ہوگا کہ آگ ایک جگہ مگر آگ کے قریب و بعید ہونے کی وجہ سے کہیں ٹھنڈک، کہیں گرمی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر درجہ میں علیحدہ علیحدہ آگ ہو، اور ہر آگ کی گرمی مختلف، آج بھی دنیا میں بعض لکڑیوں کی آنچ تیز ہوتی ہے اور بعض کی نرم۔

پتھر کے کوئلے کی آنچ تیز ہے کہ تھوڑے کوئلہ سے ہانڈی پک جاتی ہے۔ اور دوسرے کوئلہ کی آنچ کچھ نرم ہوتی ہے۔ اسی طرح وہاں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل دوزخ عذاب میں مختلف ہوں گے۔ حتیٰ کہ ابوطالب صرف دوزخ کے چھیرے میں آگ سے دور ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی خدمت کی۔ ابولہب پر خوشی میلاد سے دوشنبہ کے دن عذاب میں تخفیف ہے (دیکھو بخاری کتاب الرضاع)

۴۔ وَلَمْ تَجِدْ لَهُمْ نَصِيْرًا سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین اپنی بے دینی کی وجہ سے قیامت کے دن کسی سے مدد اور فائدہ حاصل نہ کرسکیں گے۔ بخلاف مومنین کے، کہ ان کی شفاعت پیغمبر، ماں باپ، چھوٹی اولاد۔ اعمال صالحہ، قرآن و رمضان سب ہی کریں گے یہ ہی حدیث تبلیغ کا مطلب ہے کہ يَا فَاطِمَةُ سَلِيْنِيْ مِنْ مَالِيْ مَا شِئْتِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو ہم تمہارے کام نہ آئیں گے۔ یا اللہ سے مقابلہ کرکے تم سے دفع عذاب نہیں فرمائیں گے۔ پھر فرمایا كُلُّ نَسَبٍ وَسَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا نَسَبِيْ وَسَبَبِيْ قیامت میں سب رشتے اور نسب ٹوٹ جائیں گے سوائے ہمارے رشتہ کے اور نسب کے۔

نیز مسلمان کے لئے مسلم قوم زندگی میں اور بوقت موت دفن میں۔ قیامت میں امداد کرے گی۔ کہ زندگی میں کلمہ پڑھا، یا بوقتِ موت تلقین کی۔ بعد دفن ایصالِ ثواب کیا بخلاف منافق کے کہ اس کی امداد کبھی کوئی نہیں کرتا۔

وعظ نمبر ۴۱

حضور کی ذات دلیلِ الٰہی ہے

یٰاَیُّہَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْہَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا○ اس آیت کریمہ میں چند امور قابلِ غور ہیں۔ اس کا تعلق گزشتہ آیتوں سے کیا ہے، برہان سے کیا مراد ہے۔ نور مبین کا کیا مطلب ہے؟۔

۱۔ عیسائی اور یہود اپنے ایمان نہ لانے کے مختلف بہانے کرتے تھے کبھی کہتے تھے کہ آپ پر کتاب یکدم نہ آئی۔ اس لئے ہم ایمان نہیں لاتے کبھی کہتے تھے کہ جبریل قرآن کیوں لاتے ہیں میکائیل کیوں نہیں لاتے۔ کبھی کہتے کہ حضرت مسیح کو اسلام اللہ کا بندہ کیوں کہتا ہے۔ اس سے ان کی توہین ہے۔ ابن اللہ کیوں نہیں کہتا۔ ان کی تردید گزشتہ آیات میں کی تھی۔ مناظرے میں دو امور ہوتے ہیں۔ ایک اپنے دعوے کی دلیل۔ دوسرے مقابل کے دلائل کا رد۔ پہلے ان کا رد ہو چکا۔ اب اسلام کی حقانیت کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

۲۔ برہان کے لفظی معنی ہے مَا یُبَرْہَنُ بِہِ الشَّیْئُ جس سے کوئی چیز مضبوط کی جائے و اصطلاح منطق میں یقینی دلیل کو برہان کہتے ہیں۔ کہ اس سے بھی دعوے پختہ کیا جاتا ہے۔ یہاں برہان سے مراد یا تو معجزات ہیں۔ جن سے نبوت مصطفےٰ یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے اور جو قیامت تک باقی رکھے گئے۔ جیسے قرآن یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات۔ اور یا برہان سے مراد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کریمہ ہے کہ ان کا

وجود باوجود خدائے قدوس کا برہان ہے۔ اور اسلام کی حقانیت کی دلیل، بلکہ خود آپ کی ذات آپ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

دیکھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دعوے مع دلیل ہے۔ کہ اللہ نام ہے جامع صفات ذات کا، لہٰذا اس لفظ کے معنے ہوئے، تعریف ہے جامع صفات یا لائق حمد رب کو، کیونکہ وہ جامع صفات لائق حمد ہے، اسی طرح اَلنَّعْتُ لِمُحَمَّدٍ مع جامع دلیل ہے یعنے تعریف ہے محمدؐ کی۔ یعنے تعریف کئے ہوئے یا لائق تعریف کو۔ کیوں کہ وہ محمد یعنے تعریف کے لائق ہیں۔ نیز باقی انبیاء کو اسی طرح معجزے دیئے گئے۔ کہ کسی کی صرف لاٹھی اور پتھر میں معجزہ۔ جیسے حضرت موسٰے علیہ السلام۔ کسی کی سانس میں معجزہ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کہ ان کی سانس اپنے زمانہ میں مردوں کو زندہ اور بیماروں کو اچھا کرنے کا کام دیتی تھی۔ جب قریب قیامت تشریف لائیں گے تو وہ ہی سانس زندہ کافروں کو مردہ کردے گی۔ کیوں کہ اب سلطنت مصطفٰے ہوگی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام از سر تا بقدم ہر ہر عضو معجزہ اور رب کی برہان ہیں۔ بلکہ چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا سب رب کی دلیل ہے۔ اس کا اجمالی ذکر تو یہ ہے۔ کہ ہمارے ہر عضو کا سایہ ہے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے کسی عضو کا سایہ نہیں۔ اسی طرح ان کا ہر عضو بلکہ ہر چیز خوشبودار کہ جہاں گزر جاتے وہ گلیاں معطر ہوجاتی تھیں۔ اور تفصیلی ذکر یہ ہے کہ بال شریف طلحہ کے گھر رکھے گئے تمام رات ملائکہ کی تسبیح و تہلیل مکان میں سنی گئی۔ ہرقل شاہ روم نے حضرت فاروق سے درد سر کی شکایت کی۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بال شریف بھیجا۔ ہرقل کو آرام ہوگیا۔ حضرت خالد کو بال شریف کی برکت سے فتوحات حاصل ہوئیں۔ آج بھی بعض جگہ بال شریف دیکھے گئے کہیں تو اس میں زیادتی ہوتی ہے اور کہیں اس کا سایہ

پڑتا۔ صحابہ کرام نے بال سے شفا حاصل کی (مشکوٰۃ شریف)

آنکھ شریف بھی معجزہ ہے کہ وہ نماز وغیرہ میں آگے پیچھے دیکھتی ہے رب کو دیکھا مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی پنجابی عبداللہ کو مدینہ طیبہ سے تیرہ سو برس پہلے ملاحظہ فرمالیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک لنگڑا مالدار کہہ رہا ہے مجھے قرآن کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں۔ وہ لنگڑا مالدار تیرہ سو سال بعد میانوالی پنجاب میں پیدا ہوا۔ جس نے قرآنی مذہب نکالا۔ ناک مبارک ایسی معجزہ کہ فرمایا کہ میں یمن سے بوئے محبت پاتا ہوں (روح البیان یہ ہی مقام) اور (دیکھو مدارج النبوۃ اعضائے شریفہ کا ذکر) زبان مبارک وہ جس کے لیے فرمایا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی سے

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں ٭ اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

جو جس کو فرمادیا وہ ہی ہوگیا، جس کو عزت کا کلمہ کہہ دیا، قیامت تک عزیز رہا۔ اور جس کو ذلیل کرکے نکال دیا ہر جگہ ذلیل رہا۔ ابوجہل اور ابولہب کے اصلی نام گم ہوکر رہ گئے۔ سے

قسم خدا کی نہ وہ اُٹھ سکا قیامت تک!
کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا!

لعاب شریف وہ کہ کھاری کنوئیں میں ڈالا میٹھا ہوا، حضرت جابر کے گھر آٹے اور دیگچی میں ڈالا۔ ایسی برکت ہوئی کہ لشکر کھا گیا مگر کمی نہ ہوئی حضرت علی کی آنکھ پر خیبر میں لگادیا۔ آنکھ کبھی دکھتی ہی نہیں۔ یارِ غار کو مار غار نے کاٹا۔ لعاب لگادیا، قیامت تک ان کی نسل پاک پر سانپ اثر نہیں کرتا۔ تجربہ شاہد ہے۔ ہاتھ شریف وہ جسے رب تعالےٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ

کو حدیبیہ میں اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے تو بالواسطہ دستِ عثمان یداللہ ہوا۔
اسی لئے وہ جامع قرآن ہوتے کلام اللہ کو یداللہ نے جمع کیا۔
اسی ہاتھ شریف میں آکر کنکروں نے کلمہ پڑھا، اسی ہاتھ میں کھانے کے لقموں نے
تسبیح پڑھی۔ انگلی پاک وہ کہ اشارہ کیا چاند پھٹا۔ اشارہ کیا ڈوبا ہوا سورج واپس ہوا۔
انگلیوں کا درمیانی حصہ وہ کہ ہر انگلی سے پانی کے چشمے اُبلے، قلب و سینہ بے کینہ وہ کہ جس کو
رب نے فرمایا۔ ماکذب الفواد ما رأی، الم نشرح لک صدرک مثل نورہ
کمشکوٰۃ فیھا مصباح اس مشکوٰۃ سے مراد سینہ مصطفٰے اور نورہ سے مراد ذات مصطفٰے
بھی ہو سکتی ہے۔
قدم پاک بھی معجزہ، کہ جب وہ مکہ میں تشریف لائے۔ تو قرآن کریم نے اس خاک
پاک کی قسم کھائی، جس پر وہ قدم پڑے (۱) قسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد
وہ قدم جو فرش پر رہے عرش پر گئے غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام از سرتا پا برہان
الٰہی ہیں۔ بلکہ اعضاء کی طرح ان کا ہر وصف اور ان کی ہر چیز برہان الٰہی ہے۔ ان کا سونا،
جاگنا، کھانا، پینا سب برہان، تمام کی نیند وضو توڑتی ہے مگر ان کی نہیں لاینام قلبی
پسینہ پاک میں وہ خوشبو کہ عورتیں بجائے عطر کے اس ہی کو استعمال کرتی تھیں (دیکھو مدارج)
سیدنا ام ایمن نے پیشاب شریف شربت کے دھوکے میں پی لیا، خوشبودار تھا۔ اور
وہ خوشبو ان کی تین نسلوں تک باقی رہی (دیکھو مدارج اور عینی شرح بخاری) ان کے فضلات
امت کے لئے پاک ہیں (شامی جلد اول باب الانجاس) ایک صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی فصد کھول کر خون شریف کو بے ادبی کے خوف سے پی لیا۔ فرمایا گیا کہ تم پر
جنت واجب ہو گئی اور جہنم حرام (مدارج)

آپ کا نام شریف بھی ایک برہان الٰہی ہے۔ دیکھو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں حرف بارہ ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ میں بھی بارہ ہیں۔ ابوبکر الصدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان ابن عفان، علی ابن ابی طالب، سب میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ لفظ اللہ ذات پر دلالت کرنے میں حروف میں محتاج نہیں۔ اگر ہمزہ حذف کر دو تو رہا للہ۔ اگر لام گرا دو تو رہا لہ۔ اگر یہ لام بھی گرا دو تو ہو گیا ہ اسی طرح لفظ محمد ہے۔ اگر اول میم گرا دو تو رہا حمد یعنے تعریف اگر حا گرا دو تو رہا مد یعنے کھینچنا، وہ مخلوق کو خالق کی طرف کھینچتے ہیں اگر دوسرا میم بھی گرا دو، تو بچی دال یعنے رہبر اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ حمد اور مد اور رہبری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات ہیں۔

۲- نُوْرٌ مُّبِیْنًا سے مراد یا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات عالی ہے اس صورت میں یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صفتیں بیان ہوئیں ایک برہان، دوسری نور۔ برہان عقل سے معلوم ہوتی ہے اور نور آنکھ سے۔ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات قیامت تک لوگ عقل سے معلوم کرتے رہیں گے۔ اور ان کے انوار لوگوں کی آنکھوں سے معلوم ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برہان الٰہی بھی ہیں اور نور بھی۔ ؎

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ ٭ جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

اسی لئے فرمایا گیا جَآءَ کُمْ سب مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے یا نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ وہ بھی دل چمکانے والا نور ہے یا مراد نورِ قلب ہے جو شیخ کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کو مبین اس واسطے کہا گیا کہ نور چراغ تو بعض طرفوں کو چمکاتا ہے بعض کو نہیں۔ مگر یہ نور ہر طرف کو چمکاتا ہے۔ نور چراغ فقط ظاہر کو چمکاتا ہے، اور نور قرآن دل کو بھی اور روح کو بھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ ذات محمد اور احمد ہے۔ رب کا نام حامد بھی ہے اور محمود بھی، رب حامد، حضور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور احمد، رب محمود ہے، یعنی اس کی تعریف یہ ہی کر سکتے ہیں، اور ان کی تعریف وہ ہی فرما سکتا ہے۔ شفاعت کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے خاص حمد کرائی جائے گی۔ اور اس کے لئے یہی زبان چاہئے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سارے صفات بھی برہان ہیں کیونکہ جو صفات علیحدہ علیحدہ انبیاء کو عطا ہوئے۔ وہ سب بلکہ زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دئے گئے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ اس آیت میں انبیاء کی اقتداء مراد نہیں ہے۔ ورنہ اِقْتَدِ بِهِمْ ہوتا، بلکہ ان کی صفات کی جامعیت مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شکر نوح، حلم ابراہیم، اخلاص موسیٰ اور قرب اسماعیل و یعقوب، صبر ایوب، تواضع سلیمان، زہد عیسیٰ علیہم السلام مرحمت ہوا۔ (دیکھو روح البیان آیت وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) ؎

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ۔ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ۔ ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ اے لوگو۔ تم اسلام کی حقانیت کے دلائل ڈھونڈتے ہو۔ اور اسی مسئلہ پر ردو قدح، سوال و جواب کرتے ہو اس مشقت کی تمہیں ضرورت نہیں، تمہارے پاس ہماری طرف سے وہ ذات کریم یعنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو سر تا پا اسلام کی حقانیت ہماری وحدانیت کی یقینی دلیل ہیں، اگر آنکھ اور عقل ہے۔ تو انہیں دیکھو اور کلمہ پڑھ لو۔ سیدنا عبداللہ ابن سلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

چہرہ پاک کی زیارت کرتے ہی حضور کی حقانیت کی تصدیق کر دی۔ پھر وہ نبی اکیلے نہ آئے بلکہ ان پر مکمل ہوئی روشنی یعنے قرآن کریم اتارا گیا، قرآن کے ذریعہ حضور کو پہچان لو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے رب تعالےٰ کو جان لو۔ یا اے لوگو! تم میں وہ نبی تشریف لائے جو علماء کے لئے برہان ہیں، اور بے علم لوگوں کے لئے نور ہیں۔ اہل علم تو علمی دلائل سے ان کے احوال میں غور کریں جتنا غور کریں گے اتنا ان کا یقین بڑھے گا۔ اور عام لوگ ان کو ظاہر ظہور دیکھ کر دل کو تسلی دیں، یا انسان جسے رب تعالیٰ نے عقل دی ہے اس کے لئے برہان ہیں۔ اور دیگر مخلوقات جو عقل سے خالی ہیں۔ ان کے لئے حضور نور ہیں۔ اسی لئے حضور کو انسان، جانور، جنات بلکہ زمین و آسمان، چاند، تارے سب ہی پہچانتے ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

وعظ نمبر ۴۲

اسلام مکمل دین ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق گزشتہ آیات سے کیا ہے۔ دوم اس کا شان نزول کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ کمال دین اور اتمام نعمت سے کیا مراد ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں کیا فرمایا گیا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس پر اعتراضات کیا ہیں۔ اور ان کے جوابات کیا۔

۱۔ گزشتہ آیات میں کھانے کی چیزوں کا ذکر تھا۔ اور بعد میں بھی اشیائے خوردنی کا ہی ذکر ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ الآیہ اور زندگی انسانی میں کھانے پینے، لباس، مکان، نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر سب میں اعلیٰ کھانا پینا ہے۔ باقی تمام کام کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تجارت، ملازمت وغیرہ۔ لہٰذا غذا کا ذکر تو بطریق کمال ہو چکا۔ اب کمالِ دین کا ذکر ہوا۔ دوم اس طرح کہ کھانا دین و دنیا کے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کھانا نہ ملے۔ تو زندگی ختم ہو جائے۔ اور تمام احکام زندگی سے وابستہ ہیں۔ وہ سب ہی ختم ہو جائیں، حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ کہ آخر زمانہ میں لوگ اللہ اللہ کریں گے مگر قبول نہ ہوگا۔ دعائیں رائیگاں جائیں گی۔ کیونکہ اُن کا کھانا حرام ہوگا۔ معلوم ہوا کہ کھانا عبادات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ سے

شب چو عقدِ نماز بر بندم! ۔ چہ خورد با مداد فرزندم!

لہٰذا کامل کے ذکر کے بعد کمال اسلام کا ذکر ہوا۔

۲۔ حجۃ الوداع کے ساتویں سال نویں ذی الحجہ بعد عصر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرفات میں اونٹ پر جلوہ گر ہیں اور حج ہو رہا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت اونٹ فرشتہ کے بوجھ سے بیٹھ گیا۔ یہ ایسا مبارک دن تھا کہ چھ عیدیں جمع تھیں۔ تین اہل اسلام کی اور تین کفار کی، دسمبر کی پچیسویں تھی۔ عیسائیوں کی عید۔ یہود کی بھی عید تھی اور مجوس کی بھی۔ اہل اسلام کی تین عیدیں تھیں۔ جمعہ کا دن حج کا دن۔ محبوب کی دید کا دن صلی اللہ علیہ وسلم سے

عِيْدٌ وَّعِيْدٌ وَّعِيْدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعًا ۔ وَجْهُ الْحَبِيْبِ وَيَوْمُ الْعِيْدِ وَالْجُمُعْ

حضرت عمر یا صدیق اکبر رونے لگے، پوچھا گیا، کیوں روتے ہو۔ عرض کیا کہ ہر شئے کا کمال

کو پہنچ کر مائل بہ زوال ہوجاتی ہے۔ یعنے اس آیت میں آپ کے فراق کی بو آتی ہے۔ کیونکہ جب آپ اپنا کام پورا فرما چکے تو اب دنیا کو کیوں پسند فرمائیں گے! فرمایا سچ ہے۔

۳۔ پہلے جملہ میں تین کلمات قابل غور ہیں۔ اَلْیَوْمَ، اَکْمَلْتُ، دِیْنَ یا تو الیوم سے مراد خاص نزول کا دن ہے یا وہ زمانہ موجودہ جیسے کہتے ہیں کل نوجوان تھا آج بڈھا ہوگیا۔ اَکْمَلْتُ میں چار احتمال ہیں کمال ذاتی، کمال وصفی۔ کمال بمعنے حالت عرضیہ سے ترقی کر کے اصلیہ پر آجانا۔ کمال بایں معنے کہ اب چوروں کی دست برد سے محفوظ ہوگیا۔ کمال ذاتی یہ کہ جس قدر اجزا کی اس کو ضرورت تھی وہ پورے ہوگئے۔ جیسے مکان کا کمال چھت اور الماری وغیرہ سے ہوتا ہے تو یہ معنے ہوئے کہ اسلام با اعتبار احکام و قواعد آج مکمل ہوگیا۔ اب کوئی حکم نازل نہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہؤا کہ اس آیت کے تقریباً تین ماہ کے بعد وصال پاک ہوگیا، اور اس عرصہ میں کوئی آیت یا سورۃ احکام کی نہ آئی، صرف اذا جاء وغیرہ آئی۔ کمال وصفی جیسے کہ انسان بڑا ہوجائے اور اپنے اندر صفت علم و ہنر پیدا کرے۔ اگر یہ مراد ہے تو بھی درست ہے۔ کہ جن صفات پر اسلام کو قیامت تک رہنا چاہیئے۔ وہ آج پورے ہوچکے، اس سے پہلے کے عارضی احکام ختم کر دیئے گئے اور ہر اجمال کی تفصیل کر دی گئی جس سے مثل آفتاب شریعت صاف اور واضح ہوگئی۔

اور اگر یہاں تیسرا کمال مراد ہے تو بھی ظاہر ہے۔ جیسے بچہ کو لڑکپن میں گھٹی دی گئی، پھر ماں کا دودھ، پھر ہلکی غذائیں مگر یہ سب عارضی چیزیں تھیں۔ جب بڑا ہؤا۔ تو روٹی دی گئی، اسی طرح شروع اسلام میں بعض چیزیں عارضی طور پر حلال رہیں، جیسے شراب و متعہ اور بعض اشیاء عارضی طور پر حرام تھیں۔ جیسے شراب برتنوں کا استعمال یا قربانی کا گوشت تین روز سے زیادہ کھانا اور زیارت قبور۔ یہ امور عارضی حرام رکھے گئے۔ پھر شراب و متعہ حرام

ہوگئے۔ اور شراب کے برتن، زیارت قبور وغیرہ ہمیشہ کے لئے حلال یہ ہے آج ہمارا دین کا کامل ہونا اسی طرف اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ میں اشارہ ہے۔

چوتھا کمال یعنے دشمنوں کے دست وبرد سے محفوظ ہوجانا جیسے مکان کی بعض دیواریں کچھ بلند ہوگئیں، لیکن ابھی ایسی ہیں کہ اگر اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو ایک ایک اینٹ چوری ہوجائے گی۔ جب مکان مکمل ہوگیا تب کوئی شخص اس کی اینٹیں چرا نہیں سکتا۔ اسی لئے حدیث میں آیا کہ میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ حضور سرور عالم سے پہلے کتب الٰہیہ میں چوریاں ہوئیں، اب چونکہ تکمیل دین ہوچکی، کوئی چوری نہیں کرسکتا۔ قرآن و احکام اسلام پورے محفوظ ہوگئے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، آج اگر کوئی شخص قرآن میں اعراب کی غلطی کرے مجمع سے فوراً اصلاح کردی جائے گی۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ مولویوں سے جو چاہو روپے دے کر مسئلہ لکھوالو۔ میں نے کہا یہ دین عیسوی نہیں بلکہ دین محمدی ہے، کوئی مولوی تو کیا کوئی بادشاہ بھی اس کا ایک مسئلہ نہیں بدل سکتا۔ اچھا سو روپیہ مجھ سے لے لو اور کسی عالم سے لکھوا دو کہ اپنی ماں سے نکاح حلال ہے۔ اس پر وہ خاموش ہوگیا۔

اکمال اور اتمام میں بڑا فرق ہے۔ اکمال وہ حالت ہے جس میں اب نہ زیادتی ہوسکے نہ کمی۔ اور اتمام وہ ہے۔ جس میں آئندہ زیادتی ہوسکتی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ) دین کے لئے اکمال فرمایا۔ کیوں کہ اصول دین میں اب زیادتی کمی ناممکن ہے، نمازیں پانچ ہی رہیں گی، نہ چھ فرض ہوں نہ چار۔ اسی طرح دیگر اصول، مگر نعمت کے لئے فرمایا اتمام۔ اس لئے کہ نعمت سے مراد یا نزول قرآن ہے، تو آئندہ ابھی کچھ آیات آئیں گی۔ مگر وہ احکام کی نہ ہوں گی، لہٰذا یہاں تمام فرمایا، یا مراد ہے جزئیات احکام جو ہمیشہ بڑھتے رہیں گے۔

نوٹ:۔ فوٹوگراف، تار وغیرہ کے احکام جب ہی نکالے گئے۔ جب یہ اشیاء نکلیں مگر نکالے

ان ہی قوانین سے گئے جو زمانہ سرکار میں کامل ہو چکے تھے۔ یا مراد نعمت سے فتح مکہ ہے تو بھی ابھی بہت فتوحات ہوں گی، غرضیکہ نعمت میں زیادتی ہوگی۔ دین میں نہیں دین کا اطلاق اصول پر ہوتا ہے اور مذہب کا فروع پر حنفی شافعی مذہب ہیں، دین نہیں دین تو اسلام ہی ہے۔

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا سے معلوم ہوا۔ کہ دین اسلام کے سوا کوئی اور مذہب عنداللہ قبول نہیں۔ بے دین کی ساری نیکیاں برباد ہیں اسلام لاکر کیوں قبول اسکی وجہ دیکھو تقریر اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اسی لئے اسلام کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا، باقی ادیان منسوخ کئے گئے۔

۴۔ اس آیت پر چند اعتراض ہیں۔ اول یہ کہ کیا آج کی تاریخ یعنے حجۃ الوداع سے پہلے اسلام غیر مکمل تھا جو آج مکمل کیا گیا، اگر غیر مکمل تھا۔ تو جو صحابہ کرام آج سے پہلے وفات پاچکے، وہ دنیا سے ناقص دین پر گئے۔ دوم یہ کہ جب دین مکمل ہو چکا تو قیاس مجتہد کی کیا ضرورت رہی اور ائمہ کیوں پیدا ہوئے۔ تیسرے یہ کہ جب خدائے قدوس آج اسلام سے راضی ہوا تو کیا اس سے پہلے اسلام سے ناراض تھا۔ چوتھے یہ کہ اگر دین ہر طرح اصول و فروع میں مکمل ہوا تو علماء قیاس کیوں کرتے رہے اور اگر صرف اصول میں مکمل ہو گیا تو مرزا جی نبی ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ کیوں کہ نبوت مثل بارش کے ہے اس کی ہر وقت ضرورت ہے اب کیوں بند ہوگئی اگر خدمت اسلام کے لئے مرزا نبی ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اول کا جواب یہ ہے کہ اسلام ہر وقت مکمل تھا۔ اور ہر زمانہ کے مسلمان مکمل ہی تھے، مگر اس سے پہلے تکمیل خاص وقت تک تھی۔ اب وہ احکام منسوخہ اس وقت کے لحاظ سے ناقص ہیں۔ جیسے بچہ کو پہلے گھٹی دی جاتی ہے اس وقت یہی غذا اس کے لئے

مکمل ہے۔ کہ اگر اس وقت اس کو روٹی دی جائے تو بچہ مر جائے، یہ تکمیل وقتی ہے، پھر دودھ دیا گیا پھر چاول، پھر روٹی، یہ روٹی ہمیشہ کے لئے مکمل غذا ہے۔

کہ اب تا دم موت روٹی غذا رہے گی۔ اسی طرح پہلے اسلام کے احکام وقتی پر مکمل تھے۔ آج جو احکام ہیں وہ مکمل ابدی۔ دوسرے کا جواب پہلے ہو چکا کہ دین کا اطلاق اصول پر ہوتا ہے تو تکمیل اصول کی ہو گئی اور قیامت تک کے جزئیات ان ہی اصول سے نکلتے رہیں گے، مثلاً قاعدہ ہے کہ انسان کی آواز سے سجدہ تلاوت واجب نہ کہ گونج سے معلوم ہوا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے سجدہ واجب ہے نہ کہ فونوگراف کی تلاوت سے تیسرے کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے کے قوانین سے بھی اللہ تعالیٰ راضی تھا مگر اس کفایت پر راضی نہ تھا، کیوں کہ ابھی اور احکام آنے والے تھے بعض میں تبدیلی ہونے والی تھی۔ آج میرے پاس دس روپے ہیں روپے سے میں قانع تو ہوں مگر راضی نہیں ہوں بلکہ اور چاہتا ہوں۔ جب سو پورے ہو گئے تو کہتا ہوں کہ آج راضی ہو گیا۔

چوتھے کا جواب یہ ہے کہ بارش کی ضرورت کھیت کے پکنے سے پہلے ہوتی ہے، پکنے پر بارش مضر ہے۔ چونکہ دین کی کھیتی پک گئی اب نئی نبوت نقصان دہ ہے۔ ہاں نبوت محمدیہ کے تالاب اور دریا بھرے پڑے ہیں۔ یعنی مشائخ و علماء، وہ ہی برسا ہوا پانی ان تالابوں سے لو۔ اپنا کام نکالو، وہ ہی نبوت کافی ہے، مرزا جی کی ضرورت نہیں، دین مکمل ہو چکنے کے بعد نئے نبی کی کیا ضرورت ہے۔

خیال رہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری عالم مجتہد کی حیثیت سے ہو گی نہ کہ نبوت کی حیثیت سے اس میں بھی اسلام کی شان ہے۔ کہ اس کے مطیع بعض پچھلے پیغمبر بھی ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ نبوت کا تعلق رب سے بھی ہے اور مخلوق سے بھی، نبوت منسوخ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ نبی کا تعلق اب مخلوق سے ختم ہوگیا۔ یعنی مخلوق کو ان کے احکام ماننا لازم نہ رہے، مگر جو قرب اور منزلت پیغمبر کو بارگاہِ الٰہی میں حاصل تھی وہ بدستور ہمیشہ قائم رہتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ اب عیسٰے علیہ السلام موجودہ مسلمانوں کے نبی نہ ہوں گے۔ البتہ رب کے نبی ہوں گے، جیسے کوئی جج وزیر اعظم کے دربار میں کسی مقدمہ کا گواہ بن کر جائے، تو یہ جج حکومت کا جج ہے مگر اس مقدمہ میں گواہ اور کچہری میں تابع فرمان۔ عیسٰے علیہ السلام سلطنت مصطفٰے کے مددگار اور رب کے نبی ؎

وعظ نمبر ۴۳

وسیلہ کا بیان

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اس آیت کریمہ میں چار عمل اور ایک جزا کا ذکر ہے، اعمال تو ہیں ایمان، تقوٰے، وسیلہ تلاش کرنا، اور جہاد فی سبیل اللہ، جزا ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ غور کرنا ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے اور تقوٰے کیا ہے وسیلہ تلاش کرنا کیسا اور فلاح کیا ہے۔

۱۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد یا تو اہل ایمان مسلمان ہیں، تو تقوٰے سے مراد اعمال صالح کرنا اور بُرے اعمال سے بچنا ہے۔ اور یا وہ لوگ مراد ہیں جو میثاق کے دن بلٰی کہہ کر ایمان

فطری لا چکے، تو اس میں خطاب مومنین اور کفار سب ہی سے ہوگا۔ جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں ہے (روح البیان) اب تقوے میں ایمان اور اعمال سب داخل ہوں گے تقوے کے معنی دو ہیں بچنا اور ڈرنا، جہاں تقوے کے بعد نار وغیرہ کا ذکر ہو، جیسے اِتَّقُوا النَّارَ تو بچنا مراد ہوگا، اور جہاں تقویٰ کے بعد اللہ کا ذکر ہو تو اس سے ڈرنا مراد ہوتا ہے، لہٰذا یہاں ڈرنا مراد ہے کیونکہ کوئی خدا سے بچ نہیں سکتا، تقویٰ اصل شریعت ہے۔ یعنی محرمات سے بچنا اور ثواب کے کام کرنا۔

۲۔ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ میں وسیلہ کا ذکر ہے وسیلہ کے دو معنے ہیں۔ ایک تو ذریعہ، دوسرے جنت کا ایک درجہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ اگر دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ تو مطلب ہوگا کہ ہم سے ہمارے محبوب کے لئے وسیلہ مانگو (روح البیان) اس لئے حدیث میں آیا کہ اذان کے بعد ہمارے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو اس دعا سے مقصود اپنا بھلا چاہنا ہے، اذان میں تین کام کرنے چاہئیں کلماتِ اذان کا اپنے منہ سے کہنا، انگوٹھے چومنا، وسیلہ کی دعا کرنا۔ (شامی) اور اگر وسیلہ کے پہلے معنے مراد ہیں تو الیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ یا تقوے کی طرف لوٹے یا اللہ کی طرف۔ پہلے کے معنی یہ ہونگے کہ تلاش کرو اس تقوے کی طرف وسیلہ۔ اب تقوٰے دو طرح کا ہے تقوٰے ظاہری اور تقویٰ باطنی، تقویٰ ظاہری روزہ نماز وغیرہ اور تقوٰے باطنی ریا، حسد، بغض سے بچنا، پہلا تقویٰ ملتا ہے علماء سے، دوسرا مشائخ سے، علاوہ ان اعمال کے دیگر اعمال مثلاً کشتی، طب، خیاطی وغیرہ سب میں استاد کی ضرورت ہوتی ہے، بے پیر اور بے استاد آدمی کامیاب نہیں ہوتا ان اعمال میں ادائے فرض تو بغیر استاد کے بھی ہوتا ہے۔ مگر تاثیر خاص اجازت سے ہی ہوتی ہے، اگر یہ ضمیر اللہ کی طرف لوٹے، تو معنے ہوں گے، ایمان اور تقوے کے ساتھ

وسیلہ الی اللہ بھی اختیار کرو یعنے اپنے ایمان و تقوے پر بھروسہ نہ کرو، وسیلہ کا دامن پکڑو تاکہ یہ ایمان و تقویٰ خیریت سے منزلِ مقصود پر پہنچ جائے، جیسے کہ میں کہتا ہوں کہ اپنی کمائی کا روپیہ گھر بھیجتا ہے تو رجسٹری کر دو تاکہ راہ میں مارا نہ جائے۔ اسی طرح ہمارا ایمان اور تقوے خطرے میں ہے، اس کی رجسٹری وسیلہ سے کراؤ وسیلہ کیا ہے انبیاء، اولیاء مشائخ وغیرہ (روح البیان یہ ہی مقام)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد اعمال کا وسیلہ ہے نہ کسی اور کا کیونکہ ہر شخص خطرے میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں میرے ساتھ قیامت میں کیا ہوگا، جب اپنا خطرہ دفع نہیں کر سکے تو دوسرے کی رجسٹری ایمان کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اگر وسیلہ مان بھی لیں تو ایک وسیلہ چاہیئے۔ نہ کہ وسائل، قرآن میں وسیلہ فرمایا گیا ہے، نیز ہم کو وسیلہ کی ضرورت کیوں ہے؟ وہ رب ہے ہم اس کے بندے ہیں، خدا تک سب پہنچ سکتے ہیں۔

مگر یہ تینوں سوال لغو ہیں۔ اول تو اس لئے کہ اگر صرف اعمال کا وسیلہ مراد ہوتا تو وہ اتقوا اللہ میں آگیا۔ تکرار کی کیا ضرورت تھی تو پھر اعمال بھی نبی کے وسیلہ سے ہی حاصل ہوں گے۔ پھر وہ ہی بات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب ہی کے ایمان کے محافظ ہیں۔ فرمایا ابوبکر جنتی ہیں، حسن، حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں، فاطمہ خاتونِ جنت کی سردار ہیں۔ اگر اپنی بھی معاذ اللہ خبر نہیں تو دوسروں کی خبر کیونکر دے رہے ہیں؟ لَا اَدْرِیْ کے معنے ہیں قیاس سے نہیں جانتا دیکھو تقریر غیب) حضرت عثمان کو فرما دیا جو چاہو کرو تمہاری مغفرت ہو گئی؟ یہ ہے رجسٹری ایمان۔ اہل ایمان اور کفار کی فہرستیں عطا فرما دی گئیں (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر) خود فرمایا وَلِوَآءُ الْحَمْدِ

یومئذٍ بیدی ہی قیامت میں حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھوں میں رہے گا ہم شفیع المذنبین ہوں گے وغیرہ۔

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تک رسائی کا صرف ایک وسیلہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کے سینکڑوں وسائل ہیں، جیسے ریل ذریعہ ہے بمبئی تک پہنچنے کا۔ مگر ریل تک پہنچنے کے لئے بہت سے وسائل وغیرہ ضروری ہے، قادری، چشتی، نقشبندی وغیرہ، اسی طرح علمائے اُمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کے وسیلہ ہیں۔ اگر کوئی پیر کہے کہ میں خدا تک پہنچا سکتا ہوں، وہ جھوٹا ہے، وہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ہی پہنچا سکتا ہے۔ خدا تک رسائی بواسطہ مصطفےٰ ہوگی۔

تیسرا سوال بھی محض لغو ہے۔ ہم محتاج ہیں رب تعالےٰ غنی، مگر رب غنی نے ہم کو احکام بغیر وسیلہ نہ بھیجے۔ ہمارے لئے انبیاء کو وسیلہ بنایا اور انبیاء پر بوسیلہ فرشتہ وحی بھیجی۔ نیز وہ رازق، خالق، محی، ممیت، مگر ان میں سے کوئی کام بغیر وسیلہ نہ کیا۔ رزق دیا تجارت وغیرہ سے پیدا فرمایا ماں باپ کے ذریعہ سے زندہ رکھا رزق سے، موت دی مرض سے جب غنی وسیلہ اختیار فرمائے، تو محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے رہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ وسیلے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مقصد پر پہنچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے ریل۔ دوسرا جس کا تعلق کسی چیز سے وابستہ ہے، جیسے نور کے لئے شمع۔ خدا رسی کے لئے وسائل دوسری قسم کے ہیں، کسی وقت بھی چھوٹ نہیں سکتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب ہی کے وسیلہ ہیں، ملائکہ، انبیاء، عام انسان سب کے وسیلہ ہیں اور ہمیشہ وسیلہ ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سے

اگر نامِ محمدؐ را نیاوردے شفیع آدم ٭ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل کو مسئلہ پوچھنے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں بھیجا یعنی آج جبریل رسول ہیں۔ رسول اللہ مرسل اور باری تعالےٰ مرسل الیہ، اور دن کے برعکس آکر عرض کیا کہ مجھے آج اس قدر عروج اور قرب حاصل ہوا کہ آج تک کبھی نہیں ہوا تھا (مشکوٰۃ) مرقات میں ہے کہ جبریل کو اتنا عروج اس لئے ہوا کہ آج محبوب کے بھیجے ہوئے تھے گویا آج جبریل کو معراج ہو گئی۔

حضرت حوا آدم علیہ السلام پر اُس وقت تک حلال نہ ہوئیں جب تک آدم علیہ السلام نے دس بار درود نہ پڑھا، گویا درود حضرت حوا کا مہر ہے اور مہر شفا ہے فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ط یہ ہماری پہلی ماں کا مہر ہے۔ ہمارے لئے شفا کیوں نہ ہو۔ غرضیکہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے وسیلہ ہیں۔ اور ہر جگہ وسیلہ ہیں، دنیا میں، قبر میں، حشر میں۔

وَابْتَغُوا پر سوال یہ ہے کہ تلاش کی جاتی ہے غائب چیز۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حاضر ہیں (دیکھو تقریر إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا) تو تلاش کرنے کے کیا معنے۔ جواب یہ ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر تو ہیں۔ مگر سب کو ملتے نہیں، گاڑی پوری لائن سے گزرتی ہے۔ مگر اس کا جویاں اسٹیشن پر جاتا ہے، کہ اور جگہ حاصل نہیں ہوتی۔ ابوجہل نے دیکھا مگر پا نہ سکا۔ ان کے اسٹیشن اولیاء اللہ اور علمائے کرام ہیں۔

تمام احکام تو اس زندگی کے متعلق ہیں۔ مگر حکم ابتغوا پر ہمیشہ عمل ضروری ہے پیدائش کے وقت، زندگی میں، بوقت موت، قبر میں، حشر میں۔ اسی لئے پیدائش پر آذان، زندگی میں ایمان، بوقت موت حسنِ اختتام اور دفن پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے نام پوفن، حشر و قبر میں ان کی تلاش ضروری ہے۔ مگر جو دنیا میں ان کی تلاش نہ کریگا
کسی جگہ نہ پاسکے گا مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی قبر میں اسی کا امتحان
ہے۔ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ جو ان سے یہاں اندھا رہا، وہ قبر و حشر میں
ہر جگہ اندھا رہے گا۔

حشر میں جیسی ان کی تلاش ہوگی وہ سب کو معلوم ہے۔ انبیاء و علماء اور مشائخ
سب بھول جائیں گے تاکہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ پر پورا عمل ہو جائے اور کوئی
نہ کہہ سکے کہ آج وسیلہ کوئی اور بھی بن سکتا تھا۔ ہاں اب معلوم ہوا کہ اس ایک کا وسیلہ
حقیقی بھی صرف ایک ہے۔ غرضیکہ اس امر پر ہر جگہ عمل ہے سے

تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں ٭ ہمارے آپ ہی ایک آسرا ہیں

۳۔ وجاھدوا فی سبیلہ کے چند مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جاہدوا سے مراد
جہاد ہے اور سبیلہ میں ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے تو معنیٰ ہونگے کہ راہ خدا میں جہاد
کرو۔ اب اس کو وسیلہ سے یہ تعلق ہے کہ جہاد بغیر وسیلہ سلطان وغیرہ نہیں ہوتا، جہاد
عام ہے، جہاد سیفی جہاد لسانی اور قلبی کو یا مراد جاہدوا سے مجاہدہ کرنا ہے اور سبیلہ
کی ضمیر وسیلہ کی طرف لوٹے، تو معنے ہوئے وسیلہ کی راہ میں کوشش کرو کہ وسیلہ بغیر
کوشش حاصل نہیں ہوتا۔ اس کوشش کی دو صورتیں ہیں ایک مرشد کامل کی تلاش
میں سفر کرنا۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاش حضرت خضر علیہ السلام میں نکلے۔
اور سلمان فارسی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں بہت پھرے۔ تقریباً چار
سو برس کی عمر ہوئی۔ مگر بہت مشقت سے حضور کو پایا، کئی جگہ غلام بنائے گئے۔
حقیقت یہ ہے کہ بغیر تلاش کوئی چیز نہیں ملتی۔ حرکت میں برکت ہے۔ زلیخا مصر میں

آئیں تلاش حضرت یوسف کے لئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاش رب میں کوہ طور پر جاتے تھے۔ کیا ممکن نہ تھا کہ گھر بیٹھے کلام الٰہی سے مشرف ہو جاتے۔ مگر جاہدوا فی سبیلہ پر عمل تھا۔

دوسرے یہ کہ گھر بیٹھے کامل کی تلاش کی جائے۔ ہر مہمان، مسافر اور فقراء کی خدمت کرو۔ کہ شاید ان میں کوئی کامل مل جائے۔ جو باز کا شکار کرتا ہے وہ تمام جانوروں کو دانہ ڈالتا ہے۔ کہ اسی طرح کبھی باز آ جائیگا، مساجد، مسافر خانہ اور خانقاہیں اسی لئے بناتے ہیں کہ یہ اللہ والوں کی تلاش کے جال ہیں وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ میں صدہا مصلحتیں ہیں۔ نیز جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ سے صوفیاء کے مجاہدے اور نفس کشی اور چلے کا پتہ ملتا ہے۔ یہ مجاہدہ بالنفس ہے۔ نفس امارہ کفار سے سخت تر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے طور پر گئے۔ انہیں چالیس دن کا چلہ کرنا پڑا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کے ظہور سے پہلے چھ ماہ تک غار حرا میں چلے کئے معلوم ہوا کہ چالیس کا عدد بڑا کامل ہے ابدالِ امت کا عدد چالیس (دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر الیمن والاویس) اکثر پیغمبر بلکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس سال کی عمر میں دی گئی۔ اور ماں کے پیٹ میں نطفہ کا حال چالیس دن میں بدلتا رہتا ہے اولاً نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر بچہ، زندگی میں چالیس سال کے بعد آدمی کامل العقل مانا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے چالیس دن چلہ کرتے ہیں۔ اور میت کا چالیسواں بھی چالیس دن پر ہی کرتے ہیں۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھیے

وعظ نمبر ۱۴

علم غیب کا بیان

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ؐ پارہ ۷، سورۃ انعام، رکوع ۱۱

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس کا تعلق گزشتہ آیات سے کیا ہے۔ دوم یہ کہ اس آیت کا نزول کس موقعہ پر ہے۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کی تفسیر کیا ہے۔ چہارم یہ کہ اس پر سوالات کیا ہیں۔ اور ان کے جوابات کیا۔

ا۔ گزشتہ آیت سے تعلق اس طرح ہے کہ پہلے ذکر ہوا تھا کہ کفار منہ مانگے معجزے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب ان کو نہ دکھائے جائیں تو کہتے ہیں وقالوا لولا انزل علیہ ایٰت من ربہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبوت کے مقصد کو نہیں سمجھے، نبی کی تشریف آوری تبلیغ احکام الٰہیہ کیلئے ہوتی ہے نہ کہ صرف معجزات دکھانے کے لئے۔ آج بھی اسی کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔

۲۔ شان نزول یہ ہے کہ ایکبار کفار مکہ نے کہا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے نبی ہیں تو مکہ کے پہاڑ سونے کے بنا دیں ہم ان پر ایمان لے آئیں گے۔ بعض بولے کہ ہم کو سال بھر کے غلہ وغیرہ کے نرخ بتا دیا کریں تاکہ ہم اس میں نفع حاصل کریں تب ہم ایمان لے آئیں گے۔ بعض نے کہا کہ اگر وہ نبی ہیں تو بیویاں کیوں رکھتے ہیں۔ نبی کو

دنیا سے تعلق نہ چاہیئے، وہ اللہ والے ہوتے ہیں، ان تینوں سوالوں کے جوابات میں یہ آیت کریمہ اتری، اس کے تین اجزاء ہیں۔ (۱) اقول لکم عندی خزائن اللہ میں پہلے اعتراض کا جواب ہے۔ (۲) اعلم الغیب میں دوسرے کا (۳) اقول لکم انی ملک میں تیسرے سوال کا جواب ہے یعنی میں نے دعویٰ نبوت کیا ہے نہ کہ دعوے خدائی یا دعوے ملکیت۔ مجھ میں خدائی اوصاف یا ملکی صفات تلاش کرنا اور اس پر تصدیق نبوت کو موقوف رکھنا حماقت ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی شخص کسی عالم سے کہے کہ اگر آپ واقعی عالم ہیں تو مجھے پانسو روپے دیدیجئے۔ اگرچہ اس عالم کے پاس روپے ہوں۔ مگر روپیہ کو مدار علم قرار دینا جہالت ہے، یوں ہی اگرچہ مجھے علم غیب ہو یا میرے پاس خزانے ہوں، مگر اس کو نبوت کی دلیل ٹھہرانا جہالت ہے۔ اسی طرح بیوی بچے نہ رکھنا، دنیا سے بے تعلق رکھنا شان ملکی ہے، نبی کو تو دنیا سے تعلق چاہیئے، نکاح سے نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو۔

۳- اس آیت کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک عامیانہ، دوسری عالمانہ۔ تیسری عاشقانہ تفسیر عامیانہ تو وہ ہے جو اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں کی جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا مالک و مختار نہیں، جو ان کو علم غیب مانے وہ مشرک ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر اس تفسیر پر صدہا تعارض ہیں مثلاً یہاں تو کہا جا رہا ہے کہ میرے پاس خزائن اللہ نہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوا انا اعطینک الکوثر ہم نے آپ کو خیر کثیر یا حوض کوثر یا عالم کثرت دے دیا۔

واضح رہے کہ دنیا باوجود اس قدر وسعت کے قلیل ہے قل متاع الدنیا قلیل پھر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا وہ کثیر نہیں، اکثر نہیں بلکہ کوثر ہے۔ یعنی اکثر سے بھی زیادہ۔ جس کو خدا تعالےٰ کوثر فرمائے وہ کس قدر وسیع ہو گی پھر فرمایا ولسوف

یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اعطیت مفاتیح خزائن الارض مجھے زمینی خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ رب تعالےٰ نے فرمایا۔ ہم نے سب کچھ دے دیا۔ محبوب نے کہا ہم نے لے لیا۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنت مانگی۔ بعض صحابہ نے دنیاوی اور دینی نعمتیں مانگی۔ یہ صحابہ کے عقیدے ہوئے مرقات اور اشعتہ اللمعات میں ہے کہ خدائی نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست کرم میں ہیں۔ جس کو جس قدر چاہئیں دیں۔ غرضیکہ یہ تفسیر ان سب ہی کے خلاف ہے۔

تفسیر عالمانہ یہ ہے کہ اس آیت میں اولاً ہے قُلۡ پھر لَآ اَقُوۡلُ۔ پھر ہے لَكُمۡ پھر ہے عِنۡدِیۡ پھر ہے خَزَآئِنُ اللّٰهِ اور ہر کلمہ میں حکمت ہے قل میں اشارہ اس جانب ہے کہ محبوب یہ کلمہ تواضعاً آپ ہی فرمادیں کسی اور کو حق نہیں کہ آپ کے متعلق یہ گفتگو کرے نیز اے پیارے۔ یہ تم کہدو ہم نہیں کہتے، ہم تو کہتے ہیں وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ۔ اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ لَآ اَقُوۡلُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ خزائن اللہ قبضہ میں ہونے کی نفی نہیں بلکہ دعوے کی نفی ہے یعنی میں ان باتوں کا مدعی نہیں کیونکہ دعوے کرنے میں وسعت ظرفی کے خلاف کا وہم ہوتا ہے، وسیع القلب میں برداشت بہت ہوتی ہے ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ مگر ضبط کا یہ حال ہے کہ دعویٰ کسی چیز کا نہیں فرماتے۔

اسی طرح لکم میں اشارہ اس جانب ہے کہ میں کہتا ہوں اُوۡتِيۡتُ مَفَاتِيۡحَ خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ مگر تم سے نہیں کہتا کیونکہ تم اغیار ہو قابل اسرار نہیں عندی میں ایک نہایت نفیس بات ہے۔ وہ یہ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں۔ کیوں کہ خزانہ خزانچی

کے پاس ہوتا ہے مالک کے پاس نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کی زبان اور قلم پر ہوتا ہے۔ میں مالک خزانہ الٰہیہ ہوں، خزانچی نہیں ہوں، میری زبان میں سب کچھ ہے۔

ایک بار محمد علی جوہر نواب ابوبکر خاں وادوں والے کے پاس گئے اور کہا کہ خلافت کے لئے چندہ دو، انہوں نے انکار کیا۔ محمد علی جوہر نے بے تکلفی سے جیب میں ہاتھ ڈال دیا مگر کچھ نہ پایا۔ نواب صاحب نے کہا بے وقوف ہماری جیب میں کچھ نہیں ہوتا ہماری زبان اور قلم میں ہوتا ہے۔

تفسیر عاشقانہ وہ ہے جو صاحب روح البیان نے اس آیت کے ماتحت کی، وہ یہ کہ خزائنِ مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کو جمع کرتا ہے اور خزائنِ خالق معدوم کو پیدا کر دیتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ ہمارے پاس ایک کوٹھڑی میں چیزیں جمع ہیں بلکہ ہر جگہ سے جس قدر چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ شاہی خزانہ کچھ اور ہے ٹکسال کچھ اور۔ خزانہ میں روپیہ رہتا ہے بنتا نہیں ٹکسال میں رہتا نہیں بنتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ میرے پاس خزائن اللہ نہیں ہیں یعنی میں پہاڑ کو سونا بنانے یا خلق اشیاء پر قدرت نہیں رکھتا۔ یہ تفسیر شانِ نزول کے بالکل مطابق ہے۔ کفار یہ ہی کہتے تھے کہ پہاڑ کو سونا کر دو۔ اور جو کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالق مانے وہ بے دین ہے۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا عطف عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ پر ہے۔ لَآ اَقُوْلُ کا مفعول ہے یہ مدارک، تفسیر کبیر، روح البیان، خازن وغیرہ نے فرمایا، روح البیان میں خزائن اللہ کے متعلق فرمایا عَلٰی اِنَّهَا عِنْدِيْ وَلٰكِنْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اور اَعْلَمُ الْغَيْبَ کے بارے میں فرماتے ہیں فَمَنْ قَالَ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ اَخْطَاَ فِيْمَا اَصَابَ یعنی اللہ

کے خزانے میرے پاس ہیں مگر دعوے نہیں۔

نکتہ عجیبہ:۔ اس میں قول کی نفی دو جگہ ہے۔ اور مقولہ ہیں تین یعنے پہلے لا اقول کے تحت دو مقولہ۔ اور دوسرے کے ماتحت ایک مقولہ۔ لَا اَقُوْلُ یا تین ہوتے یا ایک ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے لا اقول کے ماتحت وہ دو چیزیں ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو حاصل تو ہیں مگر ان کا دعوے نہیں۔ اور دوسرے کے ماتحت وہ چیز ہے جہاں قول بھی نہیں، مقولہ بھی نہیں، اس لئے دو جگہ لا اقول فرمایا گیا۔

جو شخص لا اعلم الغیب سے علم غیب کی نفی کرتا ہے اس پر سوال سخت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ تمہارے بھی خلاف ہے، تم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بعض علم غیب مانتے ہو۔ اور یہ سالبہ کلیہ ہے۔ جس کی نقیض ہے موجبہ جزئیہ۔ اور اگر کہو کہ کل علم غیب کی نفی ہے تو ہمارے بھی خلاف نہیں۔ کیوں کہ ہم بھی بعض ہی مانتے ہیں کُلُّ مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم بعض علم غیب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس تقدیر پر یہ آیت تمام آیات ثبوت واحادیثِ نبوت اور اقوالِ صحابہ وعقیدۂ اُمت کے خلاف ہوگی دیکھو ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل۔ رب تعالےٰ نے فرمایا وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ اس سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے اور یا قرآن اور مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دونوں کا علم لہٰذا سب کا علم۔ نیز علم نہ آنا تین وجہ سے ہوتا ہے، یا تو کتاب جو پڑھی وہ ناقص تھی، اس میں سب علم نہ تھے، یا پڑھانے والے ناقص تھے۔ یا پڑھنے والا کمزور دماغ نااہل تھا، مگر اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ رحمٰن نے قرآن سکھایا استاذ رب، شاگرد رسول، کتاب قرآن، بتاؤ ان میں سے کون ناقص ہے سب ہی کامل ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کیوں ناقص ہو غرضیکہ یہ تفسیر نہایت ناقص ہوگی۔

۳- دوسرا قول اِنِّیْ مَلَکٌ میں فرمایا گیا ہے کہ میں جنسِ ملک سے نہیں ہوں بلکہ جنسِ انسان سے ہوں، لہذا لوازم انسانیت گھر بار، وغیرہ ہمارے پاس ہونا ضروری ہے، یہ تو جنسیت کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ صفت میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتہ سے کہیں آگے ہیں۔ معراج میں جبریل سے فرمایا سدرہ سے آگے چلو، عرض کیا کہ سر مو چلوں تو جل جاؤں (روح البیان یہ ہی مقام) روح البیان میں زیرِ آیت کہٰیٰعص سورۂ مریم میں مذکور ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تین صورتیں دی گئیں۔ صورتِ بشری قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ صورتِ حقی مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ صورتِ ملکی لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ ان تینوں قسم کی آیات میں تین صورتوں کا ذکر ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ فرشتہ انسان سے افضل ہے۔ کیونکہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی الوہیت اور ملکیت کا انکار کیا۔ رہا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا۔ اس سے افضلیت بشر لازم نہیں۔ کبھی ساجد مسجود سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کیا حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ سے افضل ہیں۔ مگر یہ دلیل کمزور ہے اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ معلوم ہوا کہ انسانیت ملکیت سے افضل ہے۔ اگرچہ کفار بوجہ کفر کے مردود اور ذلیل ہو جائیں مگر انسانیت چیز ہی اور ہے۔ جیسے مرد عورت سے افضل ہے حالانکہ ہم حضرت فاطمہ سے افضل نہیں جنس مرد جنس عورت سے افضل ہے اور آیت میں افضلیت سے بحث نہیں۔ یہاں تو ترک دنیا پر بحث ہے۔ کہ ترکِ دنیا فرشتوں کا کام ہے نہ کہ انسان کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تارک الدنیا فقیر

سے وہ افضل ہے جو دنیا و دین دونوں کا جامع ہو۔
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں دو اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
مالکِ احکام نہیں، کیونکہ آپ ہر امر میں وحی کے تابع ہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث کوئی
چیز نہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اجتہاد فرمائیں۔ مگر ان کا جواب وہ ہے۔ جو
روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت دیا۔ کہ وحی تین قسم کی ہے۔ ایک وہ جو فرشتہ
کی زبان سے ثابت ہو اور الفاظ بھی فرشتہ کے ہوں۔ وہ تو قرآن ہے۔ دوسرے
وہ جو فرشتہ کے اشارے کے بغیر کلام معلو ہو۔ جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
جگہ جگہ فرمایا اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ تیسری وہ جو قلب مبارک پر ظاہر
خواہ بطور الہام یا بطور خواب۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰک
اللّٰہُ وہ سب اس جگہ مراد ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجتہاد حکم وحی میں
اگر اس پر ثابت رکھا جائے۔ اس سے کچھ آگے فرمایا گیا مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِہٖ میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔ اس عندسے بھی بعض
لوگ دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کی سزا وغیرہ کے مالک نہیں
اس کے جواب بھی وہ ہی ہیں جو اس جگہ عند کے دیئے گئے اور یہ بھی کہ احادیث
ثابت کہ کئی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عذاب کا اختیار دیا گیا۔ جیسے طائف وغ
ہیں۔ مگر ان کے لئے دعائے مغفرت وہدایت ہی فرمائی۔ لہٰذا اس عندی کے معنے
ہوئے کہ یا تو ہم عذاب کے مالک حقیقی نہیں یا ہم کو رب تعالےٰ نے رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ
فرمایا ہے ہمارے قلب پاک پر کسی کو عذاب دینے کا خطرہ گزرتا ہی نہیں۔ ورنہ
دیگر انبیائے کرام کی اُمتوں پر اُن کی بددعا سے عذاب نہ آیا۔ ضرور آیا آج بھی اولیا

کی بدعا سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور دنیاوی حکام اور سلاطین قوموں کو تباہ کر دیتے ہیں، تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر بھی اختیارات نہیں ہیں؟ خود کفار بھی جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا خالی نہیں جاتی۔ اسی لئے بہت دفعہ ابوجہل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ابوسفیان کو دعا کے لئے بھیجا جب ابولہب کے بیٹے عتبہ کے لئے دعائے بد فرمادی کہ یا اللہ اس گستاخ پر اپنے کسی کتے کو مقرر فرمادے جو اسے اس گستاخی کا بدلہ دے۔ تو ابولہب مارے خوف کے کانپ گیا اور کہتا پھرتا تھا کہ اب عتبہ کی خیر نہیں۔ اس کے پیچھے محمد کی بددعا پڑ گئی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس زبان کی بات خالی جاتی ہی نہیں۔

اس آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ رب تعالٰے نے فرمایا اے محبوب! وہ کفار جو علم غیب اور کلی اختیارات کو نبوت کی پہچان نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ نبی کے بیوی بچے نہ چاہییں۔ ان سے کہہ دو کہ ہم نے خدا یا فرشتہ ہونے کا دعوٰے نہیں کیا ہے۔ کلی اختیارات مکمل علم غیب پر خدائی دارومدار ہے۔ نیز ہم نے کب کہا کہ ہم فرشتہ ہیں۔ بیوی اور بچوں کی حاجت نہ ہونا فرشتہ کی پہچان ہے۔ ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور نبی انسان ہی ہوتے ہیں، غذا اور بیوی بچے انسان کے ہوتے ہیں۔ ہمارے نکاح اور غذا پر اعتراض ہے۔

خیال رہے کہ نبی سے انسانیت کی عزت ہے نہ کہ انسانیت سے نبی کی۔ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام نے نکاح وغذا اس لئے قبول فرمایا تاکہ یہ کام اللہ کے بندوں کے لئے سنت ہو جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

وعظ نمبر ۴۵

ایذائے رسول کے وبال کا بیان

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُ
خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَ
مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا شان نزول کیا
دوسرے یہ کہ اس میں کیا فرمایا جارہا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس میں فوائد کیا ہیں۔ چو
یہ کہ اس پر سوالات کیا ہیں اور ان کے جوابات کیا ؟۔

۱۔ شان نزول اس کا یہ ہے کہ منافقین نے اپنی مجلس میں حضور علیہ الصلوٰۃ وا
کی شان میں بکواس بکی۔ تو بعض نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان باتوں کی
ہوگئی تو ہمارے حق میں اچھا نہ ہوگا اجلاس ابن سوید منافق بولا۔ کہ وہ کچے کان کے ہیں ہم قسم کھا کر منکر ہو جائینگ
ہماری بات مان لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں ان باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔

۲۔ اس میں فرمایا جارہا ہے۔ کہ بعض منافق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دیتے ہی
اور آپ کے شان ستاری کے بھروسہ پر دلیر ہوتے ہیں جس بات کو انہوں نے بطور طع
کہا تھا کہ نبی کچے کانوں کے ہیں۔ رب تعالےٰ نے اسی وصف کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسل
کی نعت قرار دیتا ہے۔ کہ یہ تو غایت کرم ہے کہ خیرات بلا تحقیق قبول فرمالیتے ہیں
اور بری بات سے اعتراض کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ نبی مومن باللہ ہیں، مسلمانوں پر اعتما

فرمانے والے اور اہل ایمان کے لئے رحمت ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچائیں وہ دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

۴۔ اس آیت میں چند فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ الٰہیہ میں وہ عظمت ہے کہ اگر کسی کی طرف سے قلب پاک کو صدمہ پہنچے تو رب تعالیٰ تسلی دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص جس جگہ چھپ کر بھی کوئی گناہ کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ پاک اس کو دیکھتی ہے، کیونکہ منافقین نے اپنی خاص مجلس میں یہ بکواس کی تھی کہ اگر اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقف نہ ہوتے تو ایذا کیونکر پہنچتی۔ یہ کہنا کہ قرآن نے جب بکواس کی خبر دی تب ایذا پہنچی صحیح نہیں کیونکہ پھر تو ایذا نزول آیات سے ہوئی، مگر یہاں ایذا کا فاعل منافقین قرار دیئے جارہے ہیں۔ نیز قرآن کریم نے اس ایذا کی حکایت کی جو پہنچ چکی تھی، تو یہ آیت ایذا کی حکایت ہے، نہ ایذا کی انشاء اور حکایت کے لئے ضروری ہے کہ محکی عنہ اس کے علاوہ ہو، معلوم ہوا کہ ایذا پہنچ چکی تھی۔ یہ اس کا بیان ہے۔

رب تعالےٰ نے فرمایا عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری مصائب کی خبر نہیں۔ تو ہماری مصیبتوں سے آپ کو تکلیف کیوں کر پہنچتی ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ساب النبی کی توبہ قبول نہیں۔ کیوں کہ یہ حقوق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔ اور مسئلہ فقہی ہے کہ غیبت اس وقت حق العبد بنتی ہے۔ جبکہ مغتاب کو اس کی خبر ہو جائے، اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تو توہین پیغمبر حق العباد میں کیسے داخل ہوتی۔ غرضیکہ ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے نیک وبد اعمال کی خبر ہوتی ہے۔ اور اس پر رنج وغم ہوتا ہے۔ حدیث معراج میں ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں سیاہ سفید ارواح ہیں، سفید کو دیکھ کر خوش اور سیاہ کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہؤا کہ یہ کفار و مومنین کی ارواح ہیں۔ اور اس پر یہ رنج و غم ہے۔ جب ان کو اپنی اولاد کے احوال کا پتہ اور رنج و غم ہے۔ تو حضور سید الانبیاء ہیں (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) آپ کو بھی ہر امر کا پتہ ہوتا ہے۔ اب زید ابن ارقم کی وہ حدیث کہ فَصَدَّقَتْهُ وَكَذَّبَنِيْ کے معنی یہ نہیں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبداللہ ابن ابی کی بے ایمانی کا پتہ نہ چلا، بلکہ بلا گواہ مدعی کے حق میں ڈگری نہ دی، جیسے کہ رب تعالےٰ قیامت کے دن گواہی لے کر فیصلہ فرمائے گا۔ یہ قانون ہے۔ ہماری اس تقریر سے مسئلہ علم غیب و حاضر ناظر حل ہو گیا۔

تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ گناہ کرنا توبہ کے ارادہ پر کفر ہے۔ کہ اس میں خدا پر امن ہے۔ منافقین نے یہ ہی تو کہا تھا کہ بکو اس بک لو۔ بعد میں قسم کھا کر ان کو راضی کر لیں گے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک ہی کلمہ اچھی نیت سے کہا جائے وہ ایمان ہے اور وہی بات بری نیت سے کی جائے تو کفر۔ منافقین نے یہی کہا تھا ہو اذن۔ رب تعالےٰ نے بھی فرمایا کہ وہ سراپا کان ہیں۔ مگر یہ نعمت ہے، وہ بے ایمانی کیونکہ منافقین کا مطلب یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تحقیق خبر کا معاذ اللہ سلیقہ نہیں، ہر بات مان لیتے ہیں، رب تعالےٰ کا اشارہ یہ ہے کہ تقاضائے رحمت یہ ہے کہ خیر بات مان لیں زیادہ تحقیق نہ کریں، یہ شانِ ستاری ہے، جیسے بعض اولیاء و علماء سے ثابت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے قصداً دھوکا کھایا اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ۔

پانچواں فائدہ یہ حاصل ہؤا، جس بات میں اچھے برے دو احتمال ہوں وہ نہ بولنا چاہیئے، کیونکہ اس سے کفار کو بد گوئی کا موقعہ ملے گا۔ جیسے کہ رَاعِنَا سے مسلمانوں کو

روک دیا گیا۔

چھٹا فائدہ یہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضی غضب الٰہی کا باعث ہے۔ اور ان کی ایذا کفر ہے۔ خواہ کسی بات سے یا اگر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی وجہ سے ہو۔ اور اگر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی وجہ سے کسی پر ناراض ہو جائیں تو چاہیئے کہ توبہ کر کے راضی کرے بخلاف دیگر مومنین کے کہ ان کو ناراض کرنا دنیاوی لحاظ سے ہو تو اور حکم اور دینی لحاظ سے ہو تو اور حکم۔

ساتواں فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جب ایمان کے بعد ب آئے۔ تو اس کے معنی ہوتے ہیں کفر کے مقابل ایمان۔ اور جب اس کے بعد لام ہو تو اس کے معنے ہیں تصدیق يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ مومن کے ساتھ چشم پوشی کرنا چاہیئے۔ اور کافر کے ساتھ بہت احتیاط۔ اس لئے فرمایا گیا يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

۴۔ اس آیت پر دو اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالٰے نے یہاں فرمایا وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ نبی مسلمانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ بتاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف مومنین کے لئے رحمت ہیں یا سارے جہان کے لئے؟ جواب یہ ہے کہ دنیا میں تمام جہان کے لئے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے کفار پر بھی دنیا میں عذاب نہیں آتا۔ ان کی رسوائی نہیں ہوتی مگر آخرت میں صرف مسلمانوں کے لئے۔ جیسے بارش کھیتی پکنے سے پہلے رحمت ہے اور پکی کھیتی کے لئے زحمت۔ دنیا کچی کھیتی ہے اور آخرت پکی۔ رب تعالٰی دنیا میں سب کیلئے رحمٰن ہے۔ اور آخرت میں صرف مومنین کے لئے رحیم۔ اسی طرح یہاں ہے۔ دوسرے

برزخ، دنیا میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کے اجسام کے لئے رحمت ہیں۔ اور مومنین کی ارواح کے لئے بھی رحمت ہیں اور اجسام کے لئے بھی اور کفار کے ارواح کے لئے اسلئے رحمت نہ ہوئے کہ انہوں نے فائدہ حاصل نہ کیا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ میں لهم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ عَذَابٌ اَلِيْمٌ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا دینے والوں کے لئے ہے حالانکہ منکرین خدا، مشرکین اور بعض بداعمال لوگوں کو بھی عذاب الیم ہوگا، اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ، دوسرا عاشقانہ، عالمانہ جواب تو یہ ہے کہ جیسے جیل خانہ میں اے کلاس، بی کلاس اور سی کلاس ہوتے ہیں، اور ان میں مختلف سختیاں۔ اسی طرح جہنم میں مختلف طبقات ہوں گے۔ جو لوگ موذی کفار ہیں، ان کو دیگر کفار و گنہگار کے مقابلہ میں سخت عذاب ہوگا۔ جس طرح مومنین کے لئے جنت میں مختلف ثواب۔ ایسے ہی کفار کے لئے مختلف عذاب۔ اور بدترین عذاب ان کفار کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دینے والے ہوں۔

جواب عاشقانہ یہ ہے کہ گناہ وہ ہی ہے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دے، اللہ تعالیٰ کا انکار یا شرک یا بے نمازی ہونا۔ داڑھی منڈانا وغیرہ اس لئے گناہ یا کفر قرار پائے، کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی کا باعث ہیں، تو ہر مجرم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دینے والا ہے۔ لہذا اس کے لئے جہنم ہے۔ ہاں کفر بڑی ایذا اور گناہ صغیرہ معمولی ناراضگی۔ ایسے ہی عبادت وہ ہے۔ جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام راضی ہوں عمداً نماز چھوڑنا۔ سانپ کے سوراخ میں انگلی ڈال کر کٹوانا۔ کلمہ کفر منہ سے نکالنا نماز قضا کرنا یہ سب جرم ہیں۔ مگر مولیٰ علی نے خیبر میں نماز عصر حضور علیہ السلام کی نیند پر قربان

کی، صدیق نے غار میں سانپ سے کٹوایا۔

حضرت ابوامیہ ضمری نے کلمۂ کفر منہ سے نکالا۔ عرفات میں حاجی نماز مغرب عمداً عشاء کے وقت پڑھتے ہیں۔ چونکہ یہ افعال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کا باعث ہیں نہ کہ ایذا کا لہٰذا یہ ان کے حق میں عبادت ہوئے دوسرے کے لئے گناہ۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود ✤ کفر گیرد ملتی ملت شود!

کسی کی عزت ذاتی نہیں۔ جو ان کو پیارا ہے عزیز ہے جو وہاں مردود ہے ذلیل ہے۔ ؎

قدم بوسی سے تیری خاک کو رتبہ ہوا حاصل
رہا باقی فلک کو پیسنا اپنے مقدر کا!
نہ اس میں کچھ شرافت ہے نہ اسکی کچھ کرامت ہے
یہ صدقہ آپکے پا کا وہ صدقہ آپ کے سر کا

مولوی تمنا صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

نال سوکھ پر بیٹھ مہو منسا کہیں نہ جائیں ✤ باندھے پچھلی پریت کے کنکر چن چن کھائیں
تمنا کو ابھی پیارے وہی الفت نبھارہی ہے

مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین اس پیغمبر کو جو رؤف رحیم رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین ہے کچے کانوں والا کہتے ہیں۔ اے محبوب ان موذیوں سے فرما دو کہ مسلمان کو اچھی باتیں بلا تحقیق مان لینا اور ان کے برے اعمال چشم پوشی فرمانا عین کرم ہے۔ تم کرم کو عیب کہتے ہو۔ جو کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دے وہ سخت عذاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ سب جرموں سے بڑھ کر ایذائے پیغمبر ہے۔ لہٰذا اس کی سزا تمام سزاؤں سے بڑھ کر ہے۔ صوفیائے

کرام اس آیت پر وجد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پتہ لگا کہ رحمت عالم پیغمبر مسلمانوں کی نیکی قبول فرمانے میں بہت باکمال ہیں۔ اور ان کے گناہوں سے چشم پوش ہیں امید ہے کہ جب بارگاہ نبوی میں ہم گنہ گاروں کے گناہ پیش ہوتے ہوں گے تو یا تو انہیں توجہ سے ملاحظہ ہی نہ فرماتے ہوں گے یا توجہ فرما کر دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔ مگر ہماری تھوڑی نیکی پر خوش ہو کر دعائیں دیتے ہوں گے۔ مسلمان کو چاہئے کہ گناہ سے اسی لئے بچے کہ میری اس حرکت سے میرے پیغمبر کو تکلیف ہوگی۔ نیکی اس لئے بھی کرے۔ کہ میرے اس عمل سے میرے نبی کو خوشی اور راحت ہوگی اس نیت سے نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہو جائے گا۔

حضرت رابعہ بصریہ روزانہ شب کو پانچ سو نفل پڑھ کر فرماتی تھیں کہ میں جنت کے لئے یہ نماز نہیں پڑھتی بلکہ صرف اس لئے کہ میرے پیغمبر قیامت میں مجھ سے راضی ہو جائیں۔ جنت تو اس کی نعلین کے صدقہ میں لے لوں گی۔

وعظ نمبر ۴۶

استغفار نبی کا بیان

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا شان نزول کیا ہے۔ دوم۔ اس میں فرمایا گیا۔ سوم یہ کہ مسلمانوں کو اس سے فوائد کیا حاصل

ہوئے۔ چوتھے یہ کہ اس پر اعتراض کیا ہیں اور ان کے جواب کیا۔

(۱) شان نزول یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب کو چندہ دینے کی رغبت دی۔ جس پر عورتوں نے اپنے زیور بھی اتار کر حاضر کئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار درہم حاضر کئے۔ ان کے پاس کل آٹھ ہزار درہم تھے۔ حضرت فاروق نے اپنے کل مال کا نصف حاضر کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کل مال حاضر کر دیا۔ اور حضرت عقیل انصاری نے مزدوری کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں۔ نصف گھر کے لئے رکھیں اور نصف حاضر خدمت کیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے دس مجاہدین کو سامان جہاد دیا۔ اور نو سو اونٹ، نو سو دینار اور نو سو اونٹوں کا سامان دیا۔ غرضیکہ بہت سخاوت سے کام لیا۔ منافقین نے زیادہ دینے والوں پر ریاکاری کا الزام لگایا اور ابو عقیل کا مذاق اڑایا۔ اور دو اعتراض کئے۔ ایک تو یہ کہ یہ صاحب انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں دولت عثمانی آئی ہو وہاں خرموں کی رب کو کیا ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ابو عقیل چھوٹی حیثیت کے آدمی ہیں اور بڑوں سے ملنا چاہتے ہیں اس اعتراض پر یہ آیت گزشتہ اتری اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ (الآیۃ) اور منافقین کو اس آیت میں فرمایا گیا کہ جب رب تعالےٰ نے ان کا صدقہ قبول کیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے راضی ہوئے تو تم کو اعتراض کا کیا حق ہے۔ معترض منافقین معذرت کرتے ہوئے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر استغفار کے خواہاں ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے لئے دعا کرنے سے روک دیا۔

۲۔ اس آیت میں فرمایا کہ اے پیارے ان منافقین کے بارے میں آپ کا دعائے مغفرت

کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا۔ اگر آپ ستّر بار بھی دعا کریں تب بھی ہم ان کی مغفرت نہ کریں گے۔ عربی زبان میں ستر سے مراد بے شمار ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں سینکڑوں اور بیسیوں۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر فرمایا کہ اچھا ہم ستر بار سے زیادہ دعا کریں گے۔ تب وہ آیت اتری سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ آگے فرمایا گیا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا اس میں بتایا گیا کہ ان کی بخشش نہ ہونا اس لئے نہیں۔ کہ آپ کی دعا قبول نہیں یا ہم کریم نہیں۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ مغفرت کے قابل نہیں کیوں کہ وہ اللہ رسول کے مخالف ہیں۔ اور مخالف کی مغفرت کیسی۔ حقیقت میں ان منافقین نے اس موقعہ پر نہ تو اللہ کی مخالفت کی تھی نہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم جو صدقات لے کر آئے تھے ان پر اعتراضات کئے تھے۔ لیکن چونکہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ صدقات اللہ کے پیارے کے پیاروں کے آئے تھے ان پر اعتراضات کرنا رب تعالےٰ کا انکار ہے۔ آئندہ کے لئے بھی فرمادیا کہ ان کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

۲۔ اس آیت سے مسلمانوں کو حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ مسجد میں دوسروں کے لئے سوال جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد نبوی شریف میں مجاہدین کے لئے چندہ جمع فرمایا دوسرے یہ کہ بارگاہ الٰہی میں چیز کی زیادتی کمی کا اعتبار نہیں۔ دل کے اخلاص کا لحاظ ہے۔ منافق اس کو نہ سمجھ سکے اور ابو عقیل انصاری پر تھوڑے مال کا اعتراض کردیا۔ تیسرے یہ کہ اگر ادنیٰ آدمی بڑوں سے ملنے کی کوشش کرے تو رب تعالیٰ اس کو نیت خیر کی بنا پر اجر دیتا ہے۔ گنہگار کو چاہیے۔ کہ نیکوں سے مشابہت پیدا کرے۔ سہ

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ٭ لَعَلَّ اللّٰهُ یُرْزِقُنِیْ صَلَاحًا

ابو عقیل انصاری نے تھوڑے خرمے دیکر اپنے کو بڑوں میں شامل کر دیا جس کو منافقین نہ سمجھ سکے۔ چوتھے یہ کہ اللہ والوں پر اعتراض کرنا اپنی آخرت خراب کرنا ہے۔ جیسا کہ منافقین نے کر لیا۔ پانچویں یہ کہ کسی مسلمان پر ریا کا الزام لگانا محض غلط ہے اس کے فعل کو اچھائی پر محمول کرنا لازم ہے ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا نیت کا معاملہ رب تعالیٰ کے ساتھ ہے دیوبندی اس سے بے خبر ہے کیوں کہ وہ مسلمانوں کے اعمالِ خیر کو اس پر محمول کرتا ہے کہ اس نے فلاں بزرگ کو رب سمجھ لیا ہے۔ چھٹے یہ کہ مناع الخیر بننا اور لوگوں کو خیر سے روکنا بڑا جرم ہے۔ جیسا کہ منافقین نے الزام ریا یا تمسخر یہ کہ کے اصحاب کو خیرات سے روکنا چاہا ساتویں یہ کہ کفار اور منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنا منع ہے، کیونکہ ان کی مغفرت خلافِ رضائے الٰہی ہے جو محال ہے۔ لہذا ان کو مرحوم کہنا، ان کی فاتحہ پڑھنے جانا وغیرہ تمام معاملات منع ہیں حتےٰ کہ ان کی زیارت قبور بھی منع۔ ہاں اگر عبرت کے لئے وہاں جائے نہ کہ فاتحہ خوانی کے لئے تو حرج نہیں۔ کفار کی اجڑی بستیوں کو دیکھنے کا قرآن کریم نے حکم دیا ہے۔

۴۔ اس آیت پر چند اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی دعا غیر مقبول ہے۔ دیکھو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی اور وہ رد کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ پہلے ہی دعائے مغفرت نہ فرماتے تا کہ رد نہ ہوتی تیسرے یہ کہ کافروں کے لئے دعائے مغفرت منع ہے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہوا اور دعا کر دی۔ پتہ لگا کہ نبی کو کبھی مسائل دینیہ کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

جواب:۔ ان تمام اعتراضوں کے لئے ایک ہی تقریر کافی ہے۔ اس تقریر کی دو نوعیتیں کافی ہیں۔ ایک عالمانہ، دوسری عاشقانہ۔

تقریر عالمانہ یہ ہے۔ کہ محبوب کا حسن بے اختیاری ہوتا ہے اور چاہنے والے کا فرض منصبی ہے کہ محبوب کے دشمن کو کبھی بھی نہ چھوڑے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منافقین کے لئے دعائیں فرمانا رحمت غیر اختیاری ہے۔ جو بھی آکر طالب دعا ہوا سے محروم نہ فرمائیں۔ اور شرعًا ان کیلئے دعا ممنوع نہیں۔ کیونکہ شریعت ظاہر پر ہے۔ اور وہ لوگ بظاہر مسلمان تھے لہٰذا ان کے لئے دعا فرمادی۔ مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ محبوب چونکہ وہ صدیق، فاروق یعنے تمہارے غلاموں کے منکر ہیں میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ان کو اپنی جنت دوں، اگر یہ میرے مجرم ہوتے، بے نماز ہوتے اور توبہ کرتے تو ہم معاف کر دیتے لیکن یہ تمہارے مجرم ہیں۔ ان کی مغفرت نہیں۔ اس دعا کے قبول نہ فرمانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی عظمت ہے۔ بعض وقت ترک امر ادب ہوتا ہے۔ میرا استاد کہے سرہانے بیٹھ جاؤ۔ مگر میں نہیں بیٹھتا۔ یہ عین ادب ہے نہ کہ سرتابی۔ لہٰذا یہ بھی عتاب نہیں بلکہ شان محبوبی کے جلوے دکھانا ہیں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

عاشقانہ پہلو یہ ہے کہ دعا کرانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک ایک یہ کہ کسی اللہ والے کا دل اتنا راضی کر دیا۔ کہ اس نے خود خوش دلی سے دعا کر دی۔ دوسرے یہ کہ اتفاقیہ کوئی کسی کے پاس آگیا۔ اور کہا مہربانی کرکے دعا کرو۔ اس نے دعا کر دی۔ تیسرے یہ کہ کسی اللہ والے کو کسی نے بہت دکھ دیئے اور پریشان کیا۔ مگر پھر کبھی دعا کا طالب ہو گیا۔ اس بزرگ نے اس کے آنے کی شرم کرکے دعا کر دی پہلی قسم کی دعا میں زبان کی حرکت بھی ہے اور دل کی شرکت بھی، اور قلب کا جوش بھی۔ دوسری دعا میں زبان کی حرکت تو ہے۔ مگر دل کی شرکت غالبًا ہوتی ہے، مگر جوش قلب نہیں ہوتا۔ تیسری دعا میں دل کی ناراضگی کے ساتھ زبان کی حرکت ہے۔ اس کے مختلف اثر ہیں۔

انبیائے کرام کی بڑی شان ہے، عام مسلمانوں کی بھی پہلی دعا اعلیٰ درجہ کی ہے، انبیائے کرام کی یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض اوقات جوش قلب میں آکر خود ہی مراد پوری فرما دیتے ہیں۔ جیسے ربیعہ ابن کعب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود جنت دے دی۔ اور بعض اوقات زبان سے کچھ بھی نہیں فرماتے۔ مگر رب تعالیٰ منشا پاکر تمنا پوری فرما دیتا ہے، جیسے تحویل قبلہ۔ کہ اس میں رب تعالیٰ سے دعا نہ کی۔ مگر فرماتا ہے قَدْ نَرٰی الآیہ۔ دوسری قسم کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں مگر جو خلاف ارادۂ الٰہیہ ہوں ان کے متعلق دعا کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ جیسے یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ اس میں ان کی انتہائی عظمت ہے۔ یعنی ان کی بات رد فرمانا رب جلیل کو منظور نہیں۔ اور خلاف ارادۂ الٰہیہ ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے فرما دیا جاتا ہے کہ اس بارے میں آپ دعا نہ فرمائیں تاکہ آپ کی بات خالی نہ جائے تیسری قسم کی دعا کا قبول نہ ہونا ہی عظمت انبیاء ہے۔ جیسے گزشتہ تقریر سے معلوم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا تیسری قسم کی تھی کہ منافقین نے ایذائیں دیں۔ پھر قلب پاک راضی تو نہ کیا مگر دعا کرانے آگئے۔ اس کا جواب پالیا۔ دعا کے لئے ضروری ہے۔ کہ دعا کرنے والے کا قلب بھی دعا دے۔ اسی لئے تعویذوں میں نذرانہ لیتے ہیں۔ اور اچھی تاریخوں اور منہ میں شیرینی رکھنے کا حکم ہے۔ کہ یہ چیزیں داعی کا دل خوش کرنے والی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے فرزندوں نے معافی کی درخواست کی۔ تو فرمایا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ فی الحال دعا نہ فرمائی، کیونکہ قلب اس وقت مائل بہ دعا نہ تھا۔ اب کب دعا کی، اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پنجشنبہ کو بعض کہتے ہیں دو شنبہ کو، بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے وقت۔ اسی طرح سے اگر کسی سے قصور یا حقوق معاف کرانا ہو تو اس کو راضی کر کے

معاف کرالئے نہ کہ ناراض کر کے۔

خیال رہے کہ جوش کی دعا اس تیر کی طرح ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا بزرگوں کی خدمت اور ان کی فرمانبرداری ان کی خدمت میں ہوتا اسی جوش قلب کو حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر دکھ سے واقف ہیں۔ اور ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔ مگر جب سنہری جالیوں کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ ؎

رنج و غم کھاتے ہوئے ہیں ⁂ دور سے آتے ہوئے ہیں
تم پہ اتراتے ہوئے ہیں ! ہاتھ پھیلاتے ہوئے ہیں

حضور میں بھیک مانگنے بہت دور سے آیا ہوں۔ بحر و بر، دشت و جبل طے کر کے حاضر ہوا ہوں۔ قرآن کا بلایا ہوا آیا ہوا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بے کسی دیکھ کر داتا کو جوش آجائے۔

وعظ نمبر ۲۷

دنیا کی بے ثباتی کا بیان

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اس آیت کریمہ میں بے ثباتی دنیا کی ایک نفیس مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں صدہا نکات ہیں۔ فرمایا گیا اِنَّمَا جو کلمہ حصر ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی صرف یہ ہی مثال ہے۔ جو اس کو باقی مانے وہ غلطی پر ہے، کیونکہ چیز کی حقیقت کو جیسا صانع جانتا ہے، ویسا کوئی نہیں جانتا۔ تو ہم دنیا کے بنانے والے ہیں۔ اس کی حقیقت ہماری طرح کوئی نہیں جان سکتا ہم فرماتے ہیں کہ دنیا بے ثباتی اس ہرے بھرے کھیت کی طرح ہے جو اچانک اُجڑ جائے۔ مثل کہتے ہیں حالت عجیبہ کو (روح البیان) چوں کہ دنیا کی حالت یہ ہے کہ اول اور بیچ میں خوبصورت، دلفریب اور آخر میں ہیچ اس لئے اس کو مثل فرمایا گیا۔

حیوٰة یعنے زندگی تین طرح کی ہے۔ ایک حیات دنیا، دوسری حیات برزخی تیسری حیات اخروی۔ یہاں پہلی حیات کا ذکر ہے۔ حیات دنیا تو وہ ہے جس کے اول بقا بیچ میں عنا یعنی مصیبت۔ آخر فنا ہے۔ حیات برزخی وہ ہے۔ جس کے اول فنا یعنے موت بیچ میں عنا یعنے دنیاوی غذا وغیرہ سے بے نیازی۔ آخر بقا ہے۔ حیات اخروی وہ ہے جس کے اول اجتماع وسط حساب، آخر جزا ہے۔

حیات جنت وہ ہے جس کے اول عطا، اوسط رضا، آخر لقا ہے۔

دنیا یا تو دُنُوٌّ سے بنا ہے یا دناءت سے۔ لہذا یا تو اس کے معنی ہیں فنا سے قریب تر یا نہایت ادنیٰ اور حقیر چیز۔ اصطلاح میں دنیا کا مصداق چند چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو دو وقات کے درمیان ہے وہ دنیا ہے یعنی قعر کرسی اور قبر کے بیچ کی چیز۔ جو قبر میں گیا اس کی زندگی ختم۔ اسی لئے اب اِس کی عمر کا حساب بے باق ہو گیا۔ عرش اعظم کی چیزیں دنیا نہیں قرآن نماز مسجد، قرآن کے احکام دنیا نہیں کہ ان کا تعلق عرش سے ہے۔ یہ دینی چیزیں

ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو مثل ماں کے ہے وہ دنیا۔ اور جو مثل استاد کے ہے وہ دین۔ یعنے جس طرح بچے کا ماں کے پاس رہنا پرورش کے لئے ضروری ہے۔ لیکن پرورش ہو چکنے پر اگر ماں سے جدا ہو کر استاد کے پاس نہ جائے تو اس کی زندگی برباد ہے۔ اسی طرح زندہ رہنے کے لئے دنیا سے تعلق ضرور مگر بقا کے لئے دنیا کا ترک ضروری ہے نماز میں آؤ حج کو جاؤ۔ روزے میں کھانا پینا چھوڑ دو۔

دنیا کے کاروبار میں اتنا ضرور ہے!
جیسے کہ جاءِ حاجت میں جانا ضرور ہے!

تیسرے دنیا وہ جو ہم کو اوپر سے نیچے لائے، جیسے ماں، اور دین وہ ہے جو ہم کو نیچے سے اوپر لے جائے، جیسے استاد، چوتھے یہ کہ جو رب تعالیٰ سے غافل کرے وہ دنیا اور جو رب تعالےٰ تک پہنچا دے وہ دین۔ لہٰذا روزی کمانا اگر نیت خیر سے ہو تو دین ہے، اور اگر نماز بھی ریا کے لئے پڑھی تو وہ دنیا ہے سے

اہل دنیا کافران مطلق اند ٭ روز و شب در زق زق و در بک بک اند
چیست دنیا از خدا غافل بدن ٭ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن!

اس آیت کریمہ میں دنیاوی زندگی کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ کنویں اور دریا، تالاب کا پانی۔ اسی طرح زمین کے نیچے کی اصلی تری جیسے کہتے ہیں آل، وہ یکساں حال پر رہتے ہیں، مگر بارش کا پانی کبھی زیادہ آگیا، کبھی کم، کبھی بالکل نہیں۔ اسی طرح دنیا اپنے اہل کے پاس کبھی زیادہ، کبھی کم۔ کبھی بالکل نہیں۔ دوسرے یہ کہ بارش کا وقت نہیں معلوم۔ اسی طرح دنیا کی آمد کا وقت غیر معلوم۔ تیسرے یہ کہ اگر بارش وقت پر آجائے تو مفید ہے۔ اگر بے وقت آئے تو مضر اسی طرح اگر دنیاوی کام وقت

پر ہوں تو مفید اگر بے وقت ہوں تو مضر۔ رمضان میں دن میں کھایا، فجر کے وقت سوتا رہا، گنہگار ہوا۔ یہ کام بے وقت کیئے۔ چوتھے یہ کہ اگر پانی بقدر ضرورت کھیت میں آجائے تو اس کو روکو مفید ہے۔ اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو مینڈھ کاٹ کر نکال دو کر وہ مضر ہے۔ اسی طرح اگر تمہارے پاس مال نصاب سے کم ہے۔ تو رکھو۔ اور اگر نصاب ہے تو زکوٰۃ اور فطرہ اور قربانی کی راہ نکال دو۔ پانچویں یہ کہ اگر بارش کا پانی ایک جگہ رکا رہے تو خراب ہو جائے۔ اور بہتا رہے تو پاک بلکہ پاک گر ہے۔ اسی طرح اگر مال زکوٰۃ سے نہ بہایا جائے تو گل گندہ ہے۔ اور زکوٰۃ نکلتی رہے تو پاک، اگر ہم رب کا بل رب کی راہ میں خرچ کرتے رہیں گے تو وہاں سے مال آتا رہے گا۔ اور اگر روک لیں گے، تو ادھر سے بھی رک جائے گا۔ جیسے کنوئیں والا پانی جب ہی بھیجتا ہے۔ جبکہ کھیتی والا کیاریوں میں پانی دیتا رہے۔ چھٹے یہ کہ بارش کا پانی کسی کو مفید ہے کسی کو مضر اسی طرح یہ مال صاحب شریعت کو مفید ہے اور غیر دیندار کو نقصان دہ، کہ تکبر اور غفلت پیدا کرتا ہے ساتویں اس لئے کہ بارش کا پانی زمین پر آکر قرار نہیں پکڑتا۔ اسی طرح دنیا کا مال قرار نہیں پکڑتا۔ کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے۔ غرضیکہ ان جیسی اور بہت سی وجوہ ہیں جن کی وجہ سے تشبیہ بارش سے دی گئی۔

اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا نبات ارض یعنے کھیتی باڑی کی طرح ہے۔ دنیا کو کھیتی چند وجوہ سے فرمایا۔ شجر وہ ہے جس کی جڑیں زمین میں اس قدر نیچے پہنچ گئی ہوں کہ اب بغیر بارش بھی ہرا بھرا رہے جیسے آم اور کھجور کے درخت اور بعض درخت وہ ہیں جو اگرچہ نیچے تک تو نہ پہنچا۔ مگر اس میں پانی جذب کرنے کی طاقت ہے۔ جیسے آک وغیرہ کے پیڑ، اور نبات وہ جن میں یہ دونوں وصف نہ ہوں۔ چونکہ دنیا کا معاملہ ایسا ہے

جیسے درخت گندم کہ اگر ایک دو ماہ پانی نہ ملے تو خشک ہو جائے۔ اس لیے اس کو نبات فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ کھیتی بغیر فنا ہوئے کسی کو نفع نہیں پہنچاتی بخلاف درخت کے کہ خود تو وہ قائم رہتا ہے۔ اور اپنا سایہ اور پھل لوگوں کو دیتا ہے۔ اہل اللہ قائم رہ کر نفع دیتے ہیں، مگر دنیا و اہلِ دُنیا، دنیا فنا کر کے نافع ہیں۔ درخت پتھر کھاتا۔ مگر پھل دیتا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ اہلِ دُنیا سے تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر دعائیں دیتے ہیں کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ غصے میں کبھی آتے نہیں ؛ رنج سہتے ہیں مگر وہ رنج پہنچاتے نہیں دین مثل پھلدار درخت کے ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ کَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَاۤءِ تُؤْتِیْۤ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا جس کی تفسیر یہ ہے کہ جیسے درخت کی جڑیں زمین کے نیچے پھیلتی ہیں اور شاخیں زمین کے اوپر۔ اسی طرح کلمہ کی جڑیں دل، دماغ اور خیالات میں، اور اس کی شاخیں اعضائے ظاہری پر پھیلتی ہیں کہ آدمی کو بُرے اعمال سے روکتی ہیں۔ یہ درخت ایمانی زندگی نزع قبر و حشر سب میں کام آتا ہے۔ اور ہر وقت پھل دیتا ہے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیاوی زندگی اور یہاں کی بے وفائی کی مثال ایسی ہے کہ جیسے آسمان سے بارش آئی۔ جس سے کھیتیاں ہری بھری ہو گئیں، زمین خوب بارونق ہو گئی۔ کسان سمجھے کہ بس اب پیداوار خوب ہو گئی۔ کل کھیت کاٹ کر ہم بھی پھل حاصل کر لیں گے۔ اور ہمارے جانور بھی خوب چارا پائیں گے۔ کسان تو اسی خیال میں مگن تھا۔ کہ اچانک کوئی آسمانی آفت۔ بجلی یا لُو اس لہلہاتے کھیت پر ایسی پڑی کہ سارا کھیت آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کھیتی کبھی تھی ہی نہیں۔ یہی حال دُنیا کا ہے۔ کہ انسان خوب جوان مال دار ہوا۔ مکان، جائیدادیں خریدیں۔ صاحب

اولاد بلکہ صاحب تخت وتاج ہوا۔ اس کی زندگی کی کھیتی خوب ہری بھری معلوم ہونے لگی اور وہ سمجھنے لگا کہ اب یہ سامان میرا ہے، اور میں اس کا۔ اسی خیالِ خام میں تھا کہ اچانک موت کا جھٹکا لگا۔ جس نے آن کی آن میں اس کا سارا کھیت اجاڑ کر رکھ دیا۔ آناً فاناً یہ مالکِ تخت وتاج مٹی میں مل گیا اب اس مُردے کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی ان چیزوں کا مالک تھا ہی نہیں۔ سب کچھ دھرا رہ گیا۔ وہ جنگل میں جا سویا ؎

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے!

فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے!

توشۂ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ جی۔ کون پھر بھیجے گا تم اتنا تو سوچو تو سہی۔

وعظ نمبر ۴۹

اولیاء اللہ کو پکارنے کا بیان

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں، ایک جاہلانہ، دوسری عالمانہ اور تیسری عاشقانہ تفسیر جاہلانہ وہ ہے جو وہابیہ دیوبندیہ نے کی۔ کہ رب تعالٰی کے سوا کسی کو نہ پکارو۔ لہٰذا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یا غوث وغیرہ کہنا شرک ہے مگر اس تفسیر پر سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے تو حق تعالٰی نے پکارا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ہر نمازی پکارتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکارا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللہِ اِخْوَانًا ہ تمہارے بزرگوں نے پکارا سے

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہے ڈباؤ یا ترا ؤ یَا رَسُوْلَ اللہِ

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا۔ نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار لہٰذا قرآن میں شرک ہوا۔ انبیائے کرام اور تمام نمازی اور تمہارے سارے بزرگ مشرک ہوئے۔ اب آنکھ کھلی، تو بولے کہ نہیں زندوں کو پکارنا شرک نہیں۔ مردوں کو پکارنا شرک ہے۔ تو اعتراض ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوجہل امیہ بن خلف کی نعشوں پر کھڑے ہو کر ان کو بدر کے میدان میں پکارا۔ ہم کو حکم ہے کہ جب قبرستان میں جاؤ تو ان کو کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَہْلَ الْقُبُوْرِ وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ بنا کر سب کو آواز دی کہ اللہ کے بندو چلو۔ بعض نے کہا لبیک اور بعض خاموش رہے۔ حالانکہ بعد موت کی حالت قبل موت کی طرح ہے، تو سب لوگ مشرک ہوئے۔ نیز قرآن کریم میں زندے مردے کی قید نہیں ہے۔ یہ قید تمہارے گھر کی ہے۔ تو پھر آنکھ کھلی اور اور بولے کہ کسی کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے۔ پھر سوال ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا

اِنْ تَنْصُرُوا اللہَ یَنْصُرْکُمْ حضرت ذوالقرنین نے مدد کے لئے بلایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدہا موقعہ پر صحابہ کرام کو مدد کے لئے بلایا حصن حصین میں ہے۔ کہ دعا پڑھا کرو یَا عِبَادَ اللہِ اَعِیْنُوْنِیْ رب تعالیٰ نے کفار سے فرمایا وَادْعُوْا شُھَدَاءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللہِ ہم آج آگ لگنے۔ چھپر اٹھانے پر لوگوں کو مدد کیلئے پکارتے ہیں۔ بیمار حکیم سے۔ مقدمہ والے پولیس سے مدد لیتے ہیں۔ یہ شرک ہوا۔ تو بولے کہ صاحب یہ کچھ

مراد نہیں۔ بلکہ دور سے کسی کو پکارنا یہ سمجھ کر، کہ ہماری آواز سنتا ہے یہ شرک ہے ؟

تو سوال ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ساریہ کو مدینہ سے پکارا۔ حالانکہ حضرت ساریہ نہاوند میں تھے اور یہ ہی سمجھ کر پکارا کہ وہ سنتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ یہ سمجھ کر نماز میں پڑھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سن رہے ہیں۔ آج ہم ٹیلیفون پر بیٹھ کر صدہا کوس والے آدمی کو پکارتے ہیں یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے بتاؤ یہ شرک ہے یا نہیں ؟ غرضیکہ یہ تفسیر بالکل غلط ہے۔ ہزارہا قیدیں لگانے پر بھی درست نہیں ہوتی۔ وہابیوں کے ہر قاعدے ایسے ہی ناقص ہیں کہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں کہیں لَاتَدْعُوْا فرمایا۔ اس سے مراد لَاتَعْبُدُوْا ہے یعنے نہ پوجو۔ تو اب معنے یہ ہوئے کہ غیر خدا نافع و مضر بالذات نہیں، لہٰذا کوئی قابل عبادت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہر عبادت میں ہر عابد معبود کو پکارتا ہے، مسلمان کہتا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ مشرک کہتا ہے کہ لے یہ مہادیو۔ اے دیوی وغیرہ وغیرہ تو گویا پکارنا عبادت کا جزو ہے اور جزو بول کر کل مراد لینا عام طور پر جائز ہے۔ لہٰذا بلانے کا ذکر کیا گیا اور کل یعنی عبادات مراد لی گئی۔ آگے ما فرمایا۔ اور ما غیر عاقل یعنے ناسمجھ چیزوں پر بولتے ہیں۔ چونکہ کفار مکہ چاند، سورج، وغیرہ ناسمجھ چیزوں کی ہی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے اس جگہ ما بولا گیا۔ ورنہ ما کی کوئی جگہ نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ یہ ہے کہ اس جگہ تَدْعُوْا پکارنے ہی کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن اولیاء وانبیاء مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نہیں۔ یعنی خدا کے غیر نہیں اس کے خدام ہیں۔ لہٰذا ان کو پکارنا درحقیقت رب تعالیٰ کو ہی پکارنا ہے۔ ایک عالم دین گھر میں مع بچوں اور خادموں کے رہتا ہے۔ اب کوئی تو دروازے پر آکر خود مفتی صاحب کا نام لے کر پکارتا ہے۔ کوئی اس

کے خادم کو۔ کوئی اس کے بچے کو، کیوں کہ سمجھتا ہے کہ جس نے بھی آواز سن لی وہ عالم کو خبر کر دے گا۔ لیکن اگر پڑوسی کے گھر آواز دے تو صاحب خانہ کہے گا کہ مجھے نہ پکارو بلکہ فلاں دروازے پر جا کر آواز دو۔ کیوں کہ میں ان کے گھر والا نہیں ہوں۔

معلوم ہوا کہ بتوں کو پکارنا منع ہے، کیونکہ یہ رب کے غیر ہیں۔ ان کی پہنچ رب تک نہیں۔ مگر اللہ والوں کو پکارنا درست ہے۔ کیوں کہ یہ رب تعالےٰ کے خدام ہیں۔ یہ رب تعالےٰ تک ہماری آواز پہنچائیں گے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ اس پر گواہ ہے۔

اسی لئے صحابہ کرام ہر مصیبت میں آکر عرض کرتے تھے طَهِّرْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حضور مجھے پاک فرما دیجئے۔ اور رب تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی آپ ان کے صدقہ قبول فرما کر انہیں پاک فرما دو، اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرماؤ کہ اس سے انہیں تسکین ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ یعنی انہیں نہ پکارو جو بذاتِ خود نفع و نقصان نہ دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بت نہ نفع دیں نہ نقصان۔ لہٰذا ان کو نہ پکارو اور نبی ولی چونکہ نفع بھی دیتے ہیں۔ اور نقصان بھی، لہٰذا ان کو پکارو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو قرآن دیا، ایمان دیا، کلمہ دیا۔ جنت دی، دوزخ سے بچایا رب تعالےٰ کا راستہ دکھایا، کتنے نفعے دیئے۔ اور ان کی بے ادبی کر نیوالا مردود و شیطان قرار پایا۔ جہنمی ہوا۔ شیطان کو بے ادبی سے کتنے نقصان پہنچے۔ ان کے حضور بلند آواز سے بولنا اعمال برباد کرنا ہے یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔ ان کی بارگاہ میں نیچی آواز کرنا مغفرت کا باعث ہے۔ یہ کتنا

بڑا فائدہ ہے لہذا یہ حضرات نافع بھی ہیں اور نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، لہذا ان کو پکارنا جائز بلکہ ضروری ہے۔

یا اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ مستقل طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہ دے اُسے نہ پوجو۔ اور مستقل طور پر نافع اور ضار صرف خدا تعالےٰ ہے کہ اس کے ارادے کے بغیر نہ کوئی کسی کو فائدہ پہنچائے نہ نقصان لہذا صرف اسی کو پوجو۔ بہرحال یہ آیت مشرکین کی تردید کے لئے ہے۔ جو غیر خدا کو صرف پکارتے نہ تھے بلکہ اسے پوجتے تھے۔ اس آیت کو مسلمانوں یا انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا بے دینی ہے، مجبوری، مقہوری کی آیات بتوں کے لئے ہیں، محبوبی اور مقبولیت کی آیتیں پیغمبروں کے لئے، ہر آیت کو اپنے محل پر رکھنا لازم ہے۔

وعظ نمبر ۴۹

اخلاقِ رسول کا بیان

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝

یہ آیات کریمہ کیا ہیں۔ نعتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گنجینہ اور عظمتِ شانِ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خزینہ ہیں ان آیات کے ایک ایک حرف میں حضور علیہ السلام کی نعت کے پھول کھل رہے ہیں۔ ان آیات میں چند طرح گفتگو کرنی ہے ایک

یہ کہ یہ آیت کیوں آئی۔ دوسرے یہ کہ ن سے کیا مراد ہے اور قلم سے کیا مقصود۔ تیسرے یہ کہ اگلی آیتوں میں کیا فرمایا جارہا ہے۔

مشرکین مکہ خاص کر ولید ابن مغیرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو مجنون یعنی دیوانہ کہا کرتے تھے۔ قلب پاک مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس ملعون لفظ سے ایذا پہنچتی تھی۔ رب تعالٰی نے قسمیں فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل اور بدگویوں کے عیوب بیان فرمائیے تاکہ محبوب کے دل کو تسلی ہو۔ فرمایا قسم ہے نون کی قسم ہے قلم کی قسم ہے ان کی تحریر کی۔ اے محبوب! آپ مجنوں نہیں اور آپ کے بدگو ایسے بدذات ایسے بے ایمان ایسے بدظن حرام کے بچے ہیں۔

نٓ وَالْقَلَمِ کلمہ نون میں چند اختلاف ہیں۔ یا تو یہ اس سورت کا نام ہے۔ یعنے اس سورۃ کی قسم یعنی نون۔ یا نون اللہ تعالٰے کا نام ہے یا یہ نور اور ناصر کا پہلا حرف ہے۔ جو حق تعالٰی کے نام ہیں۔ یا اَلرَّحْمٰن۔ ن مل کر رحمٰن بنتا ہے، تو یہ اسمائے الٰہی کا جزو ہے۔ اس صورت میں رب تعالٰے نے اپنی قسم فرمائی۔ یا ن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے۔ یا یہ نور کا جز ہے۔ اور نور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام قد جاءکم من اللہ نور۔ تو اب اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قسم ہوئی۔ یا ن کے معنے ہیں مچھلی۔ کیونکہ عربی میں نون مچھلی کو کہتے ہیں تو اس سے مراد وہ مچھلی ہے۔ جس کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام رہے۔ یا وہ مچھلی مراد ہے جو جنتیوں کو پہلی غذا میں دی جائے گی۔ یا وہ مچھلی مراد ہے جس پر زمین قائم ہے۔ کیونکہ زمین گائے کے سینگ پر اور گائے مچھلی پر ہے۔

قلم سے مراد یا تو عام قلم ہیں۔ چونکہ اس سے علم لکھا جاتا ہے، اس لئے اس کی تعظیم ہے۔ لہٰذا اس کی قسم فرمائی گئی۔ یا اس سے وہ قلم مراد ہے جس سے رب تعالٰے نے لوح

محفوظ پر سارے واقعات تحریر فرمائے یا وہ قلم مراد ہے جس سے ملائکہ ہر انسان کے نامہ اعمال لکھتے ہیں۔ لیکن ان طور آوں میں نٓ اور قلم میں مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے۔ کیوں کہ ایک حدیث میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ یعنی سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ دوسری جگہ ہے سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا تو دونوں حدیثیں اس طرح جمع ہوں گی۔ کہ قلم اور نور دونوں سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ذات ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قلم اس لئے کہتے ہیں۔ کہ جس طرح تمام تحریر سے پہلے قلم ہوتا ہے اسی طرح سارے عالم سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے گئے اور جیسے حق تعالےٰ سبحانہٗ کے قلم کی تحریر کوئی بدل نہیں سکتا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمائی ہوئی بات دنیا میں کوئی پلٹ نہیں سکتا۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قلم الٰہی ہیں۔ یا نون سے مراد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک لب، اور قلم سے مراد ہے حضور علیہ السلام کی پاک زبان۔ جس طرح قلم دوات کی مدد سے لکھتا ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پاک لبوں کی مدد سے کلام فرماتی ہے کہ بعض حروف زبان سے اور بعض لبوں سے ادا ہوتے ہیں، مگر جو حرف بھی نکلے وہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ہوتا ہے۔ یہ زبان اور یہ دہان کن کی کنجی ہے۔ واضح رہے کہ نٓ اور انسان کے لب اور دوات تینوں ہم شکل ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہان دوات رحمان اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان قلم خالق دوجہان اور اس شیریں دہان سے نکلی ہوئی میٹھی میٹھی باتیں رب تعالےٰ کا فرمان۔ اس لئے فرمایا نٓ والقلم، بعض صاحبوں نے فرمایا کہ نٓ سے مراد ملائکہ کاتبین کی دوات اور قلم سے مراد ان ہی کا قلم ہے۔ (روح البیان) مَا یَسْطُرُوْنَ

کے معنی ہیں کہ اس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں۔ کون لکھتے ہیں اس میں بھی چند قول ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ جو عام انسان علوم دینیہ وغیرہ لکھتے ہیں۔ تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ میرے محبوب کی زبان اور ان کے دہان (منہ) کی قسم اور ان کے لفظوں کی قسم جو مسلمان قیامت تک اپنی کتابوں میں لکھتے رہیں گے۔ یعنی قرآن و حدیث۔ کیوں کہ لکھی ہوئی چیز باقی رہتی ہے۔ اور بولی ہوئی چیز مٹ جاتی ہے۔ قربان جاؤں اس تحریر کے۔ آج بڑے بڑے بادشاہ بولتے ہیں۔ مگر ان کی باتیں کچھ روز کے بعد ہوا میں اڑ جاتی ہیں باقی نہیں رہتیں۔ بعض بادشاہوں کے نام وغیرہ تانبے چاندی اور سونے کے سکوں میں چاندی وغیرہ کے مضبوط حرفوں سے لکھے جاتے ہیں۔ مگر وہ تحریر بھی کچھ دنوں کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ نہ وہ سکہ رہا نہ سکے والے۔ مگر اس رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ریگستانی علاقہ میں بیٹھ کر جو کچھ فرما دیا وہ نہ ہوا میں اڑ سکا نہ زمانہ اس کو مٹا سکا۔ نہ کوئی دنیاوی طاقت اس کو بدل سکی۔ اسی طرح ان کا نام پاک عالم والوں کی زبانوں میں دلوں میں دماغوں میں صحیفوں میں پتھروں میں ایسا نقش ہوا کہ کسی طرح نہ مٹ سکا۔ نہ مٹ سکے۔ ؎

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزدِ رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

یَا مَا یَسْطُرُوْنَ سے مراد ملائکہ کی تحریر ہے جو حضور علیہ السلام کے اجر ان کے اعمال طیبہ تحریر کرتے ہیں۔ یا وہ تحریر مراد ہے۔ جس میں عام انسانوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ بہر حال ان تینوں کلموں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت پاک بخوبی چمک رہی ہے۔

اب آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ اے محبوب آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ مجنون میں بھی کئی احتمال ہیں۔ یا اس کے معنی ہیں دیوانہ۔ تب تو مطلب ظاہر ہے

کہ آپ پر دیوانگی نہیں آسکتی، کیونکہ نبی کو تمام عالم سے زیادہ عقل ملی ہے، جو سید الانبیا ہوں۔ اُن کے عقل کا کیا پوچھنا ہے۔ انسان تو صرف انسانوں ہی سے کلام کرتے ہیں مگر پھر بھی ان میں عقل نہ ہو تو وہ کام نہیں چلا سکتے۔ بادشاہ کا وزیر اگر دیوانہ ہو جائے تو ملک کے انتظام میں خلل آجائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو رب تعالےٰ سے بھی کلام فرماتے ہیں، اور اس کے فرشتوں سے بھی۔ جنات سے بھی کلام فرماتے ہیں۔ تمام حیوانات اور جمادات کی بھی فریادیں سنتے ہیں۔ فرشیوں کے فریادرس ہیں۔ عرشیوں کے بھی امیدگاہ، غرضیکہ خالق ان کو دیکھے۔ مخلوق ان کا منہ تکے۔ قیامت میں بھی ہر شخص ان کی لبِ پاک کی جنبش کا منتظر ہوگا۔ ؎

ہے جن کی طرف دیکھتا عالم سارا ٭ خدا جانے وہ خود کسے دیکھتے ہیں

عالم تک رب تعالےٰ کی رحمتیں وہ پہنچائیں، خالق سے عالم والوں کی حاجتیں وہ عرض کریں، گناہ وہ بخشوائیں۔ جن کی ذات کریم پر اتنی ذمہ داریاں ہوں وہ دیوانہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ جب دنیاوی بادشاہ کا کوئی معمولی حاکم دیوانہ ہو کر حاکم نہیں رہ سکتا۔ تو رب تعالےٰ کا وزیر اعظم کس طرح دیوانہ ہو سکتا ہے۔

مسئلہ۔ نبی جنون اور دیوانگی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ مجنون آدمی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ اور نبی تبلیغ ہی کے لئے آتے ہیں۔ اور اس مجنون کے معنے چھپے ہوئے یا چھپائے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں۔ جنون کے معنے ہیں چھپنا۔ اب اس آیت کا مطلب ہوا کہ اے محبوب آپ چھپاتے ہوئے نہیں یعنے آپ سے کوئی غیب اور وَمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات عالم کا ذرہ ذرہ کوئی بھی چھپا ہوا نہیں۔ بلکہ آپ ان سب پر خبردار ہیں (روح البیان) یا یہ مطلب ہے کہ خود رب تعالےٰ

آپ سے چھپا ہوا نہیں۔ حضرت موسٰے علیہ السلام سے فرمایا لن ترانی۔ مگر محبوب علیہ السلام سے فرمایا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ ؎

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
وہاں تو وہ جوش لن ترانی یہاں تقاضے وصال کے تھے!

یا یہ معنے ہیں کہ آپ عالم سے چھپے ہوئے نہیں، تم کو مسلمان جانیں کافر پہچانیں، چاند جانے، سورج جانے، غرضیکہ شجر و حجر، فرشی، عرشی سب ہی پہچانتے ہیں۔

آگے کی آیت وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ کی تفسیر وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کے ماتحت دیکھو، اتنا یہاں بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ ممنون کے دو معنے ہیں اور اجر کے بھی چند معنے۔ یا تو اجر سے مراد شفاعت ہے اور ممنون کے معنے ہیں ختم کی ہوئی تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شفاعت کبھی بھی ختم نہ ہوگی (تفسیر روح البیان) یعنی ازل سے ابد تک آپ ہی کی برکت سے سب کی مصیبتیں دور ہوئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تمہاری طفیل قبول۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تمہاری بدولت کنارہ پر لگی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آگ تمہاری برکت سے گلزار بنی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جان تمہاری بدولت بچی۔ حضرت عبداللہ کی جان تمہاری برکت سے بار بار بچی۔ اب بھی تمہاری ہی طفیل دنیا پر رحمتیں آرہی ہیں۔ اور بلائیں ٹل رہی ہیں۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ نزع کے وقت بھی تم ہی کام آؤگے، قبر میں تمہاری پہچان پر میت کی کامیابی ہے۔ حشر میں بھی شفاعت کا سہرا تمہارے سر ہے، جنت میں بھی تمہارے دم کی دھوم دھام ہے، دوزخ میں بھی گنہگار مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے روک تھام ہے۔ غرضیکہ دولہا تم ہو۔ براتی سارا عالم ہے اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

یا اجر کے معنے ہیں ثواب اور ممنون کے معنی ہیں بند کیا ہوا تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا ثواب کبھی بند نہ ہوگا۔ کیوں کہ قیامت تک آپ کی امت رہے گی، انکی نیکیاں رہیں گی۔ جن سب کا ثواب آپ کو صدہا گنا ہو کر ملتا رہے گا۔

یا اجر کے معنے ہیں ثواب اور ممنون کے معنے ہیں احسان جتایا ہوا تو اب آیت کے معنے یہ ہوئے کہ اے محبوب تمہارے لئے وہ ثواب ہے جس میں کسی کا تم پر احسان نہیں، کیوں اور جس کو بھی کچھ ملے گا۔ کسی کے طفیل ملے گا۔ علم ملے گا استاذ کی طفیل، ایمان ملے گا ماں باپ یا علماء مشائخ کے طفیل رزق، عزت، اولاد غرضیکہ ہر دولت کسی نہ کسی کی بدولت ملے گی، مگر جہان بھر میں پیارے تمہاری ایک ایسی ذات ہے کہ سب کو تمہاری بدولت، تمہاری طفیل ملے۔ مگر تم کو کسی کے طفیل نہ ملے سب تمہارے حاجتمند۔ تم کسی کے حاجتمند نہیں۔ سب پر تمہارا احسان۔ تم پر کسی کا احسان نہیں۔ تم کو ہر نعمت رب تعالٰے بلا واسطہ عطا فرمائیگا۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجر حق تعالٰے کی ذات ہے۔

آگے ارشاد ہو رہا ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اس آیت کے نکات بے انتہا ہیں، صرف اتنا عرض کرتا ہوں۔ کہ دنیا کی ساری نعمتیں حق تعالٰے کے نزدیک قلیل یعنی بہت تھوڑی ہیں۔ مگر اخلاق مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت عظیم یعنی بہت بڑا ہے۔ جس کو رب تعالٰے عظیم فرماتے کون بندہ اس کو شمار کر سکتا ہے۔ ان کے اخلاق کے بیان کے لئے کسی کے پاس الفاظ نہیں، جس نے کچھ پتہ دیا وہ اپنی پہنچ تک

دیا۔ بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق قرآن ہے۔ یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کی پیدائشی عادت کریمہ ہے بعض نے فرمایا کہ حضور کے اخلاق یہ ہیں کہ حضور نے ایسا راستہ اختیار فرمایا کہ رب بھی راضی رہا اور رب کے نیک بندے بھی۔ بعض نے فرمایا کہ اخلاق اللہ حضور کے اخلاق ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ سارے انبیاء کے اخلاق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جمع فرمائے گئے۔ بعض نے فرمایا کہ حضور کے اخلاق یہ ہیں کہ دونوں جہان خالق دو جہان کے لئے ترک فرما دیئے۔ کسی نے کہا کہ اخلاق محمدی یہ ہیں کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرنا۔ اپنے حقوق میں درگزر فرمانا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کے اخلاق وہ جو رب جانے۔

یہاں تک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل بیان فرما کر ان کو خوش کیا گیا۔ اب رب تعالےٰ کی توجہ غضب ان بدبختوں پر ہوئی۔ جنہوں نے وہ خبیث بات بکی تھی کہ آپ دیوانہ ہیں۔ ان کی برائیاں بہت سی بیان فرما کر کفار کے سردار ولید ابن مغیرہ کے دس عیوب قرآن کریم نے بتائے۔ فرماتا ہے کہ اے محبوب اس کی بات نہ مانو۔ جس میں یہ عیوب ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھانے والا ہے۔ ذلیل ہے، بہت طعنے دینے والا ہے، چغل خور ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے، حد سے بڑھا ہوا ہے۔ بڑا گنہگار ہے، بدطینت ہے، حرام کا بچہ ہے۔ ولید نے جب یہ آیات سنیں تو اپنی ماں کے پاس تلوار لے کر پہنچا اور کہنے لگا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو میرے عیب بتائے ہیں۔ وہ میں جانتا ہوں کہ سب حق ہیں۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ میں حلالی ہوں یا حرامی، اس کی تجھے خبر ہے۔ سچ بول میں کون ہوں؟ اس کی ماں نے کہا تو حرامی ہے تیرا باپ نامرد اور مالدار

تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ اس کا مال غیر لے جائیں گے اس لئے میں نے زنا کروایا۔ جس سے تو پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدگوئی کرنا حرام زادوں کا کام ہے۔ (روح البیان)

نکتہ:۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ پیغمبر کی توہین کرنے والا بدترین کافر ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم پردہ پوش ہے۔ بڑے بڑے بے ایمانوں کے بھی اس نے خفیہ عیب نہ کھولے۔ مگر ولید ابن مغیرہ کا حرامی ہونا ظاہر فرما کر اسے سارے زمانہ میں بدنام کر دیا۔ کیوں کہ توہین پیغمبر کو اپنا پیشہ بنا چکا تھا اور کیوں نہ ہو، انبیائے کرام اپنے لئے کسی پر غصہ نہیں کرتے، ہمیشہ رب تعالیٰ کے لئے ان کا غضب ہوتا ہے، ایسے ہی رب تعالیٰ کسی پر صرف اپنے واسطے غضب نہیں فرماتا، اور صرف اپنے دشمنوں پر عذاب نہیں بھیجتا۔ بلکہ پیغمبروں کے دشمنوں پر عذاب دنیا میں نازل کرتا ہے۔ فرعون نے چار سو سال خدائی دعویٰ کیا، کبھی اس کا سر بھی نہ دکھا، مگر جب موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کیا تب مارا گیا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم بغیر رسول بھیجے کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتے۔ شیطان نے رب کے سجدے سے انکار نہ کیا تھا اُس نے کہا تھا کہ میں عابد، تو معبود۔ میں ساجد تو مسجود، تجھے کروڑوں سجدے کر چکا ہوں اور لاکھوں سجدے کرنے کو تیار ہوں۔ اس مٹی کے ڈھیر کو سجدہ کیوں کروں۔ جس نے ابھی تیری کوئی عبادت نہیں کی۔ میں ناری اور یہ خاکی میں مدت کا عابد، یہ ابھی پیدا ہوا، بس یہ کہنا تھا کہ ذلیل کر کے نکال دیا گیا، کیوں کہ پیغمبر کی توہین کی، جو رب تعالیٰ کے غضب کا باعث ہے۔ رب تعالیٰ کسی کے دل کا رجحان نبی کی توہین کی طرف نہ کرے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
مگر میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ختم شد

نعیمی کُتُب خانہ گجرات پاکستان

مواعظ نعیمیہ

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وعظ نمبر ۵

اولیاءِ کرام

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ

قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار، پھر زور سے جھونکا دینے والیاں، اور پھیلانے والیاں

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ

پھر فرق کرنے والیاں، پھر ان کی قسم جو ذکر کرنے والیاں، حجت تمام کرنے والے یا ڈرانے کو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ضرور ہونی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰے نے پانچ صفتیں بیان فرمائیں۔ مگر ان کا موصوف نہ بتایا کہ یہ کس کی صفتیں ہیں۔ اس لئے مفسرین کرام کے اس میں پانچ قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ تمام صفات ان فرشتوں کی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف خدمات پر معمور و مقرر ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآنی آیات کی صفات ہیں۔ تیسرے۔

یہ کہ یہ ہواؤں کی صفتیں ہیں۔ چوتھے یہ کہ یہ اولیاء اللہ کی صفات ہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ مختلف چیزوں کی مختلف صفتیں ہیں۔

کوئی صفت فرشتوں کی۔ کوئی صفت ہوا کی۔ کوئی صفت اولیاء اللہ کی۔ غرضیکہ اس آیت میں پانچ احتمالات ہیں۔

اور ہر احتمال کی بنا پر علیحدہ تفسیر ہے۔ اور ہر تفسیر کے علیحدہ علیحدہ فائدے ہیں جن میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ تمام صفات فرشتوں کی ہوں تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قسم ان فرشتوں کی جو آپ کی خدمت کے لئے بھیجے جاتے ہیں لگاتار۔ یہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی تفسیر ہے۔ (خازن) اس جملہ کے اب حسب ذیل فوائد ہوں گے۔

ایک یہ کہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے والے بہت سے فرشتے ہیں۔ جن کی علیحدہ علیحدہ خدمات ہیں۔ بعض وحی لاتے ہیں۔ بعض صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک دربار پاک میں حاضر رہ کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ بعض فرشتے امتیوں کے درود و سلام بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اس لئے مرسلات جمع کا صیغہ فرمایا گیا

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ تمام فرشتوں میں وہ فرشتے افضل ہیں جو پیارے محبوب کی خدمت کرتے ہیں۔ کیونکہ پیارے کا خادم بھی پیارا ہوتا ہے۔ تمام فرشتوں میں چار سب سے افضل ہیں۔ جبرائیل۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل علیہم السلام۔ پھر ان چاروں میں حضرت جبرائیل سب سے افضل۔ کیونکہ وہ خادم انبیاء ہیں۔

تیسرا فائدہ۔ یہ حاصل ہوا کہ جب وہ فرشتے جنہیں کبھی کبھی حاضری نصیب ہوتی ہے۔ وہ تمام فرشتوں سے افضل۔ تو وہ صحابہ کرام جو سایہ کی طرح حضور کے ساتھ رہے وقتاً تمام سے

کیوں نہ افضل ہوں گے۔ وہ بھی تمام انسانوں بلکہ سارے فرشتوں سے افضل ہیں۔

فرشتوں کا دوسرا وصف بیان ہوا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ یہ عصف سے بنا۔ جس کے معنی ہیں تیز ہوا کا جھونکا۔ بھوسے کو بھی عصف اس لیے کہتے ہیں۔ کہ وہ جھونکوں میں اڑتے پھریں۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ فرشتے جو تیز ہوا کے جھونکوں کی طرح رب اور محبوب کے درمیان آتے جاتے ہیں۔ اس سے پتہ لگا کہ فرشتوں کی رفتار ہوا کے جھونکوں سے بھی زیادہ تیز ہے۔ کہ آسمان وزمین پر آتے جاتے پل نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ نور ہیں۔ ہمارا نور نظر۔ نور خیالی آناً فاناً مشرق ومغرب۔ زمین وآسمان کی سیر کر لیتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ کے نورانی بندوں کے لئے دور قریب یکساں ہے۔ دیکھو معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہیں۔ جس کا ایک قدم نظر کی حد پر پڑتا ہے۔ مگر ارواح انبیاء کا یہ حال ہے کہ ابھی بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور حضور کو براق پر سوار کرایا حضور سے پیچھے روانہ ہوئے۔ مگر جب براق آسمانوں پر پہنچا تو یہ حضرات پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اور دولہا کا انتظار کر رہے تھے۔

قرآن شریف فرما رہا ہے کہ حضرت آصف ابن برخیا جو بنی اسرائیل کے ولی ہیں۔ وہ پلک جھپکنے سے پہلے شام سے یمن تشریف لے گئے اور تخت بلقیس اٹھا کر شام میں لے آئے۔ رب فرماتا ہے۔ قَالَ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ط جب بنی اسرائیل کے ولی کی یہ طاقت ہے تو محمدی ولی کی قوت کیا ہوگی۔ اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا طاقت ہوگی۔ خیال رہے۔ کہ آج بجلی کی طاقت رفتار کا یہ حال ہے کہ ریڈیو کی آواز ایک سیکنڈ سے پہلے جرمن سے ہندوستان آجاتی ہے۔ جب نار کی یہ رفتار ہے۔ تو نور کا کیا پوچھنا ہے۔

فرشتوں کا تیسرا وصف یہ بیان ہوا وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۔ یعنی وہ بارگاہ نبوی میں ادب کے لئے اپنے پر پھیلاتے ہیں ۔ خیال رہے کہ جیسے انسان ادب کے لئے سر جھکاتا ہے۔ ایسے ہی ملائکہ ادب کے لئے اپنے پر پھیلاتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ بارگاہ نبوی میں فرشتے بھی با ادب حاضر ہوتے ہیں مشکوٰۃ شریف کے شروع میں ایک حدیث آئی ۔ کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں ۔ کہ ایک صاحب تشریف لائے جو نہ مسافر معلوم ہوتے تھے ۔ نہ مدینہ کے اور حضور کے سامنے ایسے بیٹھے جیسے نمازی التحیات میں بیٹھتا ہے ۔ دو زانو بیٹھے اور اپنے ہاتھ اپنے زانوؤں پر رکھ لیئے ۔ اس سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حضور کا ادب کرنا فرشتوں کی سنت ہے ۔ اور بے ادبی شیطان کا طریقہ ہے ۔ اسی لئے رب تعالےٰ نے حضور کی بارگاہ کے آداب خود سکھائے ۔ اس کی پوری تشریح ہماری کتاب سلطنتِ مصطفےٰ میں ملاحظہ کرو ۔

فرشتوں کا چوتھا وصف یہ بیان ہوا فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا یعنی وہ ایسی آیات حضور کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوتے ہیں جو مومن و کافر مخلص و منافق میں فرق کر دیں ۔ خیال رہے کہ قرآن کی صفت ملانا بھی ہے ۔ اور پھاڑنا ۔ جدا کرنا ۔ چھانٹنا بھی ۔ پہلی صفت کے لحاظ سے اسے قرآن کہتے ہیں ۔ یعنی ملانے والی کتاب اور دوسری صفت سے اسے فرقان کہتے ہیں ۔ یعنی فرق کرنے والی ۔ چھانٹنے والی کتاب ۔ یہ قرآن عربی عجمی ۔ حبشی رومی ۔ ہندی ۔ سندھی لوگوں کو جو کہ زبان ۔ لباس ۔ طرز معاشرت ۔ غذا اور دواؤں میں مختلف ہیں ۔ ایک کر دیتی ہے ۔ کہ سب کا کلمہ نماز ۔ کعبہ اللہ رسول ایک ہے ۔ جیسے شہد کہ پہلے یہ مختلف پھولوں کا رس تھا ۔ مگر شہد کی مکھی کے منہ میں کچھ دیر رہ کر سب ایک شہد بن گئے ۔ یا مختلف درختوں کی لکڑیاں علیٰحدہ علیٰحدہ تھیں ۔ مگر آگ لگنے کے بعد سب ایک

راکھ کہلائیں۔ اسی طرح قرآن نے سب کو ایک کر دیا۔

مگر یہی قرآن کافر و منافق۔ اور مخلص و مومن کو چھانٹ کر علیحدہ بھی کر دیتا ہے۔ جیسے بارش کے آنے سے پہلے تمام زمین یکساں معلوم ہوتی تھی۔ خبر نہ ہوتی تھی کہ کس حصّہ میں کیا تخم بولا گیا ہے۔ مگر بارش برسی اور پودے اُگے اور اندرونی تخم کا پتہ لگ گیا۔ ایسے ہی قرآن سے پہلے صدیقؓ زندیق۔ فاروقؓ و بولہب۔ حیدرؓ اور بوجہل یکساں نظر آتے تھے۔ مگر قرآن نے اتر کر سب کو چھانٹ ڈالا۔ اور پتہ لگ گیا کہ کس سینہ میں قدرت نے کونسا تخم ودیعت کر رکھا تھا۔

اس سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ عالم کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ حق و باطل میں فرق کرے۔ اس کی تقریر و تحریر کفر و ایمان میں امتیاز پیدا کر دے صلح کلی ہونا مومن کی شان نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفتِ خصوصی فاروق ہونا ہے۔ رب تعالےٰ نصیب فرمائے۔ (آمین)

فرشتوں کا پانچواں وصف بیان ہوا فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ذکر اللہ کی آیات آپ پر پیش کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ساری آیات رب کا کلام ہیں مگر جن میں اللہ تعالےٰ کی حمد یا حضور کی نعت ہے وہ اُن آیتوں سے اعلےٰ ہیں جن میں کفار کا ذکر ہے اسی لیئے تین دفعہ قل ہو اللہ پڑھنے کا ثواب پورے قرآن کے برابر ہے مگر تبت یدا تین سو بار بھی پڑھو تو پورے قرآن کا ثواب نہیں کیوں کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں ذکر بھی اعلیٰ ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی اعلیٰ اور تَبَّتْ يَدَا میں ذکر اور ذاکر تو اعلیٰ مگر مذکور یعنی ابولہب اور اس کی بیوی خبیث اور مردود ہیں۔ جیسے ہمارا کعبہ اللہ کا گھر ہے مگر سنگ اسود اور

رکن یمانی اعلیٰ و اکمل ہیں اسی لئے رب نے ان آیات کا خصوصی ذکر فرمایا جو ذکر الٰہی کی آیات ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی ذات وصفات کا ذکر بھی اللہ کا ذکر ہے۔ اور اس کے پیاروں کی نعت اور منقبت بھی اللہ کا ذکر ہے۔

اور اگر یہ اولیاء اللہ کے صفات ہوں

اگر یہ پانچ صفات رب تعالےٰ کے محبوب بندوں کے ہوں تو ان کے معانی جدا گانہ ہوں گے اور فوائد بھی علیحدہ مرتب ہوں گے چنانچہ پہلی صفت یہ ہے۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ قسم ہے ان اولیاء اللہ کی جماعتوں کی جو تا قیامت لگاتار بھیجی جاتی رہیں گی۔ اس صورت میں اس آیت سے تین بہترین فوائد حاصل ہوں گے۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ اگرچہ نبوت ہمارے حضور پر ختم ہو چکی مگر ولایت تا قیامت باقی رہے گی۔

حضور کی امت کے اولیاء دو طرح کے ہوتے رہیں گے۔ ایک تشریعی ولی دوسرے تکوینی ولی۔ تشریعی ولی وہ جو سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے رب تعالیٰ کی محبوبیت اور قرب حاصل کریں گے۔ اور جہاں چالیس مسلمان متقی جمع ہوں گے۔ وہاں کوئی نہ کوئی تشریعی ولی ضرور ہوگا۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس کے اثر سے ثابت ہے۔ اسی لئے جماعت سے نماز اور سب کے ساتھ مل کر دعا مانگنا دینی کاموں میں چندہ دینا بہتر ہے۔ کہ اگر ایک کا قبول تو سب کا قبول اور اسی جماعت میں کوئی ولی ہوگا۔ جس کا عمل زیادہ قبول ہوگا۔

تکوینی ولی وہ کہلاتے ہیں۔ جن کو عالم کے سیاہ سفید کے اختیارات رب عطا فرماتا ہے۔ جن کی نگاہ کرم سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ان کی تعداد مقرر ہے ۔ تین سو اولیا۔ چالیس ابدال۔ سات اوتاد۔ پانچ اقطاب ایک قطب العالم وغیرہ۔ جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت مرفوعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے ابن عساکر اور مرقات المفاتیح وغیرہ نے نقل فرمایا ۔ اُن کی برکت سے بارش آوے گی۔ رب کی رحمتیں اترا کریں گی۔

دُوسرا فائدہ ۔ یہ حاصل ہوا کہ اولیاء اللہ اگرچہ سارے ہی مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں مگر ان کی جماعتیں مختلف ہیں۔ جن کے نام اور کام جداگانہ ہیں۔ قادری۔ چشتی۔ نقشبندی سہروردی جیسے کہ تمام دریا۔ سمندر کے پانی سے بنتے ہیں اور سمندر کی طرف جاتے ہیں۔ سب کا مبدا و منتہیٰ سمندر ہی ہے۔ مگر جو دریا فلاں راستہ سے ہو کر گذرا اسے گنگا کہا گیا۔ جو اس طرف سے گذرا اسے جمنا بولا گیا۔ جو پنجاب کے راستہ سے گذر گیا اسے جہلم یا اٹک یا چناب پکارا گیا۔ غرضیکہ یہ نام ان راستوں کے ہیں۔ اسی طرح ولائیت کے تمام دریا اور نہریں حضور سے جاری ہوئیں۔ اور حضور کی طرف جا رہی ہیں۔ مگر جو نہر حضور غوث پاک کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اُسے قادری کہا گیا۔ جو خواجہ اجمیری کے سینۂ پُر انوار سے ہو کر پہنچی جب اسے چشتی پکارا گیا جو خواجہ بہاءُ الدین نقشبند یا خواجہ شہاب الدین سہروردی کے ذریعہ سے آئی اسے نقشبندی یا سہروردی سلسلہ پکارا گیا۔

مبدا و منتہیٰ سب کا ایک ہے۔ مگر راستوں کے فرق ہیں اس لئے رب نے جمع کا صیغہ فرمایا۔ وَالْمُرْسَلٰتِ۔

تیسرا فائدہ ۔ یہ حاصل ہوا کہ ہم لوگ دنیا میں آئے ہیں اور انبیاء اولیاء بھیجے گئے ہیں آنے میں اور بھیجے جانے میں فرق ہے۔ آنا اپنی ذمہ داری پر ہوتا ہے بھیجنا بھیجنے والے

کی ذمہ داری پر۔ جیسے کوئی خود کشمیر کی سیر کو جائے اور دوسرا حکومت کی طرف سے کوئی عہدہ دے کر بھیجا جاوے جانے والا اپنے خرچ اور حفاظت وغیرہ کا خود ذمہ دار ہے۔ مگر بھیجے ہوئے کے یہ سارے مصارف اور حفاظت وغیرہ حکومت کے ذمہ۔ اسی طرح اولیاء و انبیاء کا رب تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ اسی لیے رب نے فرمایا۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قسم ہے ان جماعتوں کی جو لگاتار بھیجی گئیں۔ لہٰذا ان کی زندگی۔ وفات۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سونا۔ جاگنا سب رب کی ذمہ داری میں ہے۔ اس کے لئے ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اولیاء اللہ کی دوسری صفت بیان ہوئی فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا یعنی اپنی نور نگاہ سے دلوں کی میل کچیل زنگ عیوب اس طرح دور کرنے والے جیسے ہوا کے تیز جھونکے زمین سے کوڑا کچرا دور کر دیتے ہیں۔ ان کی نگاہ دل کے آئینہ کی صیقل ہے۔ خیال رہے کہ معمولی مٹی کو اگر کسی مستری کا ہاتھ لگ جاوے تو وہ قیمتی برتن بن جاتی ہے معمولی لوہا مستری کے ہاتھ لگ جانے سے مشین کا پرزہ بن کر قیمتی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے دل اگر کسی مستری کی نگاہ میں آجاویں تو قیمتی ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی قیمت نہیں یہ بھی خیال رہے کہ محض اعمال سے پاکی اور دل کی صفائی میسر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ کسی کی نظر کرم سے نصیب ہوتی ہے۔ دیکھو خانہ کعبہ بھی حضور کے بغیر بتوں سے پاک نہ ہو سکا۔ قرآن سے بھی اُسی کو یہ رتبہ ملے گا۔ جس کے دل میں قرآن والا محبوب جلوہ گر ہو۔ ورنہ قرآن سے گمراہی بھی ملتی ہے قرآن خود فرماتا ہے۔ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یُضِلُّ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مگر حضور کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ معلوم ہوا کہ حضور سے صرف یہ ہی رتبہ ملتا ہے۔ اور قرآن سے یہ رتبہ اُسے ملتا ہے۔ جو

صاحب قرآن کا غلام ہو۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا ہے

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر!
علم و حکمت در کتب دیں از نظر
صد کتاب و صد ورق در نار کن!
روئے دل را جانب دل دار کن!

یا یہ مطلب ہے کہ ان بزرگوں کے فیض سے دکھ بیماریاں۔ لاچاریاں ایسی دور ہو جاتی ہیں۔ جیسے ہوا کے جھونکوں سے زمین کا کوڑا کچرا۔ قابل غور یہ امر ہے کہ لوہا چاندی سونا۔ فولاد۔ جب آگ میں کشتہ ہو جاتے ہیں تو ہزار ہا بیماریوں کو دور کر دیتے ہیں۔ تو اللہ کے پیارے عشق کی آگ میں کشتہ ہو جاویں۔ وہ بھی شفا بخش بن سکیں گے۔ اسی لئے بزرگوں کے بال ان کے لباس۔ اُن کے تبرکات بلکہ ان کے نام بھی دافع بلا ہو جاتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ یعنی میری قمیص لے جاؤ ابا جان کے چہرے پر ڈال دو۔ آنکھوں میں روشنی ہو جاوے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام سے رب نے فرمایا۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ۔ یعنی اپنا پاؤں شریف زمین پر رگڑو۔ جو پانی بہہ کر اس سے چشمہ نکلے گا۔ اس کا پانی کچھ پی لو اور اس کے کچھ حصہ سے غسل کرلو۔ جس سے اندرونی بیرونی بیماریوں کو شفا ہوگی۔ پتہ لگا کہ بزرگوں کے لباس اور ان کے پاؤں کا دھوون شفاء امراض ہے۔

رب تعالیٰ نے حضرت مریم سے فرمایا۔ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ

رُطَبًا جَنِيًّا۔ یعنی اس خشک کھجور کو ہلاؤ۔ تمہاری کرامت سے ہری ہوکر فوراً پھل دے گی۔ اسے کھالو۔ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے ہاتھ سے سوکھی کھجور بھی ہری ہوکر فوراً پھل دیتی ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کا نکلا ہوا پانی آب زمزم آج بھی شفا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف۔ لباس شریف کو صحابہ کرام دھو کر بیماروں کو پلاتے تھے۔ جس سے شفا ہوتی تھی۔ غرضیکہ وَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ان کی ذات بابرکات دکھ درد دور کرنے والی ہے۔

اولیاء اللہ کی تیسری صفت بیان فرمائی۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا یعنی وہ مبارک جماعتیں پھیلانے والی ہیں۔ یا تو دنیا میں اسلام پھیلانے والی ہیں۔ یقیناً اسلام صرف تلوار سے نہیں پھیلا۔ بلکہ ان بزرگوں کی روحانی طاقتوں سے پھیلا کیونکہ تلوار کے سامنے سر جھکتے ہیں دل نہیں جھکتے۔ پھر تلوار دور ہوتے ہی وہ جھکے ہوئے سر پھر سرکش ہوجاتے ہیں۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا۔ تو اب تک باقی نہ رہتا۔ حضور خواجہ خواجگان اجمیری قدس سرہ نے تلوار نہ چلائی تھی۔ صرف روحانی طاقت سے سارے کفرستان کو نورستان بنا دیا غازیان اسلام بھی ہاتھ میں تلوار کے ساتھ کسی بزرگ کا سایہ سر پر لے کر میدان میں جاتے تھے۔ محمود غزنوی نے خواجہ ابوالحسنؒ خرقانی کے خرقہ شریف کی برکت سے سومنات سر کیا۔ سلطان محمد غوری نے دو بزرگوں کے صدقے سے بدایوں اور دہلی کا علاقہ فتح کیا۔ جن کے مزارات بدایوں ماموں بھانجے کے نام سے مشہور ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ اپنے متوسلین کے رگ و ریشہ میں نور ایمانی پھیلانے والے ہیں۔ کہ ان کی برکت سے انسان مجموعہ انوار بن جاتا ہے۔ کوئی شخص محض اسے بغیر وسیلہ اولیاء عباد کا نور حاصل نہیں کرسکتا۔ خیال رہے کہ ہر چیز کا ایک ظاہر ہے۔ ایک باطن۔ ہمارا بدن ظاہر

ہے۔ روح اور قلب باطن جو نظر نہیں آتی۔ مگر تمام جسم میں اسی کا ظہور ہے۔ اسی کی جلوہ گری ہے۔ اسی طرح عبادات کا ایک قالب ہے۔ جو ظاہر ہے۔ ایک باطن ہے۔ جو اس کا نور ہے عبادات کا ظاہر علماء سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر ان کا نور اولیاء اللہ سے ملتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کعبہ کی دیواریں موجود تھیں۔ مگر نورِ توحید وہاں جب ہی جلوہ گر ہوا جب حضور نے فتح فرما کر وہاں سے بت نکالے۔ جب کعبہ کسی کے ہاتھ کا حاجتمند ہے تو ہمارے دل کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔

اولیاء کی چوتھی صفت بیان ہوئی۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ یعنی یہ مبارک جماعتیں فرق پیدا کرتی ہیں۔ خیال رہے کہ اولیاء اللہ کی جماعتیں کسوٹی کی طرح حق و باطل جھوٹے اور سچے کھوٹے اور کھرے کو ایسا چھانٹ دیتی ہیں۔ کہ کچھ پوشیدگی باقی نہیں رہتی جس مذہب میں اولیاء اللہ ہوں وہ سچا ہے جس میں یہ نہ ہوں وہ جھوٹا ہے۔ جس شاخ میں پھل پھول لگیں وہ جڑ سے وابستہ ہے۔ جو ان سے خالی ہو اس کا تعلق جڑ سے کٹ گیا۔ جس عالم دین کو ان سے لگاؤ ہو وہ سچا ہے۔ جو ان سے سرکش ہو وہ جھوٹا ہے۔ جس دل میں ان کی الفت ہو وہ دل ٹھیک ہے۔ جس میں ان سے نفرت ہو۔ وہ باطل ہے۔ رب کا محب وہ ہی ہے جو اس کے پیاروں سے محبت کرے۔

ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو!
واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے

اسی لئے حدیث قدسی میں ارشاد ہوا کہ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں۔ جو کوئی اپنے ایمان کی جانچ کرنا چاہے تو غور کرے۔ کہ مجھے اولیاء اللہ سے کس قدر الفت ہے۔ جس درجہ الفت

ہو گی اسی درجہ ایمان کامل ہوگا۔ یہ حضرات ذریعہ فرق ہیں۔

اولیاء اللہ کا پانچواں وصف بیان ہوا۔ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا۔ قسم ہے ان کی جو ذکر ڈالنے والی ہیں۔ یعنی اولیاء وہ ہیں۔ جو مومنوں کے دل میں ذکر الٰہی اتار دیتے ہیں۔ ان کے بغیر ذکر صرف زبان میں رہتا ہے۔

خیال رہے کہ ذکر زبانی ایسا ہے۔ جیسے برسات میں دیواروں چھتوں پر کچھ دانے اُگ جاتے ہیں۔ کہ دھوپ پڑتے ہی سوکھ جاتے ہیں۔ پھل پھول نہیں دیتے۔ اور دل میں اترا ہوا ذکر ایسا ہے جیسے کسان کا بویا ہوا۔ اچھی زمین کا اچھا تخم جو پھل بھی دیتا ہے اور پھول بھی۔ جیسے کسان کے ہاتھ کا لگایا ہوا تخم رائگاں نہیں جاتا۔ ایسے ہی کامل کی آنکھ کا دل میں بویا ہوا کلمہ انشاء اللہ ضائع نہیں ہوتا۔

خیال رہے کہ بعض عملوں کی اجازت بزرگوں سے حاصل کی جاتی ہے بعض لوگ اس اجازت کے منکر ہیں۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے کسی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن خصوصی تاثیر کے لئے مشائخ کی اجازت لازمی ہے۔ آفتاب کی شعاعیں اگر آتشی شیشہ کے ذریعہ کپڑے پر ڈالی جائیں تو کپڑا جل جاتا ہے اس شیشہ کے بغیر جلن نہیں پیدا ہوتی۔ ایسے ہی نبوت کی شعاعیں جب ولایت کے شیشہ کے ذریعہ دل پر پڑیں گی تو عشق کی سوزش پیدا کریگی اسی لئے صحابہ کرام سورہ فاتحہ کے ذریعہ سانپ کا زہر اتار دیتے تھے۔ مگر ہم سارا قرآن پڑھ کر دم کریں تو بھی کا زہر نہیں اترتا۔ کلام تو وہ ہی ہے۔ مگر فیض نظر وہ نہیں رہا۔

حکایت۔ حضرت جناب شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید نے شکایت کی کہ میں نے اپنے بیٹے فتح محمد کو حافظ کرایا ہے مگر وہ نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے ہمارے پاس لانا۔ وہ دو روز کے بعد اپنے بیٹے فتح محمد کو لے کر حاضر ہوا اور عرض

کیا کہ حضور فتح محمد حاضر ہے۔ حضرت صاحب نے پوچھا کہ فتح محمد نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ عرض کی کہ نماز میں میرا دل نہیں لگتا۔ اگر نماز پڑھوانا ہے تو دل لگا دو۔ آپ چٹائی پر لیٹے تھے۔ جوش میں اُٹھ بیٹھے اور اس کے دل کی طرف کلمہ کی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ من لگا کرے گا۔ جا۔ فتح محمد اُٹھ آیا اور پھر یہ حال ہو گیا کہ ظہر کی نیت باندھی تو عصر ہو گئی۔ عشاء کی نیت باندھی فجر کر دی۔ ایک شیخ کی نگاہ نے نماز دل میں اتار دی۔ یہ ہے فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا کی جیتی جاگتی تفسیر۔

شعر طیبہ سے منگائی جاتی ہے سینوں میں چھپائی جاتی ہے
توحید کی مے پیالے سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

جب اللہ کا ذکر دل میں اتر جاتا ہے تو عیش و طیش خوشی و غم کسی حال میں دل سے نہیں نکلتا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی مصیبت کی حالت میں بھی نماز قضا نہ کی۔ قضا کرتے کیسے یہ نماز تو نانا جان نے دل میں اتار دی تھی۔ ایمان کے اس پودے کا تخم ایمان دینے والے محبوب نے دل میں لگا دیا تھا۔ یزید کے ظلم کی آندھی اسے جنبش بھی نہ دے سکی۔ اللہ کسی بندے کی نگاہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔

ان پانچ صفات کی اس تفسیر سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ اگرچہ قادر ہے کہ بغیر وسیلہ ہر ایک کو ہر نعمت عطا فرما دے۔ مگر اس کا قانون یہ ہے کہ وسیلہ سے نعمتیں عطا فرماوے۔ قانون اور چیز ہے قدرت کچھ اور۔ وسیلہ کے منکر رب کی قدرت کا سہارا لیتے ہیں کہ رب قادر و قیوم ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں۔ ہمیں وسیلہ کی کیا ضرورت ہے۔ مگر وہ ہی منکرین دنیاوی امور میں ہزارہا وسیلے پکڑتے ہیں۔ وہاں رب کی قدرت یاد نہیں آتی۔ رب قادر ہے کہ ماں باپ کے بغیر بچہ دیدے۔ بغیر بادل بارش برسادے۔ بغیر کنوئیں کے

پانی دیدے۔ بغیر سورج دن نکال دے۔ مگر قانون قدرت یہ ہے۔ کہ اولاد ماں باپ کے وسیلہ سے بارش بادل کے ذریعہ سے اور پانی کنوئیں کے توسل سے مخلوق کو دیے ایسے ہی قانون یہ ہے کہ جو جسے ملے وہ اولیاء کے توسل سے ملے قدرت کے ساتھ قانون پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ خود فرماتا ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ۔ اعمال کے ساتھ وسیلہ کو بھی اختیار کرو۔

پھر ارشاد ہوا۔ هٰذَا ذِكْرٌ (؟) یعنی اولیاء اللہ کے وجود سے ایک فائدہ تو یہ ہے۔ کہ کل قیامت میں کسی کو عذر نہ رہے گا کہ ہم کو کوئی خبر نہ تھی۔ کہ دین کون سا سچا ہے اور اسلام میں کونسا مذہب حق ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کی صحبت سے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اور خوفِ خدا تقویٰ و طہارت کی جڑ ہے۔

خیال رہے کہ اولیاء اللہ اسلام کی حقانیت اور مذہب اہل سنت کے برحق ہونے کی زندہ دلیل ہیں۔ اس شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں۔ جس کی جڑ ہری ہو اور اس کا تعلق جڑ سے قائم ہو۔ اسی طرح اس دین میں اولیاء اللہ ہوں گے۔ جو زندہ ہو منسوخ نہ ہو گیا ہو اور اسلام کے اس فرقہ میں ہونگے۔ جس کا تعلق آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہو۔ دیکھو اسلام کے سواء کسی دین میں اولیاء اللہ نہیں۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو وغیرہ سب ولایت سے خالی ہیں۔ ایسے ہی اہل سنت والجماعت کے سواء تمام فرقے دیوبندی۔ وہابی۔ قادیانی۔ چکڑالوی۔ شیعہ۔ رافضی۔ خارجی وغیرہ ولایت سے خالی ہیں۔

آگے ارشاد ہوا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ یعنی جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ اس میں شک وشبہ نہیں۔ اس جملہ میں یا تو کفار سے خطاب ہے۔ اور وعدہ سے قیامت کا وعدہ مراد ہے۔ تب مطلب یہ ہوگا کہ اسے کافرو تم نے آزما لیا۔

کہ ہمارے محبوب کی زبان ہماری ترجمان ہے۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔ تم نے برسوں آزما لیا۔ پرکھ لیا۔ تمہارے دل مانتے ہیں کہ ان کی زبان مبارک سے جھوٹ نہیں نکلتا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ قیامت کی خبر دیں۔ اور وہ سچی نہ ہو۔ جیسے ان کی فرمائی ہوئی باتیں برحق ہیں۔ ایسے ہی قیامت برحق ہے۔ کیوں کہ وہ انہیں کی بتائی ہوئی ہے۔

اس میں سب سے خطاب ہے مسلمانوں سے بھی اور غیر مسلموں سے بھی۔ یعنی اے مسلمانو! یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جس سے جو وعدہ فرمالیں وہ بالکل صحیح ہے۔ اور اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے خیال رہے کہ حکومت کا ممتاز وزیر یا کوئی اعلیٰ حاکم جس ملک سے یا رعیت کے جس آدمی سے جو کچھ وعدہ کرلیں۔ وہ حکومت کا وعدہ ہوتا ہے۔ اور حکومت پر اس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام نبی ولی خصوصاً نبیوں کے سردار کل خلق کے مختار کونین کے دولہا دو عالم کے سردار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم جس سے جو وعدہ فرمالیں وہ وعدہ درحقیقت رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور حکومتِ الٰہیہ پر اس کا پورا کرنا لازم۔ جس کے جنتی ہونے کا حضور نے وعدہ کر لیا۔ اس کا جنتی ہونا۔ جس کے دوزخی ہونے کا حضور نے فیصلہ فرما دیا۔ اس کا دوزخی ہونا ایسا ہی ضروری اور یقینی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا اور ہمیشہ رہنا یقینی ہے۔ کیوں کہ اس کی خبر بھی حضور ہی نے دی۔ ؎

شعر

اے رضا احمد پاک کا فیض ہے!
ورنہ تم کیا سمجھتے خدا کون ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے ایسے نازک وقت اہم وعدے فرمائے۔ جو اس وقت کو دیکھتے ہوئے ناممکن معلوم ہوتے مگر دیکھنے والوں نے دیکھ لیا۔ کہ سب

پورے ہوکر رہے ۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں حضرت سراقہ سے وعدہ فرمایا کہ تم کو بادشاہِ فارس کسریٰ کے پہننے والے سونے کے کنگن ملیں گے ۔ اس وقت اس کی عقل نہ مانتی تھی مگر سراقہ کے ایمان نے بے تامل مان لیا ۔ اور آخر ایسا ہی ہوا ۔ جب عرب میں ڈکیتی اور قزاقی زوروں پر تھی ۔ مگر اس مخبرِ صادق نے خبر دی کہ عنقریب اس ملک میں ایسا امن ہوگا ۔ کہ صنعا سے حضرموت تک بوڑھی عورت سونا لے کر جاوے گی اور اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا ۔ آخر عہدِ عثمانی میں ایسا ہوکر رہا ۔

اعتراض ۔ ان آیات اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ سارے اولیاء اللہ برحق ہیں ۔ تو پھر ان میں اختلاف کیوں ہے ۔ کوئی قادری ہے کوئی چشتی ۔ کوئی نقشبندی یا سہروردی اور سب کے طریقے مختلف ۔ اور پھر ان میں سب کی پیروی کی جاوے یا کسی ایک کی ۔ اگر ایک ہی کی کی جاوے تو کس کی ۔

جواب ۔ ان کے مقصد میں کوئی اختلاف نہیں ۔ طریقِ کار میں اختلاف ہے ۔ سب کا مقصد حضور تک پہنچنا ہے ۔ جیسے انسانی قومیں نسلیں مختلف ہیں ۔ کوئی شیخ ہے کوئی سید مگر اصل سب کی ایک ۔ اسی طرح دریا کے نام اور راستے مختلف ہیں ۔ گنگا جمنا وغیرہ مگر اصل سب کی ایک اور مقصد بھی سب کا ایک ہے ۔ جس دریا میں کشتی ڈالدو سمندر تک پہنچو گے ۔ اسی طرح یہ حضرات ہیں ۔ اب ہم کو کرنا یہ چاہیئے ۔ کہ برحق سب کو سمجھیں ۔ سب نورانی جماعت ہیں ۔ مگر پیروی کسی ایک خاص کی کریں سارے نبیوں کی شریعتیں علیحدہ تھیں ۔ ہم سب کو برحق سمجھ کر سب پر ایمان لاتے ہیں ۔ مگر پیروی صرف حضور کی کرتے ہیں ۔ سرکار فرماتے ہیں ۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ۔ میرے سارے صحابہ تارے ہیں ان میں سے جس ایک کی پیروی کروگے ۔ ہدایت پاجاؤگے ۔

یعنی برحق سب کو جانو۔ مگر پیروی کسی ایک کی کرو۔ کسی پر اعتراض نہ کرو کسی پر تنقید نہ کرو۔ انہیں راستہ دکھاؤ نہیں۔ بلکہ ان سے راستہ دیکھو۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ ہر ولی برحق ہے پیروی ایک خاص کی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

وعظ نمبر ۵۱

نبی کریم حاضر و ناظر ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب ۔

صاحبان! یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا گنجینہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ نعتیں بیان فرمائیں ۔

۱ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ ۲ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ ۳ شَاهِدًا ۴ مُبَشِّرًا ۵ نَذِيْرًا ۶ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ ۷ سِرَاجًا ۸ مُّنِيْرًا ۔

لفظ یا پکارنے کے لئے آتا ہے ۔ رب نے کافروں کو بھی ۔ مسلمانوں کو بھی رسولوں کو بھی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پکارا ۔ مگر ان چاروں کو پکارنے کے الگ الگ مقصد ہیں ۔ کافروں کو پکارنا اظہار غضب کے لئے ۔ جیسے حاکم مجرم سے کہے ۔ او بے ایمان او غدار وغیرہ ۔ اور مومنوں کو پکارنا غفلت سے جگانے کے لئے ۔ سوتے کو پہلے جگا لیتے ہیں پھر کلام کرتے ہیں ۔ انبیاء کرام کو پکارنا اظہار کرم کے لئے ۔ کیوں کہ وہ حضرات ایک آن کیلئے بھی رب سے غافل نہیں ہوتے ۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنِّی عَبْدُ اللہِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وفات بھی اللہ کا ذکر کیا ۔ اس لئے ان کا پکارنا اظہار کرم کے لئے ہے ہاں فرق یہ ہے کہ اور نبیوں کو رب نے نام لے کر پکارا مگر ہمارے حضور کو کہیں یا احمد یا محمد کہہ کر نہیں پکارا ۔ جہاں پکارا پیارے القاب سے پکارا ۔ جیسے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ ۔ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۔ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔ اس میں ہم غلاموں کو تعلیم ہے کہ جب ہم ان کے رب ہو کر انہیں نام لے کر نہیں پکارتے اور تم تو اُن کے غلام ۔ نمک خوار ہو تمہیں نام لے کر پکارنے کا حق کیسے پہنچ سکتا ہے ۔ غرضیکہ اس یا میں بھی اظہار شان مصطفٰی ہے ۔ دوسرے یہ کہ رب جانتا تھا ۔ کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وہ لوگ بھی پیدا ہوں گے ۔ جو کہا کریں گے کہ یا رسول اللہ کہنا شرک ہے ۔ ان کا منہ بند کرنے کے لئے اپنے حبیب کو جگہ جگہ پکارا تاکہ بتایا جائے کہ یہ تو میری سنت ہے شرک کیسا ۔ غرض اس لفظ کے نرالے انداز اور انوکھے طور ہیں نبی نَبَاءٌ سے بنا ۔ بمعنی خبر ۔ رب فرماتا ہے ۔ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۔ جیسے کرم سے کریم ۔ حسن سے حسین ۔ رحم سے رحیم ۔ ایسے ہی نبأ سے نبی ان کے معنی ہیں ۔ کرم والا ۔ حسن والا ایسے ہی اُس کے معنیٰ ہیں خبر والا ۔ اس خبر والے میں تین احتمال ہیں ۔ خبر دینے والا ۔ خبر لینے والا ۔ خبر رکھنے والا ۔ اگر پہلے معنی کئے جائیں تو معنی ہوں گے ۔ اے خبر دینے والے کس کو؟

کی و خالق کو مخلوق کی۔ مخلوق کو خالق کی خبر دینے والے خیال رہے کہ اخبار۔ ریڈیو۔ تار۔ خط۔ ٹیلیفون۔ بی بی۔ سی کا محکمہ۔ سبھی خبر دینے والے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو نبی نہیں کہا جاتا۔ معلوم ہوا کسی خاص خبر دینے والے کو نبی کہتے ہیں۔

تار ٹیلیفون وغیرہ فرش والوں کو فرش کی خبر دیتے ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام وہاں کی خبریں لاتے ہیں۔ جہاں سے نہ تار آتا ہے۔ نہ ٹیلیفون۔ اب اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ اے غیب کی خبریں دینے والے دوسروں کو غیب کی خبر وہ ہی دے گا۔ جو خود بھی خبر رکھے۔ جو لوگ حضور کے علم کا انکار کرتے ہیں۔ وہ درپردہ آپ کے نبی ہونے کے منکر ہیں۔

اگر معنی کئے جائیں۔ خبر رکھنے والے تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے ساری خدائی کی خبر رکھنے والے۔ ہر محکمہ کا بڑا آفیسر اپنے سارے محکمہ کی خبر رکھتا ہے نگرانی بھی کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے وزیر اعظم ہیں۔ آپ کو خدا نے ذرّے ذرّے اور قطرے قطرے پر خبردار کیا۔ اگر جہاز کا کپتان جہاز سے بے خبر ہو جائے تو جہاز ڈوب جائے۔ اگر ہمارے رسول ہم سے بے خبر ہو جائیں۔ تو ہماری کشتی غرق ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ایک رات آسمان صاف تھا۔ رات چاندنی نہ تھی۔ اندھیری تھی۔ چھوٹے بڑے تارے صاف جگمگا رہے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس رونق افروز تھے۔ کہ ام المومنین نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کی اُمت میں کوئی ایسا بھی ہے۔ جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں۔ سُبحَانَ اللہِ۔ کیسا شاندار سوال ہے۔ کیوں کہ مختلف آسمانوں پر اَن گنت تارے ہیں۔ اور قیامت تک ہر جگہ حضور کے بے شمار اُمتی اور ہر اُمتی کے بے شمار اعمال۔ جو وہ رات کی اندھیریوں میں۔ نہ غاروں میں۔ پہاڑ کی چوٹیوں

اور غاروں میں کریں گے۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضور عالم بالا کے تاروں کو گنیں۔ اور اپنی ساری امّت کے ہر عمل کو۔ پھر تُل تُلا کر مجھے بتائیں کہ کس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔

یہ سوال اسی سے ہو سکتا ہے۔ جس کی نگاہ میں آسمانوں کا ایک ایک تارا ہو۔ اور زمین کے ہر گوشہ کے ہر اُمتی کی ہر ساعت کا عمل ہو۔

اب مزیدار بات یہ ہے۔ کہ حضور نے یہ نہ فرمایا کہ اے عائشہ میں تو مسئلے بتانے آیا ہوں۔ ان چیزوں کی گنتی سے مجھے کیا تعلق۔ نہ یہ فرمایا کہ اچھا جبریل کو آنے دو۔ رب سے پوچھ لیں گے۔ نہ یہ فرمایا کہ دوات قلم لاؤ۔ جمع تفریق کر کے بتادیں۔ نہ یہ فرمایا کہ ذرا ٹھہرو مجھے سوچ کر دل میں میزان لگا لینے دو۔ بلکہ فوراً فرمایا کہ ہاں میرا ایک امتی وہ ہے۔ جس کی نیکیاں آسمانوں کے تاروں کے برابر ہیں۔

عرض کیا۔ کون؟ فرمایا عمر۔ (رضی اللہ عنہ)

عرض کیا۔ حضور میرے ابا جان کا کیا حال ہے؟ جو سفر و حضر، جنگل و گھر میں حضور کے ساتھی ہیں۔ فرمایا۔ اے عائشہ انہیں کیا پوچھتی ہو اُن کی ہجرت والی رات غار ثور کی ایک رات کی نیکی عمر فاروق کی ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ ہیں معنی اس کے۔ کہ اے خبر رکھنے والے خود حضور کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔ جس پر حضور کا دست کرم پھر جائے وہ کل کی خبر رکھتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا۔ کہ جناب عمر مدینہ طیبہ میں خطبہ دے رہے ہیں۔ اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ وہاں سے بیسیوں میل دور نہاوند میں جہاد کر رہے ہیں۔

جناب عمر یہاں سے پکارتے ہیں۔ اے ساریہ پہاڑ کو دیکھو۔ سبحان اللہ مدینہ میں کھڑے ہو کر سب کی خبر رکھ رہے ہیں۔ اور خبر لے رہے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ فوری ٹیلیفون کے ذریعے اپنی آواز بھی وہاں پہنچا رہے ہیں۔ کیا تم نے احادیث میں نہیں سنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر جا رہے ہیں۔ ایک جگہ خچر ٹھٹکا اور اپنے دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ یہاں دو قبریں ہیں۔ جن میں عذاب ہو رہا ہے۔ میرا خچر وہ عذاب دیکھ کر ٹھٹکا۔ یہ خچر کی طاقت نہ تھی۔ بلکہ اس سوار کا فیض تھا۔ جس سے خچر نے لاکھوں من مٹی کے نیچے کا عذاب دیکھ لیا۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے کے معنی۔ غرض کہ یہ مضمون بہت دراز ہے سمجھ داروں کے لئے اتنے اشارے ہی کافی ہیں۔

اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ اے خبر لینے والے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے غریبوں مسکینوں۔ گم ناموں بے خبروں کی خبر لینے والے۔ جن کی کوئی خبر نہ لے۔

احادیث سے ثابت ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بے کسوں بے بسوں کے فریادرس ہیں۔ ایک بار مجلس وعظ گرم ہے حضور انور کا روئے سخن عورتوں کی طرف ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جس کے تین بچے چھوٹے لڑکپن میں فوت ہو جائیں۔ اور وہ ان پر صبر کرے۔ تو یہ تینوں قیامت میں اس کی شفاعت کریں گے۔ اور بخشوائیں گے۔ ایک بی بی صاحبہ کھڑی ہوتی ہیں۔ عرض کرتی ہیں۔ یا رسول اللہ اگر دو بچوں پر صبر کیا ہو تو! فرمایا۔ اس کے دو ہی بچے شفاعت کریں گے۔ ایک بی بی اس پر بھی عرض گذار ہوئی۔ جس کسی ماں نے اپنے ایک ننھے بچے کو خاک میں سلا کر صبر کیا ہو تو۔

فرمایا اس کا ایک ہی بچہ بخشوائے گا۔ آخر کار حضرت عائشہ صدیقہؓ یا کوئی اور بی بی صاحبہ اٹھیں۔ بولیں۔ اگر کسی کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا تو؟ فرمایا جس کا کوئی نہیں۔ اس کے ہم ہیں۔ یہ ہیں معنی خبر لینے والے کے۔ انہیں کے رب کی قسم قیامت میں ماں اپنے اکلوتے کو بھولے گی مگر رحمت والے اپنے گنہگاروں کو نہ بھولیں گے۔ خبر لینے والے کا نام انہیں پر سجتا ہے۔ آگے فرمایا۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ۔ ہم نے تم کو بھیجا۔ یہ نہ فرمایا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا۔ اس میں

راز ہے۔ وہ یہ کہ سارا عالم اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ لیکن انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسلام رب کے پیدا کئے ہوئے بھی ہیں۔ اور بھیجے ہوئے بھی۔ اسی لئے سوائے انبیاء کرام کے اور کسی مخلوق کو رسول نہیں کہا جاتا۔ یوں سمجھو کہ ہم سب دنیا میں آئے۔ وہ دنیا میں بھیجے ہوئے آئے۔ آنے میں اور بھیجے جانے میں بڑا فرق ہے۔ ہم اپنی ذمہ داری پر آئے۔ حضور خدا کی ذمہ داری پر۔ اسی لئے فرمایا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ۔ غرضیکہ نہ ہم اور نبی یہاں آنے میں یکساں۔ نہ یہاں رہنے میں برابر۔ اور نہ یہاں سے جانے میں یکساں دیکھو نیند وہ چیز ہے جو شاہ و گدا کو ایک کر دیتی ہے۔ مگر نبی اور امتی کو نیند بھی ایک نہیں کر سکتی۔ ہماری نیند غفلت پیدا کرے وضو توڑ دے۔ ہماری خوابیں سچی بھی ہوتی ہیں جھوٹی بھی۔ مگر نبی کی نیند نہ غفلت پیدا کرے۔ نہ وضو توڑے۔ اور ان کے خواب بھی وحی الٰہی ہیں۔ دیکھو جناب خلیل نے خواب میں بیٹے کے ذبح کا حکم پا کر چھری اور رسی سنبھال لی۔ اگر ہم یہ خواب دیکھیں تو بے گناہ بچے کو ذبح نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ وہ سوتے جاگتے۔ چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اللہ کے رسول ہیں۔ ان کی ہر جنبش رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کی کسی ادا پر اعتراض کرنا اور ان کے کسی عمل کو نظر حقارت سے دیکھنا کفر ہے۔ کیوں کہ ان پر اعتراض رب پر اعتراض ہے۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پالک زید کی بیوی زینب سے نکاح کیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ بہو سے نکاح کر لیا۔ رب نے فرمایا فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ یعنی اے محبوب زید کی بیوی زینب سے ان کی طلاق کے بعد زینب کا نکاح تمہارے ساتھ ہم نے کرایا۔ یعنی اس نکاح پر اعتراض ہم پر اعتراض ہے۔

اعلیٰحضرت نے کیا خوب فرمایا۔

سنگ ریزہ می زند دست جناب
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ آید خطاب

تا ابد گر شرح ایں مفصل کنم
جز تحیر ہیچ نہ بود حاصلم!

غرضیکہ اَرْسَلْنٰكَ میں پیارے محبوب کی ایسی چمکتی ہوئی نعت ہے۔ کہ ایمان کو چمکا دیتی ہے آگے ارشاد ہوا شَاهِدًا۔ شاہد یا شہادت سے بنا ہے۔ یعنی گواہی یا شہود سے بمعنی حاضری۔

عربی میں محبوب کو بھی شاہد کہتے ہیں۔ کہ وہ عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے۔ اور گواہ کو بھی۔ کیوں کہ وہ واردات پر حاضر ہوتا ہے۔ ہاں سمعی گواہ کسی عینی گواہ سے سن کر گواہی دیتا ہے اور حاضر کو شاہد کہتے ہیں۔ غائب کا مقابل۔ یہاں شاہد کے تینوں معنی درست ہیں۔ یعنی اے پیارے ہم نے تمہیں محبوب بنا کر بھیجا۔ کس کا؟ اپنا اور ساری خدائی کا۔ اپنا تو اس طرح کہ کوئی نبی خلیل کہلائے۔ کوئی کلیم مگر آپ کو حبیب کہا گیا۔ خلیل وہ جو رب کو راضی کرنا چاہے حبیب وہ جسے رب راضی کرے۔ رب فرماتا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ کیا تمہیں نہیں خبر کہ اسلام کا قبلہ پہلے بیت المقدس تھا۔ حضور کو راضی کرنے کے لئے کعبے کو قبلہ بنایا گیا۔

رب فرماتا ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

یہ ہے حضور کی محبوبیت۔ حضور مخلوق کے بھی محبوب ہیں۔ خیال رہے کہ دنیا میں بڑے بڑے حسین محبوب پیدا ہوئے۔ مگر اوروں کی محبوبیت اور حضور کی محبوبیت میں تین طرح فرق ہے ایک یہ کہ سارے محبوب انسانوں کے ہی محبوب ہوئے۔ کسی حسین پر جانور

لکڑیاں اور پتھر عاشق نہ ہوتے۔ مگر حضور ایسے حسین ہیں۔ کہ انسان جانور لکڑیاں۔ پتھر کنکر۔ فرشتے حور و غلمان۔ سب آپ کے عاشق ہیں۔ کنکر پتھروں نے حضور کا کلمہ پڑھا۔ لکڑیاں فراق میں روئیں۔ اونٹوں نے اپنے گلے ذبح کے لئے حضور کے سامنے پیش کئے۔ جیسا کہ حج الوداع کے موقع پر ہوا۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف !
شعر
با اُمید زاں کہ روزے بشکار خواہی آمد !

صحابہؓ نے حضور ہی کے عشق میں اپنا مال و دولت۔ بال بچے۔ گھر بار پر لات مار کر مکے کی شاہانہ زندگی چھوڑ دی۔ مدینے کی فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ حریر و دیباج پہننے والوں نے ٹاٹ اوڑھ لئے۔ تخت نشین خاک نشین بن گئے۔ یہ سب عشق مصطفوی کی جلوہ گری تھی۔ پھر اللہ نے اس عشق کی برکت سے۔ ان خاک نشینوں کو افلاک پر پہنچا دیا۔ کہ آج ان کے نعلین کی دھول مومنوں کی آنکھوں کا سُرمہ۔ مصرع۔

جس منزل نوں عشق پہچاوے عقل نوں خبر نہ کوئی ہو۔

دوسرا فرق اس طرح ہے کہ سارے حسینوں کو ہزاروں انسانوں نے دیکھا۔ مگر عاشق ایک آدھ ہی ہوا۔ حسن یوسف کو سب نے دیکھا مگر عاشق ایک زلیخا۔ شیریں و لیلےٰ کو دنیا بھر نے دیکھا۔ چاہنے والے صرف مجنوں و فرہاد۔ مگر محبوبیت مصطفوی کا یہ عالم ہے کہ آج اس جمال کو دیکھنے والا کوئی نہیں مگر عاشق جانباز کروڑوں۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
شعر
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

تیسرا فرق یہ ہے کہ محبوبوں کے گذر جانے کے بعد ان کا کوئی عشق نہیں کرتا۔ آج

حسن یوسفی کا عاشق کوئی نہیں۔ مگر حضور ایسے حسین محبوب ہیں کہ پردہ فرمائے چودہ سو سال ہوگئے۔ مگر آپ کی محبوبیت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ گھٹتی نہیں۔ کیوں نہ ہو کہ رب کے جو محبوب ہیں۔

رب کی ہر صفت باقی۔ اس کی محبت بھی باقی۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب کامل ہیں۔ اب پڑھو۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا۔

اور شاہد بمعنی گواہ ہو تو آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا اس میں بڑی گنجائش ہے۔

کس کا گواہ؟ کس کے سامنے گواہ؟ کب گواہ؟ اور کہاں گواہ؟ یا خالق کے گواہ مخلوق کے پاس۔ یا مخلوق کے گواہ خالق کے پاس یا مخلوق کے گواہ مخلوق کے پاس۔ یا خالق کے گواہ خالق کے پاس۔

ان تمام صورتوں کی تفسیر کرنے سے پہلے دو باتیں خیال میں رکھو ایک یہ کہ مقدمے کا سارا دارومدار گواہ پر ہوتا ہے۔ اگر گواہ مضبوط۔ مدعی تگڑا۔ اور مقدمہ بھی قوی۔ حاکم کے قلم میں زور۔ اور اگر گواہ ڈھیلا ہے تو مدعی بھی سست۔ مقدمہ بھی کمزور اور حاکم کے قلم کی قوت بھی سلب۔ پھر جیسا شاندار مقدمہ ویسا شاندار گواہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رب کی توحید اور سارے عالم غیب کے گواہ اور قیامت میں سارے انبیاء کا مقدمہ ان کی امتوں کے مقابلہ میں حضور کی جنبش لب پر طے ہونے والا ہے۔ اب سمجھ لو کہ کس شان کے گواہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ گواہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مدعی کے اپنے قائم کردہ۔ دوسرے سرکاری۔ پہلے گواہ پر جرح قدح سب کچھ ہو سکتی ہے۔ مگر سرکاری گواہ پر جرح کرنا جرم ہے۔

دیکھو خفیہ پولیس کی رپورٹ۔ سول سرجن کا سرٹیفکیٹ۔ یونیورسٹی کا ڈپلومہ بلا جرح مانا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حکومت کے سرکاری گواہ ہیں۔ قیامت میں دوسری قومیں مسلمانوں کی گواہی پر جرح کریں گی۔ کہ یہ لوگ ہمارے زمانے میں موجود نہ تھے۔ گواہی کیسے دے رہے ہیں۔ مگر حضور کی گواہی پر کوئی جرح نہیں ہو سکے گی۔ اسی لئے رب نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا۔ تیسرے یہ کہ گواہ مدعی کو بڑا پیارا ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے بھی گواہ ہیں۔ اور سارے نبیوں کے بھی اور ہم سب کے بھی۔ رب فرماتا ہے۔ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ اور فرماتا ہے۔ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ لہٰذا حضور رب کے بھی پیارے ہیں۔ اور سارے نبیوں کے بھی اور ہمارے بھی۔

شعر

اک میں ہی نہیں سب ہیں تیرے چاہنے والے
اللہ بھی حوریں بھی فرشتے بھی بشر بھی!

چوتھے یہ کہ گواہ کی گواہی جس کے حق میں ہو۔ وہ گواہ کے علم۔ سچائی۔ اس کی حق بیانی پر زور دیتا ہے۔ اور جس کے خلاف ہو۔ وہ اس گواہ کے علم۔ اس کی سچائی اور اس کے کمالات کا انکار کرتا ہے۔ کہ یہ گواہ تو بالکل بے خبر ہے۔ یہ حاضر و ناظر نہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اگر کچہری میں دیکھنا ہو کہ گواہی کس کے خلاف ہے۔ کس کے حق میں تو دیکھو کون کون گواہ کے متعلق کیا کیا رائے قائم کر رہا ہے۔ اسی طرح آج جو دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم۔ آپ کے کمالات۔ آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر منکر۔ کبھی ان کے کمالات سن کر چڑتے ہیں۔ سمجھ لو کہ حضور کی گواہی ان کے خلاف ہوگی۔ حضور کی ذات شریف ہر ایک کے کفر و ایمان کی کسوٹی ہے۔ جب یہ چار باتیں سمجھ لیں تو اب شَاهِدًا کی تفسیریں سنو اور ایمان تازہ کرو۔ اگر شَاهِدًا کے یہ معنی ہیں کہ حضور اللہ کی ذات و صفات اور

سارے عالم غیب کے گواہ ہیں تو خیال رکھو کہ سارے نبی ان سب چیزوں کی گواہی دیتے آئے۔ مگر خصوصیت سے جو حضور کو شاہد فرمایا گیا کہ آپ کو گواہ بھیجا۔ اس میں کوئی راز ہے۔

اسے یوں سمجھو کہ آسمان پر گرد و غبار تھا۔ عید کا انتیس کا چاند ہونے کو تھا۔ بہت سے آدمی آئے۔ بولے کہ چاند ہو گیا۔ مگر کسی نے یہ نہ کہا۔ کہ ہم نے چاند دیکھا سب یہی کہتے رہے کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ چاند ہو گیا۔ تو ان سب کی گواہی کامل نہ ہوگی۔ کسی دیکھنے والے کی گواہی کا انتظار رہے گا۔ جب آخر میں دیکھنے والا آیا تو انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ چاند کا ثبوت ہو گیا۔ عید کا فیصلہ ہو گیا۔ گواہی مکمل ہو گئی۔ اب کسی گواہ کی حاجت نہ رہی۔ نہ کسی کا انتظار۔ سارے نبیوں نے رب کی ذات و صفات۔ جنت دوزخ کی گواہیاں دیں۔ مگر ان میں کسی کی آنکھ نے یہ چیزیں دیکھی نہ تھیں۔ تو کسی دیکھنے والے کا انتظار تھا۔ آخر میں حضور تشریف لائے۔ رب نے انہیں معراج میں بلایا۔ اپنی ذات و صفات کا نظارہ کرایا۔ سارا عالم غیب ان آنکھوں سے دکھایا اور حضور نے فرمایا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں آنکھوں دیکھی گواہی دیتا ہوں۔ ادھر رب نے اعلان کیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ حضور کے اس اعلان پر توحید و صفات الٰہیہ وغیرہ کی گواہی مکمل ہو گئی۔ اور اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ رب نے فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ حضور نے فرمایا۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ عینی گواہ کی گواہی کے بعد ان کی گواہی کون دے۔ یہ معنی ہیں اس آیت کے اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔

اور اگر یہ معنی ہوں کہ آپ مخلوق کے گواہ خالق کے سامنے تو اس آیت کی تفسیر وہ آیتہ کریمہ ہوگی۔ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ الخ۔ کہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں گذشتہ نبیوں کی کافر قومیں عرض کریں گی۔ کہ مولیٰ ہم پر تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ سارے انبیاء بلائے جائیں گے۔ اور عرض کریں گے۔ مولا ہم نے تیرے احکام پہنچا دیے۔ ان لوگوں نے نہ مانے۔ حکم ہوگا۔ کہ آپ حضرات تبلیغ کے مدعی ہیں۔ اور یہ لوگ انکاری۔

مدعی پر گواہ پیش کرنا ضرور ہے۔ اپنے گواہ لاؤ۔ چنانچہ وہ حضرات امت محمدیہ کو اپنی گواہی کے لئے پیش کریں گے۔ خدا خیریت سے وہ وقت لائے۔ انشاء اللہ ہم تم اور ساری اُمت گواہی کے لئے پیش ہوگی۔ عرض کریں گے۔ کہ مولا تیرے نبی سچے ہیں۔ اور یہ کافر جھوٹے ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ ان بزرگوں نے بہت جانفشانی اور محنت سے تبلیغ کی۔ مگر ان مردودوں نے ایک نہ مانی۔ اس پر وہ کفار جرح کریں گے۔ کہ مولا ان کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ انہوں نے ہمیں نہ دیکھا نہ ہمارا انکار سنا، اور نہ ان نبیوں کو دیکھا۔ نہ ان کی تبلیغ مشاہدہ کی پھر گواہی کیسی دے رہے ہیں۔

دوسرے اس لئے کہ ہماری طرح یہ بھی بے دین تھے۔ اگر ہم کافر فاسق تھے۔ تو ان کے پاس ان کے اپنے ایمان و تقویٰ کا کیا ثبوت ہے۔ اس پر اُمتِ محمدیہ یہ عرض کریگی۔ کہ مولے واقعی ہم ان کے زمانوں میں نہ تھے۔ لیکن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا۔ کہ گذشتہ انبیاء کرام نے تبلیغ کی۔ کفار نے نہ مانی۔ ہم ان سے سن کر گواہی دے رہے ہیں۔ حکم ہوگا۔ اچھا نہیں ہمارے ہاں بلاؤ۔ ان کی گواہی پر ان سارے مقدمات کا فیصلہ ہے۔

اس حکم کے ہوتے ہی میدان محشر میں کھلبلی مچ جائے گی۔ وہ نظارہ قابل دید ہوگا۔ عدالت خداوندی لگی ہوئی ہے۔ سارے ملائکہ حاضر ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مدعی ہیں۔ سارے کفار مدعا علیہ اور مومنین گواہ کی حیثیت سے حاضر ہیں۔ حضور کی آمد کا انتظار ہے۔ اچانک شور اٹھے گا۔ وہ آ گئے۔ وہ آ گئے۔

ہر آنکھ ان کا منہ تکے گی۔ تمام امیدیں اُن کے جنبش لب سے وابستہ ہوں گی۔

مصرع انگلیاں اُٹھنے لگیں دُور سے وہ آ پہنچے

آج حضور کی ہاں اور نہ پر سب کی قسمتیں وابستہ ہیں۔ حکم ہوگا۔ اے محبوب آج خلقت کا مقدمہ درپیش ہے۔ ہمارا فیصلہ تمہاری گواہی پر موقوف ہے تمہاری امت نے انبیاء کے حق میں گواہی دی ہے۔ تمہارا حوالہ پیش ہوا ہے۔ دو باتیں فرماؤ۔ کیا تم نے اپنی امت کو پچھلے نبیوں کی تبلیغ کی خبر دی تھی۔ اور کیا تمہارے یہ امتی مومن اور متقی ہیں۔ یا بے دین یا فاسق ہیں۔ یعنی قابل گواہی ہیں یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ دو گواہیاں دیں گے۔ ایک یہ کہ مولا میری امت والے یہ گواہ سارے مومن اور متقی ہیں۔ سارے پرہیزگار دوسرے یہ کہ میں نے بتایا تھا کہ سب نبی اپنے زمانے میں تبلیغ کرتے رہے۔ اور ان کی قومیں ان کا انکار کرتی۔ بلکہ انہیں ستاتی رہیں۔ اس گواہی کے ہوتے ہی انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہوگی۔ اور کفار قہر قہار میں گرفتار ہوں گے۔ یہ ہیں معنی اس آیت کے۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔

اس واقعہ سے دو مسئلے معلوم ہوتے۔

ایک یہ کہ حضور نے اگلے پچھلے سارے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ آپ کی گواہی عینی ہوگی۔ نہ کہ سنی ہوئی۔ کیوں کہ سنی گواہیاں تو ابھی لاکھوں ہو چکی تھیں۔ دوسرے یہ کہ کفار بھی یہ مانتے ہوں گے کہ حضور نے ہر اگلے پچھلے واقعات آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ورنہ وہ حضور کی گواہی پر بھی ایسی ہی جرح کرتے۔ جیسی ابھی مسلمانوں کی گواہی پر کر چکے تھے۔ جو حضور کی اس صفت کا انکار کرے وہ ان کافروں سے بدتر ہے۔

تیسرے یہ کہ حضور اپنے امتی کے ایمان۔ تقوے۔ خیالات دلی حالات غرضیکہ ایک ایک بات سے خبردار ہیں۔ تب ہی تو حضور ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ مسلمانو! نمازی بنو۔ پرہیزگار بنو۔ داڑھیاں رکھو۔ گناہوں سے بچو۔ کل تمہیں سارے نبیوں کی گواہی دینا ہے۔

فاسق داڑھی منڈے کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا نہ ہو کر وہاں سے ہٹا دیئے جاؤ اس میں بڑی ذلت ہوگی۔ اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ مخلوق کے گواہ مخلوق کے سامنے تو مطلب یہ ہوگا۔

اے پیارے تم ہر ایک کے جنتی دوزخی۔ مومن وکافر ہونے کے گواہ ہو جسے جنتی کہہ دو وہ جنتی ہے۔ جسے دوزخی کہہ دو وہ دوزخی ہے۔ جو تمہاری اس گواہی کا انکار کرے۔ وہ میرا منکر ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ حسن حسین جنتی جوانوں کے سردار۔ حضرت فاطمہ زہرہ سیدالکبریٰ و حضرت عائشہ صدیقہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔

ان بزرگوں کا جنتی ہونا ایسا قطعی ہوگیا جیسے اللہ کا ایک ہونا اور حضور کا نبی ہونا۔ کہ جس زبان سے ہم نے سنا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اسی زبان سے سنا کہ یہ حضرات جنتی ہیں۔

حکایت۔ ایک سفر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سواء ابن حارث سے ایک اونٹ خریدا۔ اتفاقاً اس خرید و فروخت کے وقت کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ ایجاب وقبول ہوگیا اور طے یہ ہوا۔ کہ مدینہ منورہ پہنچ کر قبضہ لیا جائے گا۔ کچھ آگے چل کر سواء کو کسی شخص نے اس اونٹ کی زیادہ قیمت پیش کی۔ اس کی نیت بدل گئی۔ وہ بولا یارسول اللہ اگر اونٹ لینا ہے تو خرید لیں۔ ورنہ میں دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ اونٹ تو میرا ہو چکا ہے میں خرید چکا۔ تو دوسرے کے ہاتھ کیسے بیچ سکتا ہے۔ وہ بولا۔ کہ میں نے آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ تو بیچ چکا ہے وہ کہتا ہے نہیں۔ آخر وہ بولا کہ اگر آپ سچے ہیں تو گواہ پیش کیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ عقد اکیلے میں ہی ہوا تھا۔ گواہ کہاں سے آئے۔ وہ بولا کہ پھر قسم کھا لیتا ہوں کہ میں نے نہیں بیچا۔ یہ گفتگو، حضرت ابو خزیمہ انصاری سن

رہے تھے تڑپ گئے۔

بولے یارسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ سواء جھوٹا ہے اونٹ آپ خرید چکے ہیں۔ میں آپ کا گواہ ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ جب تم نے یہ عقد ہوتے ہوئے دیکھا نہیں تو تم بغیر دیکھے گواہی کیسے دے رہے ہو۔ ابوخزیمہ بولے کہ میں نے بغیر دیکھے صرف آپ کی زبان مبارک سے سن کر اللہ کی وحدانیت۔ جنت دوزخ۔ سب کی گواہی دی۔ تو کیا یہ اونٹ ان سے بڑھ کر ہے۔ جس زبان سے میں نے سنا تھا۔ کہ اللہ ایک ہے۔ اسی زبان سے سن رہا ہوں کہ ہم نے اونٹ خرید لیا۔ میں آپ کا گواہ ہوں۔ یہ تقریر دلپذیر سن کر دریا رحمت جوش میں آگیا۔ اور فرمایا کہ آج سے ابوخزیمہ کی ایک گواہی دو گواہوں کے برابر (از بخاری شریف) یہ ہیں مخلوق کے مخلوق کے سامنے گواہ ہونے کے معنی ا۔

اور اگر یہ معنی ہوں کہ خالق کے گواہ خالق کے سامنے تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ سب سے پہلے توحید کی گواہی دینے والے۔ اور رب کی عبادت کرنے والے حضور ہیں۔ حضور اس وقت کے گواہ اور عابد ہیں۔ جبکہ عرش و کرسی لوح و قلم۔ زمین و آسمان۔ فرشتے وغیرہ کچھ نہ بنے تھے فرماتے ہیں۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ ۔

میثاق کے دن جب رب نے ارواح سے پوچھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سب سے پہلے بلیٰ کہنے والی روح محمدی تھی۔ آپ سے سن کر سب نے بلیٰ کہا۔ دیکھو مدارج النبوت وغیرہ لہٰذا اس وجہ سے آپ گواہ کامل ہیں۔ اور اگر شاہد کے معنی حاضر ہوں تو معنیٰ اس کے یہ ہوں گے۔ کہ اے محبوب ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔

خیال رہے کہ جہاں تک کوئی چیز نظر آئے وہاں تک انسان ناظر ہے اور جہاں تک تصرف کر سکے وہاں تک حاضر ہے۔ ہم زمین پر سے آسمان کو دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم آسمان

تک ناظر ہیں۔ مگر چونکہ ہم وہاں تصرف یا عمل درآمد نہیں کر سکتے لہذا وہاں حاضر نہیں ہیں۔ اور سورج آسمان پر رہ کر زمین پر تصرف کر رہا ہے۔ کہ روشنی۔ گرمی۔ شعاعیں پھینک رہا ہے۔ گیلی زمین کو سوکھا دیتا ہے۔ گندی زمین کو پاک کر دیتا ہے۔ رات کی پڑی شبنم اور برف کو منٹوں میں گلا دیتا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ وہ ہر گھر میں۔ بلکہ ہر ذرے میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طاقت بخشی ہے۔ کہ حضور مدینہ منورہ میں رہ کر ذرّے ذرّے کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ اور ہر جگہ آپ کا عمل درآمد اور تصرف بھی ہے۔ اس لئے حضور حاضر بھی ہیں۔ ناظر بھی ہیں۔ اس کے بے شمار دلائل ہیں۔ فقیر یہاں صرف دو دلیلیں عرض کرتا ہے۔

ایک یہ کہ نماز کسوف (سورج گرہن) پڑھا رہے ہیں۔ کہ اچانک، بحالت نماز ہاتھ بڑھاتے ہوئے کچھ آگے ہوئے۔ پھر کچھ دیر بعد ہاتھ سامنے کئے ہوئے پیچھے ہٹے۔ صحابہ کرام نے بعد نماز عرض کیا۔ کہ یا حبیب اللہ آج حضور نے نماز میں کچھ وہ کام کئے جو کبھی نہ کرتے تھے۔ حضور آگے کیوں بڑھے۔ اور کیا لینا چاہا۔ اور پیچھے کیوں ہٹے۔ اور کس سے بچنا چاہا۔ سرکار نے فرمایا۔ کہ جنت میرے سامنے ہوئی میں نے اس کا ایک خوشہ توڑنا چاہا۔ خوشے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اگر توڑ لیتے تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے۔ اور ختم نہ ہوتا۔ مگر خیال آیا۔ کہ پھر لوگوں کا ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ جنت اور وہاں کی نعمتوں کو غیب ہی رہنے دو۔ چھوڑ دیا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسجد نبوی کہاں ہے اور جنت کہاں جنت وہاں سے کروڑوں۔ پدموں اور سنکھوں میل دور۔ یہاں سے کھڑے سرکار اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے خوشوں کو توڑ بھی رہے ہیں۔ صحابہؓ نے دیکھا۔ کہ حضور کا ہاتھ گز بھر آگے

بڑھا مگر اس ہاتھ کے قربان ذرہ جنت میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ناظر ہونے کے معنی تھے یہ حاضر ہونے کے معنی ہیں۔ کیا تم نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا۔ حضرت آصف بن برخیا نے شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت یمن سے لاکر حاضر کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اس تخت کو آپ نے دیکھ بھی لیا تھا۔ اور وہاں تصرف بھی کر لیا یعنی آپ وہاں حاضر بھی تھے۔ ناظر بھی۔

کیا تم نے نہیں سنا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے ایک پیالے میں ہاتھ رکھ کر سینکڑوں آدمیوں اور جانوروں کو پلا بھی دیا۔ نہلا بھی دیا برتن بھی بھر دیئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ پانی کوثر کا تھا۔ یہاں پہنچا دیا۔ قدرے تبدیلی کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ آپ جنت تک حاضر بھی ہیں ناظر بھی ہیں۔ پھر اس زمین کی حقیقت ہی کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ شیطان گمراہ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ یعنی وہ رب کی صفت مُضِل کا مظہر ہے۔ اُسے رب نے یہ طاقت دی ہے کہ بیک وقت سارے عالم کو دیکھتا ہے۔ ہر شخص کے دلی خطرات سے خبردار ہے۔ اور ہر ایک دل پر تصرف کر سکتا ہے۔ کہ جہاں کسی کے دِل میں نیکی کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے آکر بہکایا۔ یہ میں نہیں کہتا۔ رب فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔

اے انسانوں۔ ابلیس اور اس کی ذرّیت تم سب کو دیکھ رہی ہے۔ تم اُس کو نہیں دیکھتے یہاں تو اس کے ناظر ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ۔

یعنی اس کا تصرف اور تسلط تمام ان لوگوں پر ہے۔

اس میں اس خبیث کا حاضر ہونا بیان فرمایا۔ کہ ہر جگہ تصرف کر رہا ہے جب اس گمراہ

کُن کی طاقت کا یہ حال ہے تو انبیاء خصوصًا سید الانبیاء جو ہدایت کا سرچشمہ ہیں اور رب کی صفت ہادی کے مظہر۔

بتاؤ ان کی طاقت کیسی ہونی چاہیئے۔ شیطان بیماری ہے حضور اس کی دوا۔ اور علاج۔ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہیئے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا۔

آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا۔ اگرچہ پچھلے انبیاء بھی بشیر و نذیر تھے۔ مگر ان کی بشارتیں بھی سن کر تھیں۔ اور ڈرانا بھی۔ لیکن حضور کی بشارت اور ڈرانا سب دیکھ کر ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور دوزخ اور وہاں کے تمام عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھے معراج میں بھی۔ اور نماز کسوف میں بھی۔ خیال رہے کہ حضور کی بشارت اور ڈرانا نبوت کی طرح سب کو عام ہے۔ حضور کافروں کو عذاب سے ڈراتے ہیں۔

گنہگاروں کو عتاب سے۔ نیک کاروں کو ضبطی اعمال کے خوف سے پرہیزگاروں کو رب کی بے نیازی۔ یونہی حضور کفار کو قبولیت ایمان کی بشارت دیتے ہیں۔ گنہگاروں کو قبولیت توبہ کی۔ یعنی اب بھی ایمان لے آؤ۔ توبہ کر لو۔ بخشے جاؤ گے نیک کاروں کو جنت کی۔ انبیاء۔ اولیاء کو قرب الٰہی کی بشارتیں دیتے ہیں۔ قیامت میں ہر نبی کی طرف سے بندوں کو مایوس کن جواب ملے گا۔ کہ ہم شفاعت نہیں کر سکتے۔ اور کہیں جاؤ۔ تب حضور ہی سب کی ڈھارس بندھائیں گے اور اَنَا لَھَا۔ اَنَا لَھَا کہہ کر شفاعت کی بشارت دیں گے۔ یعنی ہاں شفاعت میں کروں گا۔ مت گھبراؤ۔ اسی لئے رب نے یہاں حضور کی بشارت کو کسی قوم یا کسی وقت سے خاص نہ فرمایا۔

شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں ٭ اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام!

آگے ارشاد ہے۔ وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ۔ اللہ کے حکم سے سب کو رب کی طرف بلانے والے اس کی تفسیر سمجھنے کے لئے ایک مثال سمجھو بڑا تاجر پہلے اپنی دکان میں سودے بھرتا ہے۔ پھر اس کا پروپیگنڈا کرنے کیلئے ڈھنڈورچی کے ذریعہ شہر میں اعلان کراتا ہے۔ پوسٹر چھپواتا ہے۔ اخبارات میں اشتہارات دیتا ہے۔ کہ ہمارے ہاں ہر قسم کا مال بکفایت ملتا ہے۔ جتنا روپیہ دکان پر خرچ کرتا ہے۔ قریباً اتنا ہی اس کے پروپیگنڈے پر خرچ کر دیتا ہے پھر دکان کو جھنڈیوں۔ قمقموں ٹیوبوں اور قسم قسم کی آرائش سے آراستہ کرتا ہے۔ یہ ڈھنڈورچی۔ اشتہار۔ اخبار۔ دکان کی زیبائش۔ اس دکان کے داعی ہیں۔ اللہ نے جنت کی دکان لگائی۔ وہاں ہر قسم کے سودے بھرے۔ سارے نبیوں کو اس کے اعلان کے لئے بھیجا۔ ان حضرات نے لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دی۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ذات الٰہی کی طرف بلایا۔ سب داعی اِلی الجنان تھے۔ حضور داعی اِلی الرحمٰن۔ حضور کا سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا۔ بلکہ ہر ادا داعی الی اللہ ہے۔ جیسے تاجر اپنے داعی پر سارا زور لگا دیتا ہے۔ یونہی دستِ قدرت نے اپنی تمام کاریگری حضور پر ختم کر دی۔ کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حضور نمونہ قدرت ہیں۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ اس لئے فرمایا دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ جیسے کہ داعی تاجر اور خریدار کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہوتا ہے کہ لوگ اسکی معرفت دکان پر پہنچتے ہیں۔ یونہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ اعلیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ عربی میں۔ سراج چراغ کو کہتے ہیں۔ مگر قرآن شریف میں سورج کو سراج فرمایا ہے۔ یہاں بھی سورج ہی کے معنی میں ہے۔ یعنی اے نبی ہم نے آپ کو چمکانے والا سورج بنا کر بھیجا۔ چند وجہوں سے حضور کو سورج فرمایا گیا

ان میں سے بعض یہ ہیں ۔

رات میں چاند تارے ۔ گیس بجلی ۔ روشنی دے سکتے ہیں ۔ مگر دن نہیں نکال سکتے ۔ سورج رات کو فنا کر کے دن نکال دیتا ہے ۔ دوسرے انبیاء ہدایت کے چاند تارے بجلیاں و گیس تھے ۔ جنہوں نے روشنی پھیلائی ۔ مگر رات کو دن نہ بنایا ۔ ہمارے حضور نے تشریف لاتے ہی دن چڑھا دیا ۔ اس لئے آپ کو سورج کہا گیا ۔ چنانچہ حضور سے پہلے یک وقت بہت سے نبی جلوہ گر ہوتے تھے ۔ جیسے چاند کے ہوتے ہوئے آسمان پر تارے ۔ زمین پر ہزارہا شمعیں روشنی دیتی ہیں ۔ معلوم ہوا کہ دن نہیں چڑھا تھا ۔ ہمارے حضور کے آتے ہی گذشتہ نبوتیں منسوخ اور آئندہ کے لئے دروازہ بند ہو گیا ۔ معلوم ہوا کہ آپ سورج ہیں جس نے ہدایت کا دن چڑھا دیا ۔

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
نور وہ لے کے آیا ہمارا نبی ؐ

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی !

دوسرے یہ کہ سورج کا قاعدہ ہے کہ منور مخلوق کو بجھا دیتا ہے اور بے نوروں کو چمکا دیتا ہے ۔ چنانچہ چاند تارے ۔ گیس بجلی ۔ سب کو بجھاتا ہے یا اپنے نور میں چھپاتا ہے ۔ مگر بے نور ذروں کو چمکاتا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبوتوں کو منسوخ ۔ اور تمام نورانی نبیوں کو اپنے دامن نور میں چھپا لیا ۔ مگر اپنی امت میں صحابہؓ ۔ اہل بیت اور قیامت تک کے اولیاء ۔ علماء کو چمکا دیا ۔ اسی لئے حضور کے بعد نبی نہیں آسکتے ۔ مگر قیامت تک اولیاء اللہ و علماء آئیں گے ۔ کیوں کہ وہ تارے تھے یہ ذرے ۔

تیسرے یہ کہ ایک سورج بیک وقت ہر جگہ سے نظر آتا ہے۔ یعنی ہر ذرے میں حاضر ہوتا ہے۔ حضور انور ایمانی نگاہ سے ہر جگہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے حضور کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت ہوا بلکہ بعد موت ہر قبر سے حضور ظاہر ظہور نظر آتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ سورج ہزاروں مکانات و مقامات کے لاکھوں سامنے آنے والے آئینوں میں اس طرح جلوہ گری کرتا ہے۔ کہ ان میں اپنا سا نور۔ اپنی سی گرمی۔ اپنی سی شعاعیں پیدا کر دیتا ہے۔ نتیجہ کسی آنکھ میں اس آئینے کے مقابل ٹھہرنے کی تاب نہیں ہوتی۔ ان آئینوں کے سامنے، آنکھیں خیرا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے حضور نے لاکھوں۔ کروڑوں اولیاء مشائخ و علماء کے سینے ایسے چمکائے کہ وہ سینے نور کے گنجینے بن گئے۔ وہاں حضور کا نور۔ حضور کی تجلی۔ حضور کی شعاعیں۔ حضور کی گرمئ عشق نظر آنے لگیں۔ ان سینوں کے مقابل کوئی ٹھہر نہ سکا۔

بغداد۔ اجمیر۔ بخارا میں انہیں سینوں کی تجلیاں ہیں۔ مگر جیسا آئینے کا رنگ ویسی وہاں روشنی۔ سورج ایک ہے مگر آئینے رنگ برنگے۔ کہیں قادریت کا رنگ ہے کہیں چشتیت کی جلوہ گری۔ کہیں نقشبندیت کی جھلک کہیں سہروردیت کی شعاعیں۔ یہ ان آئینوں کے نام اور کام ہیں۔

پانچویں یہ کہ سورج سے لاکھوں نے نور لیا۔ مگر اس کے نور میں کمی کوئی نہ آئی۔ یونہی حضور سے سب چمکے۔ مگر آپ کی تابش میں کوئی فرق نہ آیا۔

چھٹے یہ کہ سورج کا دینا یکساں مگر چاند تاروں اور زمین کے حصوں کا لینا مختلف۔ کوئی تارہ تیز روشن ہے۔ کوئی ہلکا زمین کا کوئی حصہ گرم ہے کوئی ٹھنڈا۔ گرم ملک میں پیداوار اور قسم کی۔ ٹھنڈے ممالک میں پھل پھول وغیرہ اور طرح کے۔ اسی طرح حضور کے

نور کی عطا یکساں مگر لینے والوں کے ظروف کی گنجائشیں مختلف۔ بجلی کا پاور یکساں آتا ہے۔ مگر سو کا بلب الگ کچھ اڑ لیتا ہے۔ اور پانچ کا بلب کچھ اور اسی طرح حضور سے فیض لینے والے کوئی صرف مومن بنے۔ کوئی متقی۔ کامل۔ عارف۔ کوئی ولی۔ کوئی مجذوب۔ کوئی سالک اور بعض خوش نصیب صحابی بنے۔ پھر صحابہ میں کوئی صدیق ہیں۔ کوئی فاروق۔ کوئی غنی۔ تو کوئی حیدر کرار رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ساتویں یہ کہ سورج کی عطائیں۔ اس کا فیضان ایک ہی مخلوق پر مختلف زمانوں میں الگ الگ ہوتا ہے۔ گرمی کا موسم اور اس زمانے کی پیداوار بھی اور۔ سردی۔ بہار۔ خزاں برسات ان سب کے الگ الگ رنگ ہیں۔ دیکھو دینے والا سورج بھی ایک اور لینے والی زمین بھی ایک مگر نوعیت عطا میں فرق۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ عطاؤں کا حال ہے۔ کبھی معمولی خدمت پر دریا رحمت جوش میں آگیا۔ حضرت ربیعہ کو جنت دے دی۔ حضرت طلحہ پر دوزخ حرام کر دی۔ حضرت عثمان سے فرمایا جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ غرض مختلف اوقات میں مختلف عطائیں ہیں۔ یہ شان جمال تھی۔ اگر شان جلال دیکھنا ہے تو وہ بھی نظارہ کر لو۔ کہ جمیل کی زکوٰۃ رد فرما دی۔ تو وہ مرتد ہو کر مرا۔ عتبہ ابن ابولہب پر تجلی جلال ہوئی تو اسے شیر نے پھاڑا۔ ایک کافر شیخی میں بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ فرمایا اس ہاتھ سے نہ کھا۔ وہ بولا کہ میرا دایاں ہاتھ بے کار ہے۔ منہ تک نہیں آتا۔ فرمایا اب تک آتا تھا۔ اب نہ آئے گا چنانچہ وہ مرتے مرگیا۔ مگر اس کا ہاتھ منہ تک نہ آیا۔

شعر

کوئی جان بس کہ مہلک رہی!
کسی دل میں ان سے کھٹک رہی!

نہیں ان کے جلوے میں یک رہی
کہیں پھول ہے کہیں خار ہے
وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے
وہی اصل عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے
وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے!

مُنِیْرًا کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ چمکنے والا۔ چمکانے والا۔ کیونکہ باب افعال لازم بھی ہوتا ہے۔ متعدی بھی۔ اگر پہلے معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ دنیا کا سورج کبھی طلوع ہوتا ہے۔ کبھی غروب پھر کبھی تیز کبھی مدھم۔ کبھی گرہن میں بے نور۔ مگر اے محبوب تم ایسے سورج ہو جو ہمیشہ چمکے گا۔ نہ تمہارے نور میں فتور۔ نہ تمہارے کمال کو زوال۔ تمہارا بازار حسن کبھی بند ہی نہ ہوگا۔

دوسرے معنی مراد ہوں۔ تو مقصد یہ ہوگا۔ کہ تم صرف نور ہی نہیں بلکہ نور گر ہو۔ اپنے غلاموں کو نور بنا دیتے ہو۔ پھولوں کی صحبت میں تل رہ کر بس جاتے اور مہک جاتے ہیں۔ نور کی صحبت پانے والے صحابہ اور اہل بیت یقیناً نورانی ہو گئے۔

شعر
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا!

خیال رہے کہ نور کا ظہور شیشوں کے ذریعہ دُور دُور ہو جاتا ہے بشرطیکہ شیشے صاف ہوں۔ مشائخ کے سینے شفاف آئینے ہیں۔ جن سے چھن چھن کر نور محمدی عالم میں پھیل رہا ہے۔ مشائخ سے بیعت کا یہی مقصد ہے۔ اور یہی منشا ہے۔ بالذات ان میں کوئی نور نہیں۔ ہاں جناب مصطفٰے نے جنہیں چمکا دیا۔ نور ہو گئے۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو اس نور میں رکھے۔

شعر

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

دے چمکاں میں دیریاں تائیں چھوڑ تیرے در آواں!
جے نہ نظر کرم دی بدلیں تاکیوں اوگت جاواں!

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ اٰمِين ۔

وعظ نمبر ۵۲

کافروں کا کوئی مددگار نہیں

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

ترجمہ۔ تمہارا اللہ کے سواء کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں۔ عامیانہ۔ عالمانہ۔ عاشقانہ۔ تفسیر عامیانہ تو وہ ہے۔ جو اس زمانے کے عام اردو خواں۔ خود رو مفسر کرتے ہیں۔ جو خود ترجمہ قرآن دیکھ کر عالم بن بیٹھے۔ یعنی خدا کے سواء نہ کوئی دوست ہے۔ نہ مددگار۔ لہذا مصیبت کے وقت۔ نبی۔ ولی۔ علی۔ وصی۔ پیرومرشد کو پکارنا۔ ان سے مدد مانگنا۔ انہیں مشکل کشا حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ اور اس آیت کے خلاف ہے۔ ہر جگہ آج کل اسی پر بہت زور ہے۔ اس آیت کو آڑ بنا کر امتِ رسول اللہ کو مشرک کافر کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے چند

چند وجہوں سے ایک یہ کہ اس صورت میں آیت ان ساری آیتوں کے خلاف ہوگی جن میں اللہ کے بندوں کو ولی اور نصیر کہا گیا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

یعنی تمہارا دوست اللہ ہے۔ اس کے رسول اور نمازی پرہیزگار مسلمان ہیں۔ نیز رب فرماتا ہے۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا۔

الٰہی ہمارے لئے اپنی طرف سے دوست بنا اور اپنی طرف سے مددگار بنا۔ اگر رب کے سواء کوئی بھی دوست یا مددگار نہیں۔ تو اس دعا کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز رب فرماتا ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝

بھلائی اور تقوے پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ دیکھو بندوں کو ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا گیا۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس تفسیر کی بناء پر بڑے بڑے انبیاء اولیاء مشرک ٹھہریں گے۔ کیونکہ انہوں نے اڑے وقتوں میں بندوں سے مدد مانگی۔ دیکھو عیسٰی علیہ السلام جب یہود کے نرغے میں آئے تو آپ نے فرمایا۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ میرا مددگار اللہ کے لئے کون ہے۔ تو آپ کے ساتھی بولے۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ۔ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اسی لئے آج تک ان لوگوں کو نصاریٰ یعنی مددگاران عیسٰی علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا۔ اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ۔ میری طاقت سے مدد کرو۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد جن لوگوں نے کی۔ انہیں انصار کہا جاتا ہے۔ یعنی جناب احمد مختار کے مددگار۔ یہ سب اس آیت کے خلاف ہوئے۔

تیسرے یہ کہ اس تفسیر کی بناپر خود رب تعالےٰ مشرک ہوگا۔ وہ فرماتا ہے۔ اِنْ تَنْصُرُ اللّٰہَ

یَنْصُرْکُمْ۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

چوتھے یہ کہ اس تفسیر سے سارے مسلمان مشرک ہوں گے۔ کیوں کہ پیدائش سے لے کر مرنے تک ہر شخص۔ ہر حالت میں بندوں کی مدد ہی لیتا ہے۔ استاد کی مدد سے فاضل دیوبند بنتا ہے۔ مالداروں کی مدد سے رزق حاصل کرتا ہے۔ بیمار ہو کر حکیم کی مدد سے شفا پاتا ہے۔ مصیبت میں حاکم و وکیل کی مدد سے خلاصی پاتا ہے۔ پھر مر کر غسال۔ کفن دوز اور گورکن کی مدد سے دفن ہوتا ہے۔ بتاؤ شرک سے کون بچا۔

پانچویں یہ کہ قیامت میں سب کام پیچھے ہوں گے۔ پہلے مددگار شفیع کی تلاش ہی ہوگی۔ جب حضور شفاعت کی امداد کریں گے۔ تب اور کام شروع ہوں گے۔ چھٹے یہ کہ اس تفسیر سے خود وہ لوگ بھی مشرک ٹھہرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے بزرگوں نے بہت گڑگڑا کر حضور سے دعا مانگی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ!!

خلاصہ یہ کہ یہ تفسیر اسلام کو ڈھا دے گی۔ اس لئے یہ تفسیر نہیں۔ تحریف ہے۔ یہ سوالات سن کر ان مفسرین کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ مدہوشی میں بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں۔ کہ زندوں سے مدد لینا جائز ہے۔ مردوں سے شرک۔ کبھی کہتے ہیں کہ قریب والے سے مدد لینا جائز۔ دور والے سے شرک۔ کبھی کہتے ہیں۔ کہ اسباب کے ماتحت

مدد لینا جائز ہے۔ مافوق الاسباب شرک ہے۔ غرض کہ ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں۔ مگر۔

مصرع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

یہ تاویلیں اور توجیہیں بالکل بے کار۔ بلکہ غلط ہیں۔ چند وجہوں سے اوّلاً یہ کہ اس آیت کریمہ میں زندہ۔ مردہ۔ دور و نزدیک وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ یہ قیدیں اپنی جیب سے لگائی گئی ہیں۔ قرآن شریف کے اطلاقات میں کسی کو گھر سے قید لگانے کا حق نہیں۔ قرآن و حدیث سے ۱ دور والوں ۲ مردوں۔ ۳ مافوق الاسباب امدادیں ثابت ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے ہزاروں برس بعد ہماری یہ مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں آج ہم تمام رسول اللہ کی مدد سے مسلمان ہوتے ہیں۔ قبر میں کامیاب ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے حضرت ساریہ کو جو وہاں سے صدہا میل دور مقام نہاوند میں جہاد کر رہے تھے۔ یہ مدد کی کہ انہیں پکار کر کفار کے حملے سے بچا لیا۔ حضرت آصف نے پل بھر میں مافوق الاسباب صدہا میل سے تخت بلقیس لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے حاضر کر دیا۔ اب بتاؤ۔ ان کی تاویلوں کے ٹکڑے اڑ گئے یا نہیں۔ تعجب ہے کہ حکیموں کا بنایا ہوا شربت تو شربت فریاد رس کہلا سکتا ہے۔ جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع الامراض ہو سکتی ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی قمیض نابینا آنکھوں میں روشنی دے سکتی ہے۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون ظاہری باطنی بیماریوں سے شفا دے سکتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے پیدا ہونے والا پانی آب زمزم تا قیامت بیماریوں کے لئے شفا ہو سکتا ہے تو جناب سید الانبیاء کے تبرکات کیوں دافع البلاء نہیں ہو سکتے۔ جناب۔ ان کے مدینہ کی خاک بھی شفا ہے۔ کیوں کہ یہ کبھی ان مبارک تلوؤں سے لگی ہوگی۔

یہ مفسرین اپنی اس توحید کو پھر چار جگہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے آٹھ جگہ استعمال کریں: اور یوں کہا کریں کہ خدا کے سوا رہ نبی۔ علی۔ و لی۔ وصی حاکم حکیم وکیل۔ غنی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ تو ہم بھی سمجھیں۔ کہ واقعی پورے عامل ہیں۔

اس آیت کی تفسیر عالمانہ یہ ہے۔ کہ قرآن شریف میں لفظ دون سوا رکے لئے بھی آیا ہے۔ غیر کے لئے بھی اور مقابل کے معنی میں بھی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسے عیسائیو۔ یہودیو۔ قرآن کے مقابلے کے لئے جناب مسیح و حکیم اور ان کے پیروکار اولیاء و علماء کو بلاؤ۔ بلکہ خدا کے مقابلوں کو بلاؤ۔ نیز فرماتا ہے۔

اگر یہاں اولیاء بمعنی معبود ہے۔ تو دون بمعنی سوا ہوگا۔ اور اگر بمعنی دوست اور مددگار ہے تو دون کے معنی مقابل ہی ہوگا۔ اس قسم کی امداد کی آیتوں میں ہمیشہ دون کے معنی مقابل ہوگا۔ مفردات راغب میں ہے۔ اَلدُّوْنُ هُوَ الْقَصْرُ۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کا مقابل ہو کر نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار یعنی یہ ناممکن ہے کہ رب تمہیں عذاب دینا چاہے اور کوئی دوسرا اس کا مقابلہ کر کے تمہیں بچالے۔

اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی اگر رب تمہیں رسوا کرنا چاہے تو تمہاری مدد کون کر سکتا ہے۔ اور آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے۔ جو حضرت معاذؓ سے مروی ہے۔ کہ ایک دفعہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ آگے حضور تھے پیچھے میں تھا۔ اور مجھے اتنا قرب نصیب تھا۔ کہ دوران سفر میں میرا سینہ حضور کی پشت مبارک سے مس کرتا تھا۔ کہ اچانک فرمایا۔

اے معاذؓ۔ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ۔ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھ کر فرمایا اے معاذؓ۔ میں نے عرض کیا لبیک پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ کچھ آگے بڑھ کر پھر فرمایا معاذ میں نے عرض کیا۔ لبیک۔ فرمایا اُسوقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تمہارا عقیدہ یہ نہ ہو کہ اگر رب تمہیں عزت دینا چاہے۔ اور مخلوق تمہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرے تو ان سب کی کوششیں بیکار ہوں گی۔ رب کا چاہا ہوگا۔ اور اگر رب تمہیں ذلیل کرنا چاہے اور سب تمہیں عزت دیں تو یہ سب فیل ہوں گے۔ اور رب کی مرضی ہوگی۔

اس آیت اور اس حدیث سے پتہ لگا۔ اللہ کا مقابل ہو کر یا اس سے کٹ کر کوئی کسی کی ذرہ بھر مدد نہیں کر سکتا۔ جو بھی کسی کی کوئی مدد کرتا ہے رب کے ارادے سے۔ اس کے اشارے سے۔ اس کی دی ہوئی قوت سے۔

بجلی کا تار اگر پاور ہاؤس سے کٹ جائے۔ تو بے کار ہے۔ اور اگر اس سے وابستہ ہو تو وہ کام کرکے دکھاتا ہے کہ سبحان اللہ۔ اس سے شاہ و گدا ڈرتے ہیں۔ اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہ اس کا اپنا زور نہیں۔ زور والے کا زور ہے۔ دیکھو رب نے ابابیل سے فیل مروا دیئے۔ اور مچھر سے نمرود ہلاک کر دیا ہے آندھی سے قوم عاد کا خاتمہ کر دیا۔ جب فرعون۔ شداد پر عذاب آیا۔ تو ان کی کوٹھیاں اور بلڈنگیں انہیں نہ بچا سکیں۔ اور جب رب نے کرم کیا تو اپنے محبوب اور ان کے یار غار صدیق کو مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ خونخوار دشمنوں سے بچا لیا۔ وہ مہربان ہو تو سب مہربان ہوں۔ اور اگر اس کی نظر بدل جائے۔ تو کہیں ٹھکانہ نہیں۔

شعر

سائیں تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئی!
دُر دُر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام
ذرا سی جھانکی جھرکی تو لاکھوں کریں سلام

اسی لئے قرآن کریم میں اولیاء اللہ کی جگہ جگہ تعریفیں فرمائیں ۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ اور ہر جگہ اولیاء من دون اللہ کی برائی فرمائی۔ اس تفسیر سے آیت کریمہ کا مطلب بالکل واضح ہو گیا۔ اور اب یہ آیت نہ دیگر آیات قرآنیہ کے مخالف رہی نہ احادیث نبویہ کے متعارض ۔ اور نہ اس پر کوئی اعتراض رہا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر صوفیانہ سمجھنے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ رب کا نے ہر چیز میں ظاہر و باطن رکھا ہے ۔ لیکن باطن گویا حقیقت ہے ۔ ظاہر گویا مجاز۔ مجاز رجوع حقیقت کی طرف ہوتا ہے ۔ حقیقت کے آگے مجاز کچھ نہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ مجاز کے ضمن میں حقیقت کارفرما ہوتی ہے ۔

حکایت ۔ مثنوی شریف میں ہے کہ ایک بار رات کے وقت تنہائی میں مجنوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولا میں نے کیا قصور کیا تھا ۔ جس کی سزا میں تو نے میرا دل لیلےٰ کی زلفوں میں پھنسا دیا ۔ سارا جہان رات کو سوتا ہے میں روتا ہوں ۔ لوگوں کے لئے گھر کے بستر ہیں ۔ میرے لئے جنگل کا ریتا اور گرم خاکستر ہے ۔ دنیا میں ذلیل میں ہوا۔ رسوا میں ہوا ۔ جان میری عذاب میں ہے ۔ یہ مجھے کس جرم کی سزا ہے ۔

مولانا فرماتے ہیں ۔ کہ اس کی فریاد نے عرش اعظم کو ہلا دیا جواب ملا ۔

شعر

عشق لیلےٰ نیست ایں کارِ من است ÷ حسن لیلےٰ عکس رخسارِ من است
خوش بیاید نالۂ شب ہائے تو ÷ ذوقہا دارم بیارب ہائے تو

دیوانے یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے بلکہ میری محبت ہے لیلےٰ کا رخسار حسن پروردگار ہے۔ وہ مجاز تمہارا یہ حقیقت ہے۔ اگر تو عشق لیلےٰ میں گرفتار نہ ہوتا۔ تورات کو مجھے کیسے یاد کرتا۔ تیری آہ وزاری ہمیں پسند ہے۔ تیرا یارب یارب کہنا ہمیں بھاتا ہے۔ غرضیکہ عالم مجاز ہے۔ رب حقیقت۔ جب یہ سمجھ لیا۔ تو سمجھو کہ دنیا والوں کی دوستیاں اوران کی امداد یں سب مجاز ہیں۔ حقیقتاً رب ہی کی دوستی ہے۔ اسی کی امداد۔

عقل کہتی ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ غذا زندہ رکھتی ہے۔ دوا صحت بخشتی ہے۔ چھری کاٹتی ہے۔ مگر سلطانِ عشق کا فتویٰ یہ ہے کہ ان سب میں حقیقت یعنی امرالٰہی جلوہ گر ہے۔ اسی کے ارادے سے آگ جلے۔ اسی کے اشارے سے پانی پیاس بجھائے اس کا کرم نہ ہو کچھ بھی نہ ہو۔

ایک بار دیوار کے سائے نے دیوار سے کہا کہ تو میرے پاس سے ہٹ جا میں آفتاب کی زیارت کرلوں۔ دیوار نے کہا۔ پاگل۔ اگر میں ہٹی تو تو فنا تیری ہستی میرا صدقہ۔ تیرا وجود میری کرم نوازی۔ تیرا ظہور میرے دم قدم سے ہے۔ غرض کہ عالم مجاز ہے۔ خالق اور اس کی صفات حقیقت اس جیسی نفی کی تمام آیتوں میں حقیقت کا انکار ہے۔ رب فرماتا ہے

اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا۔ میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔

فرماتا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۔ اللہ ہی حساب لینے والا ہے۔

فرماتا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ اللہ ہی کا حکم ہے۔

فرماتا ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اللہ ہی زندہ وہی قائم رہنے والا ہے۔

فرماتا ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ وہی سننے والا وہی دیکھنے والا ہے۔

ان تمام آیتوں کے حصروں اور نفیوں میں حقیقت ملحوظ ہے۔ اور آیات ثبوت میں مجاز کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو فرماتا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔

ہم نے انسان کو آزمائش کے لئے مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ اور اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا۔ یعنی زوجین کا جھگڑا پڑنے پر ایک حاکم (پنچ) مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک عورت کی طرف سے۔ کہئے۔ جب سمیع۔ بصیر۔ حاکم۔ وکیل صرف اللہ ہی ہے تو یہ مخلوق۔ سمیع بصیر حاکم کیسے ہو گئی۔ پس کہنا پڑے گا۔ کہ حقیقت کا حصر ہے اور ماسوا اللہ اسی کا انکار ہے۔ اور مجازاً مخلوق کے لئے بھی یہ صفات ثابت کئے گئے ہیں۔ لہٰذا آیاتِ نفی اپنے مقام پر صحیح ہیں۔ اور آیاتِ ثبوت اپنی جگہ درست۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

پناہِ بلندی و پستی توئی!
ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی!

شیخ سعدی کریما میں فرماتے ہیں۔

ندا ریم غیر از تو فریاد رس!
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس!

یہی شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔

ہر کہ فریاد رسِ روز مصیبت خواہد ، گو در ایام سلامت بجوانمردی کوش

لہٰذا امداد انبیاء اولیاء بالکل برحق ہے اور ان جیسی آیات کے خلاف نہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

وعظ نمبر ۵۳

علم دین کا بیان

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ہ

اللہ تعالٰی نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو علم دین سیکھنے اور سیکھ کر لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ بقدر ضرورت ہر مسلمان کو علم دین سیکھنا فرض ہے۔ روزے۔ نماز کے مسائل ہر مسلمان سیکھے۔ تجارت کے مسائل تاجر لوگ سیکھیں۔ پاکی پلیدی کے مسائل عورتوں پر سیکھنا فرض ہے۔ غرض جس مسلمان کو جو ضروریات پیش آتی ہیں۔ ان کے مسائل سیکھنا ان پر فرض عین ہے۔ اور پورا عالم دین بننا فرض کفایہ کہ بستی میں ایک نے ادا کر دیا۔ سب بری الذمہ ہو گئے۔ ورنہ سب گنہگار۔

علم دین کا سیکھنا دیگر فرائض سے زیادہ اہم فریضہ ہے۔ کیونکہ سارے اعمال اور عبادات علم کے ذریعہ سے ہی ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک

عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ عالم کی زندگی کے لئے جانور حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔ کیونکہ دنیا کا بقا دین کے بقا سے ہے۔ اور دین کا بقا علماء دین کی زندگی سے ہے۔

اس آیت میں اس جانب اشارہ ہے۔ کہ مسلمان دینی مدرسے قائم کریں۔ جس میں طالب علم دین سیکھیں۔ عالم دین بن کر تبلیغ کریں۔

حدیث شریف میں ہے۔ تین نیکیاں صدقہ جاریہ ہیں جن کا ثواب مسلمان کو مرے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

۱۔ نیک اولاد جو مرے بعد ماں باپ کو دعاء خیر سے یاد کرے۔ اور نیک اعمال کرتی رہے۔

۲۔ مسجد۔ کنواں وغیرہ رفاہ عام کی چیزیں۔ جن سے خلقت فائدہ اٹھاتی رہے۔ اور اُسے مرے بعد ثواب پہنچتا رہے۔

۳۔ علمی فیض۔ جیسے دینی کتاب لکھ جائے۔ دینی مدرسہ قائم کر جائے۔ کسی کو اپنے پیسے یا محنت سے عالم دین بنا جائے۔ جب تک کہ اس کا یہ علمی فیض جاری رہے گا۔ تب تک قبر میں اُسے ثواب پہنچتا رہے گا۔ مگر ان تینوں میں علم دین کا فیض بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ایک عالم دین قیامت میں اپنی سات پشتوں کو بخشوائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دینی مدرسے اور دینی خدمات بہت بڑے صدقہ جاریہ ہیں۔ اسی لئے اسلامی بادشاہوں نے گذشتہ زمانوں میں دینی مدارس بہت قائم کئے۔ اور دینی کتابیں بہت لکھوائیں۔ اور پھیلائیں۔ چنانچہ نظام الملک کا مدرسہ نظامیہ جو بغداد میں تھا۔ اسی کا فیضان اب تک دنیا میں موجود ہے۔ امام فخرالدین رازی۔ امام غزالی۔ شیخ سعدی شیرازی حتیٰ کہ حضور غوث الثقلین محی الدین سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہم جیسے علماء و مشائخ

وہیں فارغ التحصیل ہوئے۔

سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں بڑے بڑے کفر کے اڈوں میں شاندار مسجدیں بنائیں۔ وہاں انہوں نے مشہور فتاویٰ عالمگیری لکھوا کر مسلمانوں کو دیا۔ جس سے آج تک عرب وعجم کے مسلمان فائدے اٹھا رہے ہیں۔ اور انہیں قبر میں ثواب پہنچ رہا ہے۔

اب میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دینی مدرسہ کسے کہتے ہیں۔ جس کا اتنا ثواب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جہاں عربی پڑھائی جائے۔ وہ دینی مدرسہ ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ جہاں قرآن وحدیث سکھایا جائے۔ وہ دینی مدرسہ ہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں۔ بعض نے گمان کیا کہ جہاں فقہ۔ اصول۔ منطق۔ صرف ونحو وغیرہ سکھائے جائیں۔ وہ دینی مدرسہ ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔ اب آپ حیرت میں ہوں گے کہ آخر دینی مدرسہ ہے کیا چیز۔ دوستو۔ دینی مدرسہ وہ جہاں دین سکھایا جائے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ فقط کتابیں پڑھ لینا۔ فقط علم سیکھ لینا اور ہے اور دین سیکھنا کچھ اور ہے۔ اور دین اس ہی مدرسے میں سکھایا جا سکتا ہے۔ جہاں کے مدرس عالم دین ہوں۔ اُن کے پاس قرآن وحدیث پڑھنے سے دین ملے گا۔ بے دین عالم کے پاس یہی سب کچھ پڑھیں گے مگر بے دینی ملے گی۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

دین مجو اندر کتب اے بے خبر ٭ علم وحکمت از کتب دیں از نظر
نہ کتابوں سے نہ کالج کے اثر سے پیدا ٭ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اگر قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ بے دین عالم سے پڑھیں گے۔ تو کتابیں اگرچہ دین کی

ہوں گی مگر پڑھنے والے کو بے دینی ہی ملے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالم دین کون ہے۔ ہم تو ہر قال قال پڑھنے والے کو عالم دین سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے یاد رکھو کہ عالم دین وہ جسے اللہ تعالیٰ ذوق عطا فرمائے۔ یعنی اس کی زبان پر ہو اللہ رسول کا فرمان اور اس کے دل میں ہو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان۔ جہاں فرمان اور فیضان جمع ہیں۔ وہی عالم دین ہے۔ اگر دل فیضان سے خالی ہے تو اس کی زبان پر ہوگا۔ قال قال مگر دل ہوگا کالا کالا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے فقط قرآن نہ بھیجا۔ بلکہ قرآن کے ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے حضور کا فیضان بھیجا کر ارشاد فرمایا۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ٥

دیکھو رب نے اپنے محبوب کے تین کام بیان کئے۔ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانا۔ ان کے دل اور روح پاک کرنا۔ پھر قرآن و حکمت یعنی حدیث سکھانا فرمان کا ذکر ہے سنانے اور سکھانے میں اور فیضان کا ذکر ہے۔ یُزَكِّیْهِمْ میں۔

اگر فقط قرآن کے ترجمے جاننے کا نام علم دین ہوتا۔ تو ابوجہل وابولہب وغیرہ کفار بڑے عالم دین ہوتے۔ کیونکہ وہ ترجمہ قرآن خوب جانتے تھے۔ شیطان کو اللہ رسول کے سارے فرمانوں کا بلکہ ہر حرام و حلال۔ نیکی بدی کا مکمل علم ہے۔ اسی لئے تو وہ نیکی کو روکتا ہے اور گناہ کراتا ہے۔ اگر اسے خود ہی خبر نہ ہو کہ نیکی کیا اور گناہ کیا تو لوگوں کو گمراہ کیسے کرے۔ کیا اس علم کی بنا پر آپ شیطان کو عالم دین کہہ دیں گے۔ ؟ ہرگز نہیں۔ کیوں ؟ صرف اسلئے کہ وہ فیضان سے خالی ہے۔ فقیر کی یہ پہچان یاد رکھو کہ عالم دین وہ ہے جو فرمان اور فیضان کا جامع ہو۔ فرمان بجلی کی فٹنگ ہے۔ فیضان اس کی پاور۔ فرمان فرسٹ کلاس کے ڈبے

کی زیب وزینت ہے۔ اور فیضان انجن سے تعلق۔ بغیر پاور فٹنگ بیکار۔ اور بغیر انجن سے ملے ہوئے فسٹ کلاس کا ڈبہ بے کار۔ یونہی بغیر فیضان کا جان لینا بیکار۔

عالم کی مثال ریڈیو کی پیٹی کی سی ہے اس کی سوئی ذرا سی جنبش سے کہیں سے کہیں کا تعلق کر دیتی ہے۔ ذرا سوئی کو حرکت دی تو تعلق اس کا روس سے ہوگیا۔ اور وہاں کی آوازیں آنے لگیں۔ ذرا اور ہلا دیا تو اس کا تعلق امریکہ یا لندن سے ہوگیا۔ پھر وہاں کی آوازیں آنے لگیں۔ ذرا سی جنبش دی تو اس کا کنکشن کراچی یا دہلی سے ہوگیا۔ اب باتیں ہی کچھ اور ہیں۔ گانا ہی اور۔

یونہی اگر عالم کے دل کی سوئی ابلیس کی طرف ہوگئی تو اگرچہ اس کے سامنے حدیث وقرآن ہوگا۔ مگر اس کی زبان پر شیطان بولے گا۔ اور خدا کرے اگر دل کی سوئی مدینہ پاک کی طرف ہوگئی تو سامنے ہوگا۔ قرآن اور زبان پر بولے گا رحمان۔ وہ حدیث قدسی صادق آگئی کہ میں اپنے بندے کی زبان ہوجاتا ہوں۔ جس سے بولتا ہے۔ خدا نہ کرے جب عالم کی زبان پر شیطان بولنے لگتا ہے۔ تو قرآن وحدیث سے وہ ایسے ایسے کفریات ثابت کرنے لگتا ہے کہ شیطان بھی اس سے پناہ مانگ جائے۔

کانپور کے ایک بے دین نے ایک بار کہا تھا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ خالق ایک نہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ اور اس نے آیت پیش کی تھی۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اور وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ہ اور بولا کہ خدا میں خیر وشر ساری صفتیں موجود ہیں۔ یعنی وہ خوبیوں والا بھی ہے۔ اور عیب دار بھی دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ اور فرماتا ہے۔ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ہ یعنی رب تعالٰے میں مکر و فریب سب کچھ ہے۔ اور بولا سارے نبی مشرک اور گنہگار تھے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ۔

ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج کو فرمایا ھٰذَا رَبِّی ۔رب نے حضرت آدم وحوا کے بارے میں فرمایا کہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ ۔ ان دونوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا۔یوسف علیہ السلام نے اجنبی عورت زلیخا پر بڑے ارادے سے دست اندازی کی۔رب فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔

فقیر نے اس مرتد کے جواب میں کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء لکھی۔جس کی وجہ سے اللہ نے اُسے ذلیل کیا۔اور اس نے اپنی تالیفات کا سلسلہ بند کر دیا۔اللہ شوق دے تو وہ کتاب ضرور پڑھو۔یہ ہے بے فیضان عالم کا حال۔دیکھو۔اس کے سامنے تو ہے قرآن اور زبان پر ہے شیطان آج ان بے فیض عالموں کی نحوست سے مسلمانوں میں اتنے فرقے بن گئے۔

اور اگر عالم کے دل میں فیضان ربانی کے چشمے جاری ہوں۔تو اسی قرآن و حدیث سے وہ ایسے ایسے موتی نکالتا ہے۔جس سے ایمان منور ہو جائے۔ فقیر نے اردو زبان میں تفسیر نور العرفان تالیف کی عربی زبان میں بخاری شریف کا حاشیہ نعیم الباری لکھا۔ان میں سے دو آیتوں اور دو حدیثوں سے نکالے ہوئے ایمانی موتی دکھاتا ہوں۔ سنئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ان میں اپنا کوئی کمال نہیں۔کمال اس فیضان والے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے۔اور صدقہ میرے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کا۔

آیت ۱ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ وفات بیان فرمایا ہے۔واقعہ یہ ہوا کہ آپ جنات سے مسجد بیت المقدس تعمیر کر رہے تھے۔ابھی تعمیر کا کچھ کام

باقی تھا۔ کہ آپ کا وقت آ پہنچا۔ ملک الموت نے قبض روح کی آپ سے اجازت مانگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی عذر نہیں۔ صرف مسجد کی تعمیر باقی ہے۔ میری وفات کے بعد جنات سب بھاگ جائیں گے۔ اور کام باقی رہ جائے گا رب نے فرمایا۔ کہ آپ بے فکر آئیں ہم مسجد کی تکمیل کرا لیں گے۔ چنانچہ حکم ہوا کہ آپ لاٹھی کی ٹیک پر کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ دیں۔ چنانچہ آپ نے اس پر عمل کیا۔ اسی حالت میں آپ کی جان نکال لی گئی۔ آپ لاٹھی کے سہارے بعد وفات اسی طرح چھ مہینے یا ایک سال کھڑے رہے۔ کہ جنات آپ کو زندہ سمجھ کر مسجد کی تعمیر میں لگے رہے۔ جب لاٹھی کی جڑ دیمک نے کھا لی۔ لاٹھی گری۔ جس کی وجہ سے آپ کا جسم شریف بھی زمین پر آ رہا۔ تب جنات کو پتہ لگا۔ کہ آپ عرصے سے وفات پا چکے ہیں۔ اور وہ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس دوران میں بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ اس آیت میں وہ واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اب ذرا اس کے ایمانی اور عرفانی فائدے سنو۔

ملا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کے جسم بعد وفات پھولنے پھٹنے اور بگڑنے سے محفوظ ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام بعد وفات عرصہ دراز تک کھڑے رہے۔ مگر جسم اطہر میں کوئی تبدیلی واقعہ نہ ہوئی۔ ورنہ جنات کو پتہ چل جاتا اور بھاگ جاتے۔

ملا محبوبان خدا کے کپڑے بھی ان کی وفات کے بعد پھٹنے میلے ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ دیکھو اگر آپ کے کپڑے گل جاتے یا میلے ہو جاتے تو بھی جنات آپ کی موت کو بھانپ لیتے۔

ملا محبوبان خدا کی ذات سے ان کی وفات کے بعد بھی دنیا میں فیضان جاری رہتا ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی ان کے ذریعے تعمیر مسجد ہو رہی

ہے۔ آج ہمارے حضور کے دم قدم سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔

ملا پیغمبر کے جسم کو اُن کی وفات کے بعد کیڑا نہیں کھاتا۔ دیکھو دیمک نے آپکی لاٹھی کھائی۔ مگر آپ کا قدم شریف جو قریباً وہاں ہی تھا نہ کھایا۔ وہ پہچانتی تھی۔ کہ نبی کا قدم ہے۔ لہذا نہ تو یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا سکتا تھا۔ اور نہ ایوب علیہ السلام کے جسم پاک کو کیڑے۔ یعقوب علیہ السلام نے جو فرمایا تھا۔ کہ میں ڈرتا ہوں کہ یوسف کو بھیڑیا کھا جائے گا۔ وہاں بھیڑیے سے کچھ اور ہی مراد ہے۔ اور ایوب علیہ السلام کو جسم شریف میں کیڑے پڑ جانے کا یا تو واقعہ ہی غلط ہے۔ یا رب نے اُن کی خوراک کا کوئی اور ہی انتظام کیا تھا۔ یا اگر اُن کا جسم شریف ہی کھایا۔ تو یہ رب کی طرف سے ابتلا تھا۔

ھ یہ کہ دینی ضرورت کی بنا پر پیغمبر کے کفن دفن میں دیر لگانی جائز ہے دیکھو تکمیل مسجد کے لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سال تک بے گور و کفن رکھا۔ تو اگر صحابہ کرام نے تکمیل خلافت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں دو دن کی دیر لگائی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ درست ہے کہ حدیث شریف میں دفن میت کی جلدی کا حکم دیا۔ مگر اس حکم سے انبیاء کرام علیحدہ ہیں۔ کیونکہ ان کے اجسام کے پھولنے پھٹنے کا خطرہ نہیں۔

ملا یہ کہ ہماری موت اور نبیوں کی وفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہماری موت بے اختیاری ہوتی ہے۔ اُن کی وفات ان کے اختیار اور خوشی سے۔ رب تعالےٰ انہیں ہر طرف سے مطمئن کر کے بلاتا ہے۔

ے یہ کہ ہارٹ فیل سے مرنا غافلوں کے لئے عذاب ہے کہ انہیں توبہ وغیرہ کا وقت نہیں ملتا۔ مگر اللہ کے پیارے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ کہ وہ بیماریوں کی مصیبت سے

بچ جاتے ہیں۔ دیکھو سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہی ہوئی مگر اُن کے لئے رحمت تھی۔ لہٰذا وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اچانک موت عذاب ہے۔ وہ غافلوں کے لئے ہے۔

دوسری آیت۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ فتح مکہ کے برکات بیان فرمارہا ہے۔ کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فتح مکہ کی برکت سے فوج در فوج لوگوں کو دین میں داخل ہوتے اور ایمان لاتے ہوئے دیکھ لیا۔

اس آیت سے حسب ذیل ایمانی فائدے حاصل ہوئے۔

۱ صحابہ کرام کی تعداد چار پانچ یا چھ سات نہیں۔ بلکہ بہت زیادہ ہے کہ رب نے انہیں فوجیں فرمایا۔ چھ سات آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوا کرتیں۔ جو کہے کہ حضور پر سچے دل سے چھ سات آدمی ہی ایمان لائے۔ باقی نے منافقت سے کلمہ پڑھا تھا۔ یا بعد میں سب اسلام سے پھر گئے تھے۔ وہ اس آیت کریمہ کی مخالفت کرتا ہے۔

۲ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان قبول ہوا۔ لہٰذا۔ ابو سفیانؓ۔ امیر معاویہؓ۔ عکرمہؓ ابن ابو جہل۔ ہندہ وغیرہ سب سچے مومن تھے۔ کیوں کہ انہیں رب نے بھی دین میں داخل ہو جانے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اب جو کہے کہ ابو سفیان وغیرہ لالچ یا ڈر سے ایمان لائے وہ اس آیت کا مخالف ہے۔

۳ کہ اس دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مسلمان حضور کے زمانے میں یا بعد میں اسلام سے نہیں پھرا۔ کیوں کہ ان کا دین میں آنا قرآن شریف کی صریح آیت سے ثابت ہے۔ مگر دین سے نکل جانا نہ قرآن سے ثابت نہ حدیث شریف سے۔

اور نہ کسی معتبر تاریخ سے۔ یونہی غلط سلط من گھڑت جھوٹے قصّوں سے بعض لوگ لے اڑے ہیں۔ جس چیز کا ثبوت قرآن کی صریح آیت سے ہوا۔ اس کے انکار کے لئے صریح آیت ہی پیش ہونی چاہیئے۔ اُن کا دین میں آنا تو قرآن نے بتایا۔ بتاؤ دین سے نکلنے کی کونسی آیت ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ علام الغیوب ہے۔ اگر یہ لوگ آگے چل کر دین سے پھسل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ اس شدومد سے ان کی تعریف نہ کرتا۔ بلکہ فرماتا کہ اے حبیب ان کے کلمے سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ مرتدین کی جماعت ہے۔ جیسے سورۃ منافقون میں کیا گیا۔

خیال رہے کہ انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ یونہی سارے صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ ان میں سے تین سو تیراں رسول ہیں۔ صحابہ میں اصحاب بدر ۳۱۳ پھر ان میں چار مرسل ہیں۔ یونہی صحابہ میں چار خلفاء راشدین۔

یہ تو آپ نے قرآن شریف کے نکات سُنے اب ذرا حدیث رسول اللہ کی پیروی کرلو۔ اور اس باغ کے پھل پھول سے فائدہ بھی اٹھالو۔ ایک مختصر سی حدیث شریف ہے۔ کہ اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس حدیث سے فقیر نے اپنی کتاب نعیم الباری شرح بخاری میں حسب ذیل ایمانی فائدے حاصل کئے۔

ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نرالے محبوب ہیں۔ کہ ان کے چاہنے والے صرف انسان ہی نہیں بلکہ بے عقل جانور اور بے جان پتھر بھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ جس انسان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق نہ ہو۔ وہ پتھر سے بدتر ہے۔ کہ پتھر تو حضور پر فدا ہوں۔ اور یہ نہ ہوں۔

تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ایسا علم غیب بخشا کہ آپ پتھر کے

دل کا حال بھی جانتے ہیں۔ تو ان سرکار کو اپنے عشاق انسانوں کے دلوں کا پتہ کیوں نہ ہوگا۔ دیکھو پتھر جو بول بھی نہیں سکتا۔ اس کے دل کا حال سرکار بتا رہے ہیں۔ جو کہے کہ حضور کو ہمارے دلوں کا بھید نہیں معلوم وہ حدیث کا منکر ہے۔

چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شیخی بگھارنے اور جتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہم آپ کے چاہنے والے یا عاشق ہیں۔ انہیں بغیر بتائے ہی تمہاری پیدائش سے پہلے تمہارے ہر حال کا پتہ ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔

بلکہ قبل از زادن تو سالہا
ہم چنیں داند بچندیں حالہا!

حکایت۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک حافظ ایک نعتیہ قصیدہ لکھ کر سنانے لائے۔ جس میں اس قسم کے اشعار تھے یا رسول اللہ میں آپ کے فراق میں دن رات روتا ہوں۔ رات کی نیند اڑ گئی۔ کھانا، پینا چھوٹ گیا۔ وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت نے سن کر فرمایا۔ کہ حافظ صاحب اگر واقعی حضور کے عشق میں آپ کا یہ حال ہے۔

تو آپ اولیاء کاملین میں سے ہیں۔ اور اگر آپ کا یہ حال نہیں تو یہ سارا کلام جھوٹ ہے۔ اور جھوٹ بھی انکی بارگاہ میں جنہیں پتھروں اور جانوروں کے دل کا حال معلوم ہے۔

شعر ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ◆ ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شتران ناشاد! ◆ شکوہ رنج و عنا کرتے ہیں

پانچویں یہ کہ حضور کی محبت کا نتیجہ سرکار کی محبوبیت ہے۔ یعنی تم انہیں جتنا چاہو گے

اتنا ہی وہ تمہیں چاہیں گے ۔ ساری عبادات کا بدلہ جنت ۔ مگر عشقِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ حضور کی محبوبیت ہے ۔ کہ فرمایا کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے تو ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں ۔ اور جو حضور کا محبوب ہو گیا ۔ وہ رب کا محبوب بن گیا ۔ رب فرماتا ہے ۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔

اگر کوئی شخص جاننا چاہتا ہے کہ مجھ سے حضور محبت کرتے ہیں یا نہیں ۔ وہ اپنے دل پر غور کرے ۔ مجھے حضور سے محبت ہے یا نہیں ایک اور حدیث سنیئے ۔ اور اس کے فوائد معلوم کر کے ایمان تازہ کیجئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ اس طرح تشریف لے جا رہے ہیں ۔ کہ آپ خچر پر سوار ہیں ۔ اور صحابہ کرام آس پاس چل رہے ۔ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ تاروں کے جھرمٹ میں چاند جگمگا رہا ہے ۔ اچانک آپ کا خچر دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا ۔ حضور اتر پڑے اور فرمایا ۔ کہ یہاں دو قبریں ہیں ۔ جن میں عذاب ہو رہا ہے ۔ ہمارے خچر نے عذاب دیکھا ہے ۔ بدھک گیا ۔ انہیں عذاب بھی معمولی بات پر ہو رہا ہے ۔ ان میں سے ایک چرواہا تھا ۔ جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے بچتا نہ تھا ۔ اور دوسرا چغلخور تھا ۔ کہ چغلی کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیتا تھا ۔ پھر فرمایا کہ پیشاب سے بچو ۔ کیونکہ عموماً عذاب قبر اس سے ہوتا ہے یہ فرما کر ایک کھجور کی تر شاخ لی ۔ جس کے دو ٹکڑے کر کے ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا ۔ اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی ۔ ان کے ذکر اللہ کی برکت سے میتوں کے عذاب میں تخفیف ہو گی ۔ حدیث ختم ہوئی ۔ اب اس حدیث کے فائدے سنو ۔

ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں بن سکتی ۔ کہ آپ نے قبر کے اوپر سے قبر کے اندر کے حالات دیکھ لئے ۔

دوسرے یہ کہ جس جانور پر سرکار قدم رکھیں ۔ اس کی آنکھوں سے بھی حجاب اٹھا دیئے

جاتے ہیں۔ جس ولی کے سر پر حضور کا ہاتھ ہو اس پر سب غائب و حاضر کیوں نہ ظاہر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ حضور ہر شخص کے ظاہری اور اندرونی اعمال سے خبردار ہیں۔ دیکھو یہ دونوں چغلیاں کھانا اور چھینٹوں سے پرہیز نا کرنا ایک خفیہ عمل تھا۔ مگر حضور کی آنکھیں ان اعمال کو دیکھ رہی تھیں۔

چوتھے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بیماریوں سے بھی واقف ہیں اور ان کا علاج بھی جانتے ہیں۔ کہ فرمایا سبزے کی تسبیح سے ان کا عذاب ہلکا ہو گا۔

پانچویں یہ کہ قبر پر تر شاخیں۔ سبزہ اور پھول ڈالنا بہت ہی برکت کا باعث ہے کہ ان کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

بزرگوں کے مزارات پر ہار۔ پھول ڈالنے کی یہ حدیث اصل ہے۔

چھٹے یہ کہ اگرچہ ہر چیز رب کی تسبیح پڑھتی ہے۔ مگر تسبیحوں کی تاثیریں مختلف ہیں دیکھو مٹی کے ذرے۔ قبر کے تختے سبھی تسبیح پڑھتے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ مگر عذاب کا ہلکا ہونا سبزے کی تسبیح سے ہو گا۔ یونہی بے دین بھی قرآن و حدیث پڑھ لیتے ہیں مگر فائدہ اس کے پڑھنے سے ہو گا۔ جس کے دل و زبان میں ایمان کی تری ہو۔ قرآن ایک ہے مگر زبانوں کی تاثیریں مختلف۔

ساتویں یہ کہ قبر پر حافظ بٹھانا۔ وہاں تلاوت قرآن شریف کرنا بہت بہتر ہے۔ کہ جب سبزے کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تو مومن کی تلاوتِ قرآن سے انشاءاللہ ضرور فائدہ ہو گا۔

آٹھویں یہ کہ پیشاب کی چھینٹیں سخت وبال کا باعث ہیں۔ عام طور پر عورتیں اس کی کما حقہٗ احتیاط نہیں کرتیں۔ بچے ان پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ وہ پرواہ نہیں کرتیں۔ اس حدیث سے

وہ عبرت پکڑیں۔

نویں یہ کہ حلال جانوروں کا بھی پیشاب ناپاک۔ دیکھو اونٹ حلال ہے۔ مگر اس کے پیشاب کی چھینٹیں عذابِ قبر کا سبب بنیں۔

لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔ غرض کہ فقیر نے بافیض اور بے فیض عالموں کا فرق دکھایا۔ بے فیض علم حجاب اکبر ہے۔

رب فرماتا ہے۔ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔ شیطان کا علم بے فیض تھا۔ اس کی مردودیت کا باعث ہوا۔ اور فیضان والا علم معرفت الٰہی کا ذریعہ سنیئے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں

چو شمع از پئے علم باید گداخت

بے علم نتواں خدا را شناخت!

بمقابلہ جاہل کے عالم کو شیطان زیادہ بہکاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ ایک عالم کے بگڑنے سے سارا عالم بگڑ جاتا ہے۔ اس عالم نے ہی فیضان کو سنبھالنا ہے۔ حضرت شیخ سید محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد پڑھ رہے ہیں۔ کہ اچانک سارے میں روشنی پھیل گئی۔ آپ نے سلام پھیر کر چو طرف دیکھا۔ اوپر نگاہ ہوگئی تو ملاحظہ فرمایا کہ ایک حسین شخص نہایت چمکدار تاج اوڑھے ہوئے جڑاؤ تخت پر بیٹھا ہے۔ تخت ہوا میں معلق ہے۔ اس کے تاج کے موتیوں کی چمک سے روشنی پھیل رہی ہے۔ وہ بولا۔ اے میرے بندے عبد القادر۔ میں ہوں تیرا رب۔ تیری ساری ریاضتیں میں نے سب قبول فرمالیں۔ اس کے انعام میں اب تجھ پر ساری عبادتیں معاف ہیں۔ بقیہ زندگی آرام سے گذار۔ جنتی ہو چکا۔

اس نازک موقعہ پر اگر کوئی جاہل ہوتا تو خوشی سے پھول جاتا۔ اور لوگوں میں اپنی مقبولیت کے خطبے پڑھتا۔ مگر حضور غوث پاک کی فیضان نے دستگیری کی۔ فوراً خیال آیا کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام تجلی صفات کی تاب نہ لا سکے۔ جھلک دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ یہ کیسا رب ہے کہ جس کی ذات کو میں دیکھ رہا ہوں مجھے غنودگی بھی نہ آئی نیز صفاتی جھلک سے وہاں طور پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ یہ کیسا رب ہے۔ کہ اس کی تجلی سے اس مکان کی دیواریں بھی نہ گریں۔ نیز اس دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی شخص رب تعالےٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جب رب نے اپنے حبیب کو اپنا جمال دکھانا چاہا تو عرش کے اوپر لامکان میں لے جا کر اپنا دیدار دیا۔ یہ کیسا رب ہے جو اپنا دیدار مجھے یہیں دے رہا ہے۔

نیز نماز روزہ وغیرہ عبادتیں سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکز اولیاء۔ شاہ ولایت باب قطبیت و غوثیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جیتے جی معاف نہ ہوئیں۔ یہ کیسا رب ہے۔ جو مجھے۔ بالکل چھٹی دے رہا ہے۔

جب یہ چار باتیں ذہن میں آتے ہی آپ نے لاحول شریف پڑھی یہ لاحول پڑھتے ہی نہ وہ تخت رہا نہ وہ تاج پوش۔ سب غائب یعنی وہ شیطان اور اس کا سامان تھا۔ جاتے جاتے بولا۔ وَقَاكَ عِلْمُكَ يَا عَبْدَ الْقَادِرِ۔ یعنی اے عبدالقادر تجھے تیرے علم نے بچا لیا۔ ورنہ میں تو تجھے لے ہی گیا تھا۔ آپ ہنس کر بولے۔ مردود۔ محض علم نے نہیں بچایا۔ بلکہ وَقَانِیْ فَضْلُ رَبِّیْ۔ مجھے میرے رب کے فضل نے بچایا۔ دیکھو یہ ہے۔ فیضان والا علم۔ بہر حال دینی مدرسہ وہ جس میں پڑھانے والے دینی عالم ہوں۔ اور دینی عالم وہ جن کی زبان پر فرمان دِل میں فیضان ہو۔ ان کی صحبت پارس کی طرح گندے لوہے کو سونا بنا دیتی ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ دینی مدرسہ قائم کریں۔ دینی علماء کی خدمت اور صحبت کو غنیمت جانیں۔ اگر اللہ نے ایک سے زیادہ بیٹے دیئے ہیں تو کم از کم ایک کو عالم دین بنائیں۔

یہ خیال رکھیں کہ رزق اللہ ہے۔ اب بھی دیکھ لو علماء دین انگریزی والوں سے اچھے

کھاتے پیتے ہیں۔ خیال رکھو کہ جس قدر دین کی خدمت علماء اسلام نے کی دینی خدمت کسی دین کے عالموں نے اپنے مذہب کی نہ کی۔ دنیا بھر کے پنڈت ویدوں کی تفسیر تو کیا کرتے۔ ویدوں کو پھیلا بھی نہ سکے۔ جہان بھر کے پادری انجیل کی تفسیر کیا لکھتے۔ انجیل کی زبان یعنی عبرانی کو سنبھال نہ سکے۔ اپنے پیغمبروں کی مکمل سوانح عمری نہ لکھ سکے۔ یہودی۔ عیسائی۔ داؤدی مذہب کے علماء اپنا فقہ نہ بنا سکے۔ یہ خدمتیں تو علماء اسلام ہی کے حصے میں تھیں۔ کہ ان کی مختلف جماعتوں نے وہ وہ شاندار کام سرانجام دیئے کہ سبحان اللہ مفسرین۔ محدثین۔ فقہا۔ قاری۔ حافظ وغیرہ نے دین کو روشن کر دیا۔ حضور نے فرمایا تھا۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کا کام کر دکھائیں گے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کے فرمان کو سچ کر دکھایا۔

باوجودیکہ حکومت ان کی سرپرستی نہیں کرتی۔ قوم قدردان نہیں ان کے لئے کوئی دنیاوی سامان نہیں۔ مگر یہ دیوانے انہیں مسجدوں میں ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں میں بیٹھ کر تنگی ترشی اٹھاتے ہوئے۔ ہر طرح کے جاہلوں سے طعن و تشنیع سنتے ہوئے دینی خدمت کیئے جا رہے ہیں۔ جو جس کے مقدر میں ہے۔ دین کی خدمت کرے۔ ورنہ دین تو قائم رہے گا ہی۔

شعر

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک!
میں نبی کس کو بناؤں جو غلام ہو جاؤ!
خوبیاں سارے زمانے کی زمانے کو ملیں
میری تقدیر میں اللہ کرے تم ہو جاؤ!

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ o بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ o

وعظ نمبر ۵۴

اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوشیاں منانے کا حکم

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

ترجمہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں منائیں۔ یہ ان کے جمع کئے ہوئے مال سے بہتر ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوشیاں منانے کا حکم دیا۔ اسلام نہایت جامع اور مکمل دین ہے۔ اس نے ہم کو صرف عبادات۔ یعنی۔ نماز روزے ہی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے پر نظر رکھی۔ کسی شعبے کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ انسانی زندگی میں خوشی کے موقع بھی آتے ہیں۔ اور غم کے بھی۔ دوسرے لوگ غم میں خدا کا بھول جاتے ہیں اور خوشی میں بھول جاتے ہیں۔ اسلام نے ان دقتوں میں بھی انسان کی دستگیری کی ہے۔ کہ اسے ان دونوں حالتوں میں سنبھالا اور بتایا ہے کہ غم کیسے کرو اور خوشیاں کیسے مناؤ۔

خوشی ایک تو فخر کی ہوتی ہے اور ایک رب کے شکر کی۔ فخر کی خوشی میں اپنے نفس پر نظر ہوتی ہے تکبر اور غرور ہوتا ہے۔ ناجائز حرکتیں ہوتی ہیں۔ یہ سخت بری ہے۔ اس کے متعلق رب فرماتا ہے۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ اور شکر کی خوشی میں رب پر نظر ہوتی ہے۔ انسان کا سر سجدے میں گرا ہوتا ہے حمد الٰہی کے ترانے گاتا ہے۔ یہ خوشی عبادت ہے۔ اسی خوشی کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ غرض کہ ممنوع خوشی اور ہے اور مامور خوشی کچھ اور۔

یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو خوشی کے بہت موقع دکھاتا ہے۔ اور ہم ہر موقعہ پر مختلف طریقے سے خوشیاں مناتے ہیں۔ بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرتے ہیں۔ یہ اس کی خوشی ہے۔ شادی کے موقعہ پر دعوت ولیمہ۔ یہ اس نعمت کی خوشی۔ غرضیکہ ہر نعمت کی خوشیاں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لیکن بعض خوشیاں شخصی ہوتی ہیں۔ جو ایک شخص کو مسرور کرتی ہیں۔ جیسے بیمار کی شفا۔ بعض خوشیاں خاندانی ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق پورے خاندان سے ہوتا ہے۔ جیسے بیٹے کی پیدائش یا شادی بعض خوشیاں پوری بستی کی ہوتی ہیں۔ بعض خوشیاں ایک صوبے کی۔ اور بعض خوشیاں ایک ملک کی۔

لیکن اس آسمان کے نیچے ایک خوشی ایسی بھی آئی۔ جو عام خوشی تھی۔ اور ساری مخلوق نے منائی۔ اور خود خالق بھی خوش ہوا۔ ایسی خوشی نہ اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی تھی۔ نہ اس کے بعد۔

مسلمانو! پتہ ہے کہ وہ خوشی کونسی تھی: وہ خوشی سید الاولین وآخرین امام المرسلین شفیع المذنبین رحمت اللعالمین۔ حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی تھی۔ جیسے حضور رحمت للعالمین ہیں۔ ویسے ہی آپ کی ولادت کی خوشی بھی سرور العالمین ہے۔

پھر خوشیوں کی عمریں مختلف ہیں۔ کوئی خوشی ایک ساعت کی ہوتی ہے۔ کوئی دن بھر کی۔ کوئی مہینے بھر کی۔ کوئی ایک سال کی۔ مگر یہ خوشی ہمیشہ سے منائی گئی۔ اور ہمیشہ تک منائی جائے گی۔

چنانچہ آدم علیہ السلام سے عیسےٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب حضور کی بشارتیں دیتے خوشیاں مناتے رہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی ولادت کی

دعائیں مانگیں۔ کہ عرض کیا۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔

عیسٰے علیہ السلام نے آپ کی پیدائش کی لوگوں کو خوشخبریاں سنائیں۔ کہ فرمایا مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ پھر کاہنوں نے آپ کی پیش گوئیاں کیں۔ اس زمانے کے اولیاء نے ڈنکے بجائے کہ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں۔ خوش ہو جاؤ۔ اور ولادت مبارکہ کے بعد سے لے کر آج تک ہر سال اس تاریخ پر خوشیاں منائی جاتی ہیں اور قیامت تک منائی جاتی رہیں گی۔ غرض کہ جیسے حضور کی نبوت کسی زمانے سے خاص نہیں ویسے ہی آپ کی ولادت کی خوشی زمانوں سے محدود نہیں۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ کی یہ خوشی اعلٰے درجے کی فرد ہے۔

سنتیں پانچ قسم کی ہیں۔ سنت المسلمین۔ یعنی وہ کام جو زمانہ رسالت اور صحابہ میں نہ تھا۔ مسلمانوں نے بعد میں ایجاد کیا۔ مگر سارے اولیاء علماء مشائخ اسے اچھا سمجھتے رہے اور کرتے رہے جیسے چھ کلمے۔ ایمان مجمل و مفصل۔ قرآن پاک کے تیس ۳۰ سپارے بنانا۔ خطبے میں خلفاء راشدین کا نام لینا۔

دوسری سنت صحابہؓ۔ جو صحابہؓ کرام کے زمانے میں ہوئیں جیسے قرآن کریم کا کتابی شکل میں جمع ہونا۔ بیس تراویح ہمیشہ با جماعت ہونا۔ اس میں ختم قرآن کرنا وغیرہ۔

تیسری سنت رسول اللہ۔ جیسے ساری سنتیں۔

چوتھی سنت انبیاء جیسے داڑھی رکھوانا۔ مونچھ کٹوانا۔

پانچویں سنت الٰہیہ۔ جیسے رحم و کرم۔ عدل و انصاف وغیرہ۔

میلاد شریف میں یہ پانچوں سنتیں جمع ہیں۔ یعنی سنت المسلمین بھی ہے۔ سنت صحابہؓ بھی۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

سنّت انبیاء بھی اور سنّت الٰہیہ بھی۔

میلاد شریف اور درود شریف کے سوا اور کوئی نیکی ایسی نہیں ۔جس میں یہ پانچ سنتیں جمع ہوں ۔چنانچہ ہمیشہ سے ہر جگہ کے مسلمان میلاد پڑھتے اور میلو مناتے ہیں۔ صحابہؓ کرام میلاد کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھتے تھے ۔اور کبھی کبھی کعب احبار کے پاس جاکر انہیں فرمائش کرتے تھے ۔کہ ہمیں توریت شریف کی وہ آئتیں سناؤ۔ جن میں حضور کی ولادت کی بشارتیں اور آپ کی نعتیں ہیں۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے منبر پر کھڑے ہوکر اپنا میلاد شریف پڑھا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے ۔کہ حضور نے منبر پر فرمایا کہ میں دعا خلیلؑ ہوں ۔بشارت مسیحؑ ہوں اپنی والدہ کا خواب ہوں ۔جو انہوں نے میری ولادت سے پہلا دیکھا تھا ۔کہ ان سے ایک نور نکل کر سارے جہان میں پھیل گیا ۔اور میں وہ نور ہوں ۔جو میری والدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا۔

سارے نبیوں نے اپنی قوموں کو حضور کا میلاد شریف سنایا چنانچہ انجیل برنباس شریف کے سولہویں باب میں ہے ۔

ایک بار حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے فصیح و بلیغ وعظ فرمایا کہ لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں دلوں میں امید و خوف کے دریا موجیں مارنے لگے ۔ایک عورت خوشی میں کھڑی ہوکر بولی کہ مبارک ہے وہ ماں جس کے پستان اے مسیح تو نے چوسے ۔مبارک ہے وہ گود جس میں اے روح اللہ تم کھیلے۔

آپ نے فرمایا کہ بے شک واقعی میری ماں بڑی مبارک ہے ۔مگر میری ماں سے بڑھ کر ایک اور ماں دنیا میں آنے والی ہے ۔جس کی گود میں نبیوں کا سردار رسولوں کا تاجدار

اللہ کا آخری پیغمبر کھیلے گا۔

اس عورت نے پوچھا کہ وہ کون ہوگا۔ اور اس کے اوصاف کیا ہوں گے۔ اس سوال پر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف۔ آپ کا حلیہ مبارکہ اور آپ کی ولادت پاک کے حالات بیان کئے۔ انجیل برنباس شریف میں دوسرے مقام پر ہے۔ کہ

ایک دفعہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے عجیب و غریب انداز میں حکیمانہ وعظ فرمایا۔ تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

اے مسیح کیا تو وہ ہی ہے جس کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اور جن کا غلغلہ دنیا میں مچا ہوا ہے۔ اور جن کے ڈنکے سے جہان کے کان آشنا ہو چکے۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہ نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ وہ تو میرے بعد آئے گا۔

تب کسی نے پوچھا۔ اس کا نام اور کام کیا ہوگا۔ اس پر حضرت مسیح روح اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے حتیٰ کہ فرمایا کہ ان کا نام محمد اور احمد ہوگا۔ اس سارے مجمع میں شور مچ گیا۔ اے محمد تو آجا۔ ہمیں اپنا جمال دکھا۔ غرضیکہ کہاں تک ذکر کیا جائے۔ حضور کا چرچہ۔ آپ کا میلاد شریف سارے نبیوں نے اپنی قوموں کو سنایا اور کیا۔ فرق اتنا ہے۔ کہ وہ فرماتے تھے۔ حضور آئیں گے۔ ہم کہتے ہیں۔ آ چکے۔ چیز ایک ہے صرف ماضی اور مستقبل کا فرق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت وصال قریب ہوا۔ تو آپ نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ جب کبھی تمہیں کوئی مصیبت درپیش ہو تو جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا۔ ان شاء اللہ مصیبت جلد دور ہوگی۔

آپ نے پوچھا۔ اباجان۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ فرمایا۔ کہ میری اولاد
میں سے ہوں گے۔ اور قریباً چھ ہزار برس کے بعد ہوں گے۔ اور ان کے یہ اوصاف ہونگے۔
اور فلاں جگہ اس طرح آپ کی پیدائش ہوگی۔ تب شیث علیہ السلام نے پوچھا۔
آپ نے کیسے پہچانا کہ ان کا نام حل مشکلات کے لئے اکسیر ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے
تجربے سے۔ میں نے خطاءً گندم کھالیا تھا۔ جس پر میں نادم ہوکر تین سو سال روتا اور توبہ
کرتا رہا۔ مگر رب کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار رب کی توفیق اور اسی کی مہربانی سے
مجھے خیال آیا۔ کہ میں نے آنکھ کھلتے ہی۔ عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ ایک اور نام بھی
لکھا ہوا دیکھا تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔
میں نے رب سے پوچھا تھا۔ کہ مولا یہ کس کا نام ہے۔ جسے تیرے نام کے ساتھ عرش
اعظم پر جگہ ملی۔ جواب ملا تھا۔ اے آدم۔ یہ ان کا نام ہے۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے
بظاہر یہ تمہارے نخل ہیں۔ مگر حقیقت میں تمہاری اصل۔
میں نے آج سوچا۔ کہ اسی نام پاک کی برکت سے توبہ اور معافی کی دعا کروں۔ چنانچہ اس
نام پاک کے توسل سے دعا کی۔ جو قبول ہوئی۔ اور مجھے معاف فرما کر اپنی خلافت سے عزت
بخشی۔ سو بیٹا میرا یہ دستور ہوگیا۔ کہ جو حاجت رب سے ہوتی۔ میں اس نام کی برکت سے
مانگتا۔ اور پوری ہوتی۔ تم بھی ہر حاجت پر اسی نام سے توسل کرنا۔
روح البیان شریف میں ہے۔ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت پر ساری
دنیا کی گشت کی۔ آپ کے ساتھ اس زمانے کے انبیاء علماء تھے۔ کنارہ تخت پر جنات کھڑے
تھے۔ تخت برابر اڑ رہا تھا ایک جگہ پہنچ کر آپ نے تخت کو نیچے اتارا اور تمام حاضرین کو حکم دیا۔
کہ یہ زمین پیدل چل کر طے کرو۔ سب نے حکم کی تعمیل کی۔ اس میدان سے نکل کر تخت پر سوار

ہو گئے۔ اور پرواز کرنے لگے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا۔ کہ اے اللہ کے نبی آپ نے یہ میدان پیدل کیوں طے کیا۔

آپ نے فرمایا اس کے ادب واحترام کی وجہ سے۔

پوچھا گیا۔ کیوں؟

فرمایا کہ ابھی یہ جنگل ہے ایک زمانہ آئے گا۔ یہاں پر آبادی ہو گی اس جگہ کا نام مدینہ منورہ ہوگا۔ اس میں اللہ کا آخری نبی اپنی زندگی کا آخری زمانہ بھی گذارے گا۔ اور یہاں دفن بھی ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ سرزمین زیارت گاہ خلق رہے گی۔

لوگوں نے پوچھا۔ کہ ان کا نام کیا ہوگا۔ اور ان کی صفات کیا۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ ان کا نام احمد بھی ہوگا۔ محمد بھی۔ اور حضور کے اوصاف تفصیل وار بیان کیے۔ کسی نے پوچھا۔ کہ ولادت پاک کب ہوگی۔ فرمایا اب سے قریباً ایک ہزار سال بعد۔

ان حاضرین میں ایک صاحب تھے۔ جن کا نام تبع تھا۔ وہ یہ حالات سن کر حضور کے غائبانہ عاشق ہو گئے۔ اور اسی میدان پاک میں آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ اس امید پر کہ شاید میری عمر وفا کرے اور میں ان کی زیارت کرسکوں۔ کیوں کہ اس زمانے میں انسانوں کی عمریں بہت لمبی تھیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

جیسے مکہ معظمہ قوم جرہم سے آباد ہوا۔ جو آب زمزم کی وجہ سے یہاں ٹھہر گئی تھی۔ ایسے ہی مدینہ منورہ قوم تبع سے آباد ہوا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ ملاقات میں یہاں آبسی تھی۔

معلوم ہُوا کہ مدینہ منورہ وہ پاک و مقدس بستی ہے جس کی آبادی ہی عشق پاک مصطفےٰ پر ہوئی۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے

شعر

غریبوں فقیروں کو ٹھہرانے والے

انشاء اللہ تا قیامت یہاں عاشقوں اور زائروں کے میلے لگے رہیں گے یہ سب انبیاء کرام کے واقعات بیان ہوئے۔ ان سے معلوم ہُوا کہ حضور کا میلاد پاک سنت انبیاء ہے۔

یہ میلاد پاک سنت الٰہیہ بھی ہے۔ سب سے پہلا میلاد عالم ارواح میں خود رب تعالےٰ نے پڑھا۔ جس میں پڑھنے والا پروردگار تھا۔ اور سننے والے سارے انبیاء اور فرشتے وغیرہ جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت میں ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ

پھر قرآن کریم میں رب تعالےٰ نے بہت سے مقامات پر حضور کی تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔ کہیں مسلمانوں سے خطاب کر کے۔ کہیں خود حضور انور کو مخاطب بنا کر۔ اور کہیں اپنی شان بیان کرتے ہوئے۔

چنانچہ فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ

کہیں فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔

کہیں فرمایا۔ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

کہیں فرمایا۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔

کہیں فرمایا۔ وَاَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ الخ

کہیں فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔

کہیں فرمایا۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا الخ۔

کہیں فرمایا۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ۔

کہیں فرمایا۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ الخ۔

کہیں فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا الخ

کہیں فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ

وغیرہ وغیرہ۔ کہ ساری آیات شریفہ میلاد پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آتیں ہیں۔ ان کے علاوہ میلاد شریف کی اور بھی بہت سی آئتیں ہیں۔ غرضیکہ قرآن کریم آیاتِ ولادت سے پُر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور کا میلاد شریف منانا سنّتِ الٰہیہ بھی ہے۔ اب فرشتوں کا بھی حال سنو۔ انہوں نے ہمارے حضور کا میلاد پاک کیسے منایا۔

روایات میں ہے۔

ربیع الاول کی بارہویں تاریخ ہے۔ دوشنبے کا دن ہے۔ صبح صادق کا وقت ہے۔ عبدالمطلب طواف کے لئے حرم شریف میں آگئے ہیں۔ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر میں اکیلی ہیں۔ کیوں کہ ساس کا۔ شوہر کا سایہ پہلے ہی سے اٹھ چکا ہے۔ سسر ہیں۔ تو طوافِ کعبہ میں مشغول۔ کہ اچانک علاماتِ ولادت ظاہر ہوئیں۔

ایسے وقت عموماً زچہ کو عورتوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ تنہائی سے گھبرائیں۔ خیال کیا کہ کاش اس وقت خاندان عبد مناف کی کچھ عورتیں میرے پاس ہوتیں مگر کس سے کہیں۔ اور کیسے بلائیں۔ نو عمر ہیں۔ شرم دامن گیر ہے۔ ایسے وقت میں ساسیں نندیں انتظام کرتی ہیں۔ جو یہاں پہلے ہی سے نہیں۔ اچانک دیکھا کہ نہایت حسینہ جمیلہ

عورتوں سے آپ کا گھر بھر گیا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کہ بیبیو۔ تم کون ہو۔ اور کہاں سے آئی ہو۔ اور کیوں آئی ہو۔

اُن میں سے ایک بولیں۔

کہ میں ام البشر زوجہ آدم علیہ السلام یعنی حوا۔ ہوں۔

دوسری نے کہا۔ کہ میں فرعون کی بیوی آسیہ ہوں۔

تیسری بولیں۔ عیسٰے علیہ السلام کی والدہ کنواری بتول مریم ہوں۔ اور باقی تمام بیبیاں حوران بہشتی ہیں۔ آج کونین کے دولہا۔ عالمین کے داتا۔ دوجگ کے سہارے۔ اللہ کے پیارے۔ غریبوں کے غم گسار۔ فقیروں کے ملجا وماویٰ حضور محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہے۔ ان کے استقبال اور آپ کی خدمت کے لئے۔ یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں سے آئے ہیں۔ اور اے آمنہؓ۔ تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ دروازے کے باہر نظر ڈالو۔ چہار طرف تاحدِ نظر فرشتوں کے میلے لگے ہوئے ہیں۔ آج سارا ورخانہ تمہارے گھر پر جمع ہے۔ قربان اس گھر کے آستانہ پاک کے اور صد قربان خوش نصیب حاضرین وزائرین کے جنہیں اس وقت کی حاضری نصیب ہوئی۔

شعر

گھر میں حوریں در پہ ملک ہیں
جن کی قطاریں تا بہ فلک ہیں

ابھی آمد پاک میں کچھ دیر ہے تو حاضرین میں کچھ اس طرح کے چرچے ہونے لگے۔ کہ غیبی آواز آئی۔ جس کو کسی شاعر نے اس طرح بیان کیا۔

آئی ندا کہ آمنہ جاگے تیرے نصیب ٭ آئیں گے تیری گود میں اللہ کے حبیب
شعر گودی میں تو کھلائے گی اُس اپنے لعل کو ٭ اللہ نے کیا ہبہ کامل جمال کو

پھر ان حاضرین میں کچھ اس طرح چرچے ہونے لگے۔

کہا حوروں نے یہ محبوب رب العالمین ہونگے ❊ فرشتوں نے کہا سرکار ختم المرسلین ہونگے
زمیں بولی کہ یہ اسرار قدرت کے امیں ہونگے ❊ فلک بولا کہ ان کے بعد پیغمبر نہیں ہونگے

مصرع ستارے چھپ چکے اب مہر انور آنے والا ہے!

شعر
مبارک ہو وہ شاہ پردے سے باہر آنے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پہ جانے والا ہے!

خیال رہے۔ کہ جیسے سورج نکلنے سے پہلے سارے جہان میں اس کی آمد کا خاموش اعلان ہو جاتا ہے۔ کوئی پکارتا نہیں۔ شور مچاتا نہیں۔ مگر دنیا کو پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ سورج نکلنے والا ہے۔ پہلے صبح کا ستارا نمودار ہوتا ہے۔ جو بزبانِ حال کہتا ہے۔ کہ لوگو ہوشیار ہو جاؤ۔ آفتاب نکلنے والا ہے۔ پھر مشرق کی جانب پوہ پھٹتی ہے۔ جو پھیل کر سارے آسمان کو بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ سارے تارے چھپ جاتے ہیں۔ اگر آسمان پر چاند ہو تو پھیکا ہو کر بے نور ہو جاتا ہے کہکشاں غائب ہوتی ہے ادھر زمین پر آذانیں ہونے لگتی ہیں۔ نماز فجر کے لئے مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ شاہ خاور کی آمد کے خاموش اعلانات ہیں۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی ساری دنیا میں آپ کی ولادت کے اعلانات ہو جاتے ہیں۔ تمام بتوں کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ آسمان نبوت کے سارے چاند تارے یعنی انبیاء کرام دامن نور میں چھپ جاتے ہیں۔ عیسٰے علیہ السلام صبح کے تارے کی طرح افق نبوت پر چمک کر آپ کی تشریف آوری کے مژدہ سنا جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں کاہن نجومی شور مچا دیتے ہیں۔ آخری نبی آنے والا ہے۔ دنیا بھر میں انقلاب برپا ہونے والا ہے۔ اہل کتاب کے علماء و احبار لوگوں کو ہوشیار کر

دیتے ہیں۔ لوگو سنبھل جاؤ۔ اللہ کی رحمت آرہی ہے۔ قصرِ نوشیرواں میں زلزلہ پڑجاتا ہے۔
جس سے اس محل کے چودہ کنگرے گرجاتے ہیں۔

اس زمانے کے نجومی اس کو خبر دیتے ہیں۔ کہ نبی آخرالزماں پیدا ہونے والے ہیں۔ تیرے اس تخت پر چودہ بادشاہ اور بیٹھیں گے۔ پھر تیرا ملک اور تخت وتاج اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ چنانچہ وہ عہد فاروقی تک ان چودہ کی تعداد پوری ہوگئی۔ اور آپ کے دورِ خلافت میں سارا ملک ایران مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ اور اب تک بفضلہٖ تعالےٰ مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔

اُدھر پارسیوں کا وہ آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے برابر آگ روشن تھی اچانک بجھ گیا۔ ان کے جوتشیوں نے خبر دی۔ کہ اللہ کا آخری نبی پیدا ہوگیا۔ کفر کی آگ بجھ گئی۔ ایمان کا پانی آگیا۔ دریا صعوہ جو عرصے سے نہایت آب وتاب سے بہ رہا تھا۔ ایک دم خشک ہو گیا۔ تین سال سے متواتر خشک سالی تھی۔ مگر یہاں وقت ولادت میں نہایت مفید بارشیں ہوئیں۔ جس سے تمام دنیا ہری بھری ہوگئی۔ گرانی گئی۔ ارزانی آئی۔ لوگوں کے پیٹ بھرے اور خلقت خوشحال ہوگئی۔

اس سال تمام روئے زمین پر لڑکی کہیں نہ پیدا ہوئی۔ ہر ایک کے لڑکا ہی ہوا۔

ولادت پاک سے کچھ دن پہلے ابرہہ بادشاہ نے ہاتھیوں کا لشکر کعبہ شریف کو ڈھانے کے لئے مکے پر چڑھائی کردی۔ عبدالمطلب نے آمنہ خاتون کے سامنے بیٹھ کر دعا کی کہ الٰہی اس دُرِّ یتیم کا صدقہ جو ابھی اپنی والدہ کے صدف شکم میں ہے اس آئی آفت کو ٹال دے۔ یہ دعا مانگنی تھی کہ ابابیل کا لشکر اُمنڈ آیا اور آناً فاناً لشکر فیل کو تباہ کردیا۔

اس تباہی سے کچھ پہلے عبدالمطلب کسی ضرورت سے ابرہہ سے ملنے گئے تو اس کے

سب سے بڑے ہاتھی محمود نے آپ کو سجدہ کیا۔ ولادت پاک کے وقت عبدالمطلب طواف کعبہ کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کعبہ بی بی آمنہ خاتون کے مکان کی طرف جھک گیا۔ اور وہ بزبان فصیح بولا۔ کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بتوں کی گندگی سے پاک کیا۔ خانہ کعبہ کے سارے بت اوندھے گر گئے۔

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی !
شعر
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام !

عبدالمطلب یہ سب کچھ دیکھ کر اور سن کر سمجھ گئے۔ کہ میرے گھر میں نبوت کا چاند چمک گیا۔ دوڑتے ہوئے گھر آئے۔ شفا بنت عبداللہ دروازے پر کھڑی تھیں۔ بولیں عبدالمطلب پوتا مبارک ہو۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ تم سے پہلے مجھے کعبہ کے درو دیوار بتا چکے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو چکے۔

ایام حمل شریف میں ہر مہینے کوئی نہ کوئی پیغمبر بی بی آمنہ کو خواب میں آکر بشارت دے جاتے اور کہہ جاتے کہ ان کا نام محمد رکھنا۔ کیونکہ ہمیشہ۔ ہر جگہ ان کے وصف واداکی تعریفیں ہوتی رہیں گی۔ ولادت پاک کی رات چرند پرند ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دیتے تھے۔ کہ خوش ہو جاؤ۔ یتیموں کا والی۔ بیواؤں کا حامی۔ گرتوں کو سنبھالنے والا آپہنچا۔ غرض کہ اس وقت ساری مخلوق کی خوشی تھی۔ ہاں ایک ابلیس تھا۔ جو غم وغصہ کے باعث غاروں پہاڑوں میں چھپتا۔ سر ٹکراتا پھرتا تھا۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ربیع الاول
شعر
سوا ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

قیامت تک ان دونوں کی پیروی کرنے والے دنیا میں رہیں گے چنانچہ عشاق اس

رات میں خوشیاں منا کر سنت ملائکہ پر عمل کرتے رہیں گے۔ بد باطن۔ حاسدین اس تاریخ اور اس مہینہ میں غم کرکے لوگوں کو اس خوشی سے روک کر طریقہ ابلیسی پر عامل رہیں گے۔ ان دونوں جماعتوں کی مثال بالکل ایسی ہے۔ کہ کسی بادشاہ کے گھر بیٹے کی خوشی ہے۔ اس کے نوکر چاکر۔ کامی وغیرہ سمجھیں کہ یہ موقعہ بادشاہ کی خوشی کا ہے۔ ہماری کمائی کا سیزن ہے۔ کچھ بہانہ کر لو۔ بہت کچھ پا جاؤ گے۔

درزی جوڑا بنا کر بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مالی نے پھولوں کے ہار و گجرے بنا کر پیش کرے۔ حجام کنگھا۔ آئینہ لے کر دربار میں پہنچے اور یہ لوگ عرض کریں۔ حضور ہمیں آج بڑی خوشی ہوئی۔ یہ گجرے اور ہار۔ جوڑا آئینہ۔ کنگھا۔ شہزادے کی خدمت میں نذر ہے۔ بادشاہ ان کا یہ اخلاص دیکھ کر جوش میں آجائے۔ اور انہیں اپنے حوصلے کے مطابق جاگیریں خلعتیں۔ اعزاز و اکرام بخش دے۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر سخی بادشاہ اور لوگ لانے والوں کے نذرانوں اور ان کی قیمت کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ اپنی شان۔ حوصلہ کے مطابق بخششیں کرتے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کی پشتیں پلتی رہتی ہیں۔ اور بادشاہ کے شہزادے کو دعائیں دیتی رہتی ہیں۔

اس موقع پر کوئی بد باطن۔ حاسد مقدس شکل بنا کر ان غلاموں کو اس حاضری۔ اظہار نیازمندی سے روکنے لگے۔ خبردار اس وقت شہزادے کے لئے جوڑا بنانا۔ ہار وغیرہ پیش کرنا حرام ہے تو اگر بادشاہ کو اس کا پتہ لگے۔ یقیناً بادشاہ ناراض ہوگا۔ اور کہے گا۔ کہ میری خوشی کا دن ہے۔ میرے خدام۔ نوکر چاکر خوشیاں منا رہے ہیں میں انہیں انعامات دے رہا ہوں۔ وہ لے رہے ہیں۔ تو جلنے والا کون۔

بھیجو اسے جیل خانہ میں۔ کرو اس کی تمام جائیداد ضبط۔

غرض کہ خوشی مناتے والے کچھ پا لیتے ہیں۔ اور جلنے والے کچھ کھو بیٹھتے ہیں یہی حال آج عاشقین اور حاسدین کا ہے۔

یہ مہینہ اور یہ دن کسی کو دینے آتا ہے۔ کسی سے چھیننے۔

رب ایسے بے ادبوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

مسلمانو۔ ان میں سے کسی کی نہ سنو۔ ربیع الاول میں خوب خوشیاں مناؤ۔ اس کی ہر تاریخ کو عید مناؤ۔ انشاء اللہ رب سے اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مانگو۔ سو پاؤ۔ اور یوں عرض کیا کرو۔

دان کر دو کچھ جشن ہے بھاری ٭ در پر کھڑے ہیں سارے بھیکاری

در پر کھڑے ہیں اپنے پرائے ٭ آپ کے دم سے آس لگائے

ہم تو پرانے کمین ہیں در کے ٭ نام لکھے ہیں پدر مادر کے!

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

میں کہنہ خانہ زاد ہوں صورت لکھی ہوئی
بندوں کنیزوں میں میرے مادر پدر کی ہے

یہ جلوس نکلنا۔ میلاد شریف کی مجلسیں کرنا۔ جھنڈیاں لگانا۔ خوشبوئیں ملنا۔ کپڑے بدلنا۔ کیا ہے؟ بھیک مانگنے کی ترکیب ہے۔

ایک عمل عرض کرتا ہوں۔ جو کوئی بارھویں ربیع الاول کی شب آخرات میں غسل کرکے کپڑے بدلے۔ خوشبو لگائے۔ نماز تہجد ادا کرے عین صبح صادق کے وقت قیام و سلام پیش کرے۔ جو جائز دعا مانگے قبول ہوگی۔ بہت مجرب ہے۔ اخلاص شرط ہے۔

انشاءاللہ اس کے عامل کو سال بھر کا ہر دن عید ہوگا۔ اور رات شب برات۔

مسلمانو۔ ایک بات اور سنو اور ایمان تازہ کرو۔ جو عجیب باتیں۔ نبی سے ظاہر ہوں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ اور جو ولی سے ظاہر ہوں۔ انہیں کرامت کہتے ہیں۔ اور جو عجائبات نبی سے ظہور نبوت سے پہلے صادر ہوں۔ انہیں ارہاص۔ ان تینوں کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ید بیضا عیسےٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں کوڑھیوں کو شفا دینا وغیرہ سب معجزات ہیں۔ بی بی مریم کا بے موسم پھل کھانا۔ آصف بن برخیا کا پل بھر میں تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آنا۔ اصحاب کہف کا ہزارہا سال سے سوتا رہنا کرامات اولیا ہیں۔

عیسےٰ علیہ السلام کا پیدا ہوتے ہی لوگوں سے کلام فرمانا۔ بوقت پیدائش حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے خشک کھجور کا ہرا بھرا ہو کر فوراً تروتازہ کھجوریں دینا۔ اور بی بی مریم کا انہیں کھا کر فوراً تندرست اور قوی ہو جانا اور اپنے فرزند کو پیدا ہوتے ہی شہر میں لے آنا یہ سب عیسےٰ علیہ السلام کے ارہاصات ہیں۔ ان تمام۔ معجزات۔ کرامات۔ ارہاصات کا تفصیلی ذکر قرآن میں صراحتاً موجود ہے۔ جب یہ سمجھ لیا۔ تو اب سمجھو۔

کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے حد بے عدد اور بے شمار۔ جن میں سے کچھ وہ ہیں۔ جو ولادت پاک سے پہلے ہیں۔ جو سیدنا عبداللہ نے یا بی بی آمنہ خاتون نے اور دیگر لوگوں نے آنکھوں سے دیکھے۔ کچھ وہ ہیں۔ جو بوقت ولادت ظاہر ہوئے۔ اور کچھ وہ ہیں۔ جو ولادت کے بعد سے ظہور نبوت مسلسل ظاہر ہوتے رہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جو بی بی آمنہ خاتون اور دائی حلیمہ یا رضاعی ملی کی گود میں ظاہر ہوئے۔

بعض وہ ہیں۔ جو دودھ چھوٹنے کے بعد بچپن شریف میں دیکھے جاتے رہے۔ اور بعض وہ ہیں۔ جو اس کے بعد سے تاظہور نبوت نمودار ہوتے رہے۔ میں کیا اور میری حقیقت کتنی جوان کو تفصیل وار بیان کر سکوں محض ثواب حاصل کرنے۔ ایمان تازہ کرنے اور حضور کے نعت خوانوں کی فہرست میں اپنا نام لکھانے کے لئے کچھ تبرکاً عرض کرتا ہوں۔ میرا ماخذ کتب تواریخ۔ خصوصاً مدارج النبوت۔ مواہب لدینہ شرح مواہب لاامام قسطلانی وغیرہ کتب معتبر ہیں۔

ایک دن حضرت وہب ابن عبد مناف یعنی حضرت آمنہ خاتون کے والد ماجد مکہ معظمہ سے باہر شکار کھیلنے گئے۔

دیکھا کہ کچھ فاصلے پر حضرت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بھی اسی جنگل میں شکار کھیل رہا ہے۔ اچانک کچھ لوگوں نے جو کہ ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ جناب عبداللہ کو گھیر لیا۔ اور ارادہ قتل سے حملہ آور ہوگئے جناب عبداللہ نے پوچھا مجھے کیوں مارتے ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ وہ بولے کہ بگاڑا تو کچھ نہیں۔ مگر تم نبی آخرالزمان کے والد ماجد ہو۔ تمہاری پیشانی میں نور محمدی جلوہ گر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں۔ تاکہ وہ نبی پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ جناب عبداللہ بولے کہ اگر اس نبی کی پیدائش کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہے۔ تو اُسے کیسے روک سکتے ہو۔ وہ بولے مناظرے کا وقت نہیں۔ یہ کہہ کر وہ حملہ آور ہوگئے۔

جناب عبداللہ نے ان کے وار روکے۔ حضرت وہب نے چاہا۔ کہ دوڑ کر ان کی امداد کو پہنچیں۔ مگر پاؤں ایک دم بھاری ہوگئے۔ چاہا کہ پتھر ہی اٹھا کر انہیں ماریں۔ مگر کوئی پتھر نظر نہ آیا۔ جو تھا وہ زمین میں جا ہوا تھا۔ چاہا کہ پکار کر ہی کہیں۔ کہ عبداللہ گھبرانا مت۔ میں آرہا ہوں۔ مگر محسوس ایسا ہوا کہ جیسے کسی نے گلا دبا لیا۔ چنانچہ ہر طرح مجبور ہو کر جناب عبداللہ کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ کیونکہ وہ آٹھ تھے۔ یہ اکیلے۔

کچھ دیر جناب عبداللہ نے ان کے وار نہایت بہادری سے روکے مگر کب تک رو کتے۔ کہ اچانک حضرت وہب کی آنکھوں نے دیکھا۔ کہ چار غیبی شخص سبز پوش نمودار ہوئے۔ جنہوں نے ان آٹھوں کو قتل کیا۔ اور جناب عبداللہ سے بولے۔ گھر کو جاؤ۔ آئندہ کبھی اس بے احتیاطی سے باہر نہ نکلا کرو۔

حضرت وہب نے جب یہ ماجرہ دیکھا تو گھر آکر اپنی بیوی سے بولے۔ آج میں نے جناب عبداللہ کی اس طرح حفاظت ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ کسی شاندار نور کا حامل ہے۔ ہماری لڑکی آمنہ بھی سیانی ہے۔ مناسب ہوگا۔ کہ اس کا عقد عبداللہ سے کر دیا جائے۔ تاکہ یہ سعادت ہمارے حصتہ میں بھی آئے۔

اُدھر حضرت عبدالمطلب کو بھی فکر تھی۔ کہ کوئی عالی نسب شریف۔ صالحہ لڑکی عبداللہ کے لئے ملے۔ چنانچہ نہایت خیر و خوبی کے ساتھ مطابق ملت ابراہیمی کے یہ نکاح ہوا۔

اس نکاح کے وقت حج کا موسم تھا۔ جناب عبداللہ مع آمنہ خاتون حج کے لئے گئے۔ مقام منا میں کئی عورتوں نے جناب عبداللہ سے نکاح کی درخواست کی۔ جن میں دو مالدار عورتیں حتمیہ اور رضیفہ بہت کوشاں تھیں۔ اور ہر طرح کا دنیاوی لالچ دیتی تھیں۔ چنانچہ انہی سے آپ نے وعدہ کرلیا۔

پھر جمروں کی رمی کے زمانے میں آپ شب جمعہ کو بی بی آمنہ خاتون کے پاس گئے۔ جس سے نور پاک مصطفوی آپ سے منتقل ہو کر آمنہ خاتون کو مرحمت ہوا۔ پھر آپ نے دوسرے دن ان عورتوں سے نکاح کرنا چاہا۔ تو وہ بولیں کہ جس امانت کے ہم خواہش مند تھے وہ آمنہ خاتون لے چکیں۔ اب ہمیں نکاح کی خواہش نہیں۔ خیال رہے کہ یہ مہینہ رجب کا تھا۔ جیسی کہ اُن کی پرانی عادت تھی کہ مہینوں میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ

یحرمونہ عاماً۔ لہٰذا واقع پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر حج کے زمانے میں حمل شریف کا استقرار ہوا تو ربیع الاول تک نو مہینے کیسے پورے ہوئے۔

اس واقعہ پر غور کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارہاصات ثابت ہوتے ہیں۔ بی بی آمنہ خاتون جب اس امانت پاک کی حامل ہوئیں۔ تو دیگر عورتوں کی طرح آپ کو مطلقاً کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ دل کی گھبراہٹ یا کچھ بوجھ ہرگز نہ ہوا۔ بلکہ آپ کو پتہ ہی نہ لگا کہ میں امید سے ہوں۔

چنانچہ خواب میں جب سیدنا حضرت آدم یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشارت دی تب آپ سمجھیں۔ سبحان اللہ۔

جو سارے جہان کو راحت دینے آرہے ہیں۔ وہ اپنی ماں کے لئے تکلیف کا باعث کیسے بنتے۔ زمانہ حمل شریف میں ہر آن ارہاصات ظاہر ہوتے تھے۔

ایک بار آپ نے خواب دیکھا کہ مجھ سے ایک نور نکل کر سارے جہاں میں پھیل گیا جس کے سبب تمام دنیا سے اندھیرا جاتا رہا۔ اور دن سے زیادہ روشنی ہو گئی۔ وہ جو مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں اپنی ماں کا خواب ہوں۔ اس سے یہی خواب مراد ہے۔

جناب آمنہ نے اپنا خواب حضرت عبدالمطلب کو سنایا۔ جنہوں نے کسی معبر سے تعبیر پوچھی ساس نے کہا کہ تمہاری دلہن سے ایسا فرزند پیدا ہوگا۔ جس سے ساری دنیا جگمگا اٹھے گی۔

اصحاب فیل کا واقعہ آپ سن ہی چکے۔ یہ بھی ولادت کے پہلے ارہاصات میں سے ہے۔ ولادت شریف کے وقت جناب حوا۔ حضرت آسیہ۔ بی بی مریم اور حوران بہشتی کی حاضری بھی حضور کا بڑا ارہاص ہے جو پہلے عرض کیا جا چکا۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف عام بچوں کی طرح نہیں ہوئی۔ تمام بچے گندگی وآلائش وغیرہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ناف میں نال۔ ختنے کی جگہ قلفہ ہوتا ہے۔ دائی نال کاٹتی ہے۔ اور حجام ختنہ کرتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارکہ کا نقشہ کسی شاعر نے ایک شعر میں یوں کھینچا ہے۔

شعر
بالوں میں شانہ آنکھوں میں سرمہ کیا ہوا!
لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا!

اور بچے روتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ اور عرصے کے بعد۔ ابا۔ اماں کہنا سیکھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی رب کو سجدہ کیا۔ اور اس کی حمد و ثنا کہی۔ معلوم ہوا کہ طیب وطاہر پاک وستھرے آئے۔ اور سب کچھ سیکھ کر جلوہ گر ہوئے۔

پیدا ہوتے ہی آپ کو بی بی آمنہ رض کی نگاہ سے غائب کر دیا گیا۔ اور کسی پکارنے والے نے پکارا۔ محبوب عالم کو سارے عالم کی سیر کراؤ۔ کچھ دیر کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں پھر موجود تھے۔ مٹھی میں قدرتی چابیوں کا گچھا تھا۔ پکارنے والے نے پکارا کہ تمام خزائن الٰہیہ کی چابیاں حضور کو عطا فرمائی گئیں۔ وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔

ہم کو زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں۔ غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ بچپن شریف میں کبھی بستر پر پیشاب پاخانہ نہ فرمایا۔ بلکہ وقت مقرر پر اس سے فراغت فرماتے تھے۔

کبھی آپ کو ننگا نہ دیکھا گیا۔ اگر کبھی کپڑا سرکنے لگتا۔ تو قدرتی طور پر درست ہو جاتا۔ کبھی جسم اطہر پر مکھی نہ بیٹھی۔

عرب میں دستور تھا۔ کہ گاؤں کی دائیاں شہروں میں آکر امیروں کے بچوں کو پرورش کے لیئے دیہات لے جاتیں۔ کیوں کہ بمقابلہ شہر کے وہاں کی آب وہوا بھی اچھی ہوتی تھی۔ اور زبان بھی خالص۔

اس دفعہ بھی مختلف جگہ سے دائیاں مکہ معظمہ آئیں۔ جن میں دائیوں کا ایک قافلہ قبیلہ بنی سعد کا بھی تھا۔ اس قافلے میں ایک بہت غریب اور بے کس دائی بھی تھی۔ جو قحط کی ماری ہوئی۔ غربت سے لاچار دُبلی اونٹنی پر سوار تھی۔

تمام دائیاں اپنی تیز سواریوں پر مکہ معظمہ پہلے پہنچ گئیں۔ مگر یہ دائی جس کا نام حلیمہ تھا سواری کے سست ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ گئی۔ بہت چیخی چلائی۔ کہ بہنوں مجھے بھی اپنے ساتھ لے لو۔ مگر انہوں نے جواب دیا۔ کہ غریب امیر کا۔ کمزور وقوی کا۔ دُبلے اور موٹے کا۔ تیز وسست کا ساتھ نہ کبھی ہوا نہ ہو۔ حلیمہ اپنی حیثیت پر رہو۔ اور پیچھے پیچھے آؤ۔

حلیمہ کو کیا خبر تھی کہ ان کی سست رفتاری ہی اُن کی بخت آوری کا سبب بنے گی اور اُن کا پیچھے رہنا ہی تمام جہان کی شہزادیوں سے انہیں بڑھا دے گا۔

حلیمہ کو کیا خبر تھی کہ آسمان کا سورج طلوع ہو کر پہلے اونچوں کو چمکاتا ہے۔ مگر نبوت کا یہ سورج پہلے نیچوں کو منور کرتا ہے۔ ہوا یہ کہ اور دائیاں مکہ معظمہ پہلے پہنچیں اور امیروں کے بچوں کو انہوں نے لے لیا۔ حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے اس لیئے قبول نہ کیا کہ یتیم کے گھر سے کیا ملے گا۔ نہیں نہیں بلکہ انہیں حضور نے قبول نہ کیا۔ چونکہ وہ تو ایک غریب گود کو آباد کرنے والے تھے۔ رب کو یہ منظور تھا کہ ساری دائیاں بچوں کو پائیں حضور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائی حلیمہ بلکہ ان کے سارے خاندان کو پالیں۔ چنانچہ حلیمہ دائی جب مکہ معظمہ پہنچیں۔ تو امیروں کے بچے سارے تقسیم ہو چکے تھے۔ یہ مایوس ہوگئیں خانہ

کعبہ کا طواف کرنے آئیں تو حرم شریف میں ایک نورانی چہرے والے بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا کون ہو۔ کہاں سے آئی ہو۔ بولی حلیمہ ہوں۔ قبیلہ بنی سعد سے مکہ والوں کے بچے لینے آئی ہوں مگر دیر سے پہنچی ناکام رہی۔ مایوس اور خالی ہاتھ جا رہی ہوں۔ انہوں نے فرمایا ایک بچہ ہمارے گھر میں بھی ہے۔ مگر یتیم ہے۔ منظور ہو تو لے جاؤ۔ حلیمہ نے سوچا۔ یتیم کے ہاں سے کیا ملے گا۔ خاموش ہو گئیں۔ مگر گھر کا نام پتہ پوچھ لیا۔ اپنے ڈیرے میں آئیں۔ تو اپنے خاوند کو سارا ماجرا سنایا جن کا نام ابو کبشہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ حلیمہؓ خالی چلنے سے یہی بہتر ہے کہ اس یتیم کو ہی لے آؤ۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی حلیمہ پوچھتی پوچھتی ان بزرگ کے مکان پر پہنچی۔ جن کا نام عبدالمطلب تھا گھر میں داخل ہوئیں۔ تو دیکھا۔

ایک طیبہ طاہرہ صالحہ۔ قرشیہ نو عمر لڑکی جو بیوہ ہو چکی گھر میں رونق افروز ہے۔ اور ایک کونے میں ایک نونہال باریک کپڑا اوڑھے پالنے میں سو رہا ہے۔ مگر اس کے چہرے کے انوار و تجلیاں اس کپڑے میں سے چھن چھن کر ایسی نکل رہی ہیں جیسے ہلکے بادل میں سے سورج کی کرنیں۔ پوچھا۔ بی بی تمہارا بچہ کہاں ہے۔ اور اس کا کیا نام ہے۔ فرمایا ان کا نام محمد ہے۔ وہ سامنے سو رہے ہیں۔ حلیمہ جھولے پر پہنچیں۔ نقاب ہٹایا چہرہ دیکھا۔ سو جان سے عاشق ہو گئیں۔ حلیمہؓ نے حضور کو دیکھا۔ اور حضور نے آنکھیں کھول کر حلیمہ کو اپنی نگاہوں میں لے لیا۔ حلیمہ کے دونوں سوکھے ہوئے پستان دودھ سے بھر گئے۔ گود میں لیا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ دایاں پستان پیش کیا قبول فرما لیا۔ بایاں پستان پیش کیا منہ پھیر لیا۔ سبحان اللہ اشارۃً بتایا کہ اے حلیمہ یہ میرے رضاعی بھائی یعنی تیرے بچے کا حق ہے۔ میں دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے آیا ہوں۔ دوسرے کا دودھ کیسے پی لوں۔ ؎

بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں ، بچپنے کی عدالت پہ لاکھوں سلام

آج حلیمہؓ کی گود میں دونوں جہان دکھائی دیتے ہیں۔

حلیمہ کے نصیب پر قربان جاؤ۔ جن کی گرد قدم کے لئے اور جس کی پابوسی کے لئے اولین و آخرین ترستے تھے۔ اور ترسیں گے۔ حلیمہ ان کی پیشانیوں کو چومے۔ غرض کہ حلیمہ حضور کو لیکر خوش خوش اپنی منزل پر آئیں۔ اور اپنے خاوند ابو کبشہ کو مبارک باد دی۔ ابو کبشہ جب اونٹنی کو دوہنے بیٹھے تو دودھ میں اتنی برکت ہوئی کہ انہوں نے اور ان کے سب گھر والوں نے خوب سیر ہوکر دودھ پی لیا۔ اور پھر بھی دودھ بچ رہا۔ ابو کبشہ بولے کہ حلیمہؓ۔ آج یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم تو برسوں سے دودھ سے سیر نہیں ہوئے تھے۔ ہماری اونٹنی کا دودھ بہت تھوڑا تھا۔ آج کیا سبب ہے کہ ہم سب سیر ہو چکے اور تھنوں میں دودھ ابھی باقی ہے۔ حلیمہ بولیں کہ اس بچے کے دم قدم کی برکت ہے۔

صبح کو قافلے کی روانگی ہوئی۔ دوسری دائیاں امیروں کے بچوں کو لے کر چلیں اور بی بی حلیمہ حضرت عبدالمطلب کے دُرِ یتیم کو لے کر چلیں۔ آتے ہوئے سب سے پیچھے تھیں۔ جاتے ہوئے حلیمہ کی سواری سب سے آگے تھی۔ وہ پکاریں کہ حلیمہ ہمیں بھی ساتھ لے لو۔ کیا سبب ہے کہ تمہاری سواری آتے وقت بہت سست تھی اور اب جاتے وقت بہت تیز ہے۔ اس سواری نے بزبان فصیح کہا۔ کیا تمہیں خبر نہیں۔ کہ مجھ پر امام اولین و آخرین سوار ہیں۔ یہ اُن کے دم قدم کی برکت ہے۔ کہ مجھ میں طاقت و توانائی آگئی۔

مسلمانو۔ غور کرو یہ کتنے ارہاصات ہیں۔ جو دم بدم ظاہر ہو رہے ہیں۔

حلیمہ کے گھر پہنچ کر بے شمار ارہاصات کا ظہور ہوا۔ شق صدر یعنی ملائکہ کا آپ کے سینہ کو چاک کر کے مبارک دل کو نکال کر زمزم اور کوثر سے دھو کر پھر اپنے مقام پر رکھ دینا کئی دفعہ ہوا۔ جن میں سے ایک بار بی بی حلیمہ کے ہاں بھی ہوا۔

بی بی حلیمہؓ نے دیکھا کہ گرمی کے وقت بادل کا ٹکڑا آپ پر سایہ کرتا تھا۔ کنکر پتھر آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے تھے۔ غرضیکہ ایک دو نہیں ہزارہا ارہاصات کا ظہور ہوتا رہا۔ جب عمر شریف چھ سال کی تھی۔ بی بی آمنہ خاتون رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور انور کو اپنے ساتھ لیکر اپنی ننہال یعنی مدینہ منورہ گئیں۔ کچھ روز قیام کر کے جب حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف لوٹیں تو واپسی پر مقام ابواء میں ایسی بیمار ہوئیں۔ کہ قافلے کے ساتھ سفر نہ کر سکیں۔ مجبوراً رہ گئیں۔ مرض کی شدت ہوگئی۔ غشی طاری ہوگئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک اور ننھی ننھی ہتھیلیوں سے والدہ ماجدہ کا سر دبانے لگے۔ آپ کی ہتھیلیاں والدہ کی پیشانی پر تھیں۔ اور آپ کے آنسوؤں کے قطرے والدہ کے رخسار پر ٹپک رہے تھے۔ کہ اچانک جناب آمنہ نے آنکھیں کھول دیں۔ لخت جگر کو روتے دیکھا۔ خود بھی رو پڑیں۔ اور بولیں۔ کہ بیٹے محمد مجھے اس کا صدمہ ہے کہ تم نے نہ باپ کا سایہ دیکھا نہ ماں کی آغوش۔ تمنا تھی کہ تمہیں خود پالتی اور تمہارا عروج اپنی آنکھوں سے دیکھتی۔ یہ تو مجھے یقین ہے کہ تمہیں رب تعالےٰ ضائع نہ کرے گا۔ تم دین ابراہیم کو زندہ کرو گے۔ اور بتوں کو توڑ دو گے۔ توحید الٰہی کو پھیلاؤ گے۔ مشرق و مغرب میں تمہارا نام چمکے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے عربی کے چار پانچ شعر نہایت دردناک جن کے ہر لفظ سے حسرت ٹپکتی ہے پڑھے۔ وہ اشعار مشہور ہیں۔ پھر بولیں کہ میں مر جاؤں گی میرا نام تمہاری وجہ سے مشرق و مغرب میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ فرما کر داعی اجل کو لبیک کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر کے دائمی نیند سو گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور اسی مقام ابواء میں سپرد خاک کی گئیں۔ فقیر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے اور جناب آمنہؓ کی طرف سے انعام بھی پایا ہے۔

اس واقعہ سے عبدالمطلب کو صدمے پر صدمہ پہنچا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے ماں

اور بے باپ رہ گئے۔ قدرت کو منظور یہ تھا کہ تمام دنیا پر اُنکا سایہ ہو۔ ان پر ماں باپ کا سایہ بھی نہ رہے۔

پیدا ہوئے تو باپ کا سایہ اٹھا لیا ۔ بڑھنے لگے تو مادر دام ہو گئیں جدا
گھٹنوں چلے تو دادا عدم کو روانہ تھا ۔ سائے پسند آئے نہ رب کریم کو
بے سایہ کر دیا گیا اُس سایہ دار کو

اب حضرت عبدالمطلب کے لیئے سب سے اہم مسئلہ حضور کی پرورش تھی۔ دل و جان سے آپ کی خدمت کرتے۔ اور ہر وقت آپ کی راحت رسانی میں مصروف رہتے۔ قدرت خداوندی دو سال کے بعد آپ کا بھی وقت اخیر آپہنچا۔ جب آپ کو اپنی وفات کا یقین ہو گیا تو آپ نے اپنے گیارہ بیٹوں۔ عباس حمزہ۔ ابولہب۔ ابوطالب۔ وغیرہ کو جمع کیا اور فرمایا۔ مجھے دنیا سے جانے کا غم نہیں۔ جو یہاں آیا ہے اس کو جانا ہی ہوگا۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہوگا جانا ایک دن
شعر
سب کو ہے مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ کا صدمہ ایک دن

ہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ان کی نگاہ داشت کی سخت فکر ہے۔ بتاؤ تم میں کون اُنکی پرورش کا ذمہ دار بنتا ہے۔ ابولہب بولا۔ میں۔ آپ نے فرمایا تو سخت دل ہے۔ یتیم بہت شکستہ دل ہوتے ہیں۔ اگر تیری سختی کی وجہ سے ان کے نازک دل کو ذرا سی ٹھیس لگی تو مجھے قبر میں تکلیف ہوگی۔

حضرت حمزہ نے عرض کیا کہ یہ امانت میرے سپرد کیجیئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں شکار کا بہت شوق ہے۔ اس دھن میں تم کئی کئی دن گھر سے باہر غائب رہتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گھر سے طویل غیر حاضری کی وجہ سے محمد کو کوئی تکلیف ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابوطالب نے عرض کیا کہ اگر یہ سعادت میرے نصیب میں ہو تو زہے قسمت آپ

فرمایا کہ تمہارے اندر تمام خوبیاں ہیں۔ مگر غریب اور عیال دار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس دُرِ یتیم کی کوئی خواہش پوری نہ کر سکو اور مجھے قبر میں دکھ ہو۔ غرض کہ تمام فرزندوں نے اس کی تمنا کی مگر آپ کے دل کو کسی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔ آخر کار رو کر فرمایا کہ میں دُرِ اسکا اختیار خود محمد مصطفیٰ کو دیتا ہوں۔ وہ تم میں سے جسے چاہیں۔ اس خدمت کے لئے منتخب کرلیں۔ یہ کہا اور حضور سے عرض فرمایا کہ لختِ جگر اپنے چچاؤں میں سے جس کے پاس رہنا چاہو اُسے اختیار کرلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو جانے والے دادا کے چہرے پر حسرت سے نگاہ ڈالی پھر ان سب کو غور سے دیکھا اور ابوطالب کی گود میں بیٹھ گئے اُنکے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ یہ انتخاب بھی حضور کا ارہاص تھا۔ جسے رب العالمین نے اپنی پسندیدگی کی سند دیتے ہوئے فرمایا۔ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔

اے محبوب کیا یہ بات نہیں ہے کہ رب نے تمہیں یتیم پایا تو تمہیں ابوطالب کے پاس جگہ دی اب ابوطالب دل و جان سے حضور پر ایسے فدا تھے کہ آپ کی محبت میں اپنا سب کچھ بھول چکے تھے۔ عبدالمطلب اللہ کی رحمت میں پہنچے۔ جب اُن کی میت لے جائی جا رہی تھی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے آنسو بہاتے ابوطالب کی گود میں پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ ابوطالب حضور کی دوران زندگی میں بے شمار ارہاصات دیکھتے تھے۔ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ ہر کام میں آپ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوطالب ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جانے لگے۔ حضور نے فرمایا۔ چچا جان ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ آپ نے عرض کیا کہ آپ کو راستے میں تکلیف ہوگی۔ لیکن اگر آپ کی رائے ہے تو ضرور چلئے۔

ابوطالب کی آمادگی دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا بچوں کی ہر بات نہیں مانی جاتی۔ تم

سفر میں اپنا کام کرو گے یا محمد کو سنبھالو گے۔ ابو طالب بولے کہ میں نے آزمایا ہے۔ کہ ان کی ہر رائے اور ہر بات میں عجیب حکمتیں ہوتی ہیں۔ نامعلوم اس سفر میں کیا کیا اسرار غیبی ظاہر ہوں گے۔ اُن کا سفر کی خواہش کرنا حکمت سے خالی نہیں۔ یہ کہا اور حضور کو لے کر روانہ ہو گئے۔

ادھر راستے میں ایک بڑا راہب بحیرہ نامی رہتا تھا۔ جس کے سارے علاقے والے بڑے معتقد تھے۔ اس کے پاس اس کے بہت سے شاگرد و مریدین رہتے تھے۔ دن رات اُدھر سے قافلے گذرتے کسی کی پرواہ نہ کرتا۔ قافلے والے اس کی زیارت کرتے چلے جاتے۔

بحیرہ نے ایک دن اپنے خدام اور مریدین سے کہا کہ کل یہاں سے ایک قافلہ گزرے گا۔ اس کی دعوت کا انتظام کرو۔ مریدین نے کہا کہ ہمیں تیرا ہر حکم منظور ہے مگر اتنا تو بتا دے کہ اس قافلے میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کی دعوت کا انتظام کر رہا ہے۔ اور اتنے اہتمام کے ساتھ۔

وہ بولا کہ میں اسی قافلے کی خاطر آج تک یہاں پڑا ہوا تھا۔ مجھے خبر تھی ایک بار اس راستے سے سیدالانبیاء خاتم النبیین گزریں گے۔ میں نے یہاں جو نپڑی ڈال لی کہ شائد مجھے بھی ان کی زیارت نصیب ہو جائے۔

شعر

گر نشینی بر در کوئے کسے!
زود بینی عاقبت روئے کسے!

شاگرد بولے کہ تجھے یہ پتہ کیسے لگا۔ کہ کل قافلہ آئے گا۔ اور اس میں نبی آخرالزمان ہوں گے۔

وہ بولا کہ میں آج اس میدان کے ہر ذرّے میں نور کی تجلیاں دیکھ رہا ہوں۔ اور ہر درخت و گھاس کے پتوں سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں سن رہا ہوں۔ اور یہ چیز نبوت کے فیضان کے بغیر نہیں ہو سکتیں۔ غرض کہ بحیرہ اور اس کے تمام خدام رات بھر خوشی اور دعوت کے اہتمام کی وجہ سے نہ سوئے خدا خدا کر کے صبح کا اجالا ہوا۔ رات کی تاریکی گئی۔ اور دن کی روشنی آئی۔ بحیرہ کی آنکھیں اس راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ دم بدم تجلیاں تیز ہو رہی تھیں اور صلوٰۃ وسلام کی آوازیں ترقیاں ہو رہی تھیں۔ جب دن خوب چڑھ گیا اور ریتا گرم ہو گیا تو بحیرہ کو دور سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا۔ بحیرہ سمجھ گیا۔ کہ اسی غبار میں وہ شہسوار ہے۔ اور اسی جماعت میں وہ نبیوں کا تاجدار ہے۔ اس جگہ سے کچھ فاصلے پر اس قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ بحیرہ فوراً وہاں پہنچا۔ اور تمام قافلے والوں کی اپنے ڈیرے پر دعوت کر دی۔ اور تاکیداً عرض کیا۔ کہ آپ لوگ کھانے کے لئے آئیں۔ چنانچہ یہ لوگ کھانے کے لئے بحیرہ کے ڈیرے پر چلے۔ ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا کھانا ہم لیتے آئیں گے۔ آپ سامان کی نگرانی کے لئے یہیں ٹھہریں بحیرہ نے ان لوگوں کے کھانے کا انتظام ایک بڑے درخت کے سائے میں کیا۔ جب یہ قافلہ اس سایہ میں بیٹھ گیا۔ تو بحیرہ کے خدام تو اپنے کاموں یعنی خاطر تواضع میں مشغول ہوئے مگر بحیرہ ان شخصوں پر نظر ڈالنے میں لگا رہا۔ ہر شخص کو غور سے دیکھتا تھا۔ مگر کسی میں خاتم النبیین کی علامات نہ پاتا تھا۔ سخت حیران ہوا۔ پوچھا کہ کیا کوئی آدمی ڈیرے پر رہ گیا ہے۔ یا سب لوگ یہاں آگئے ہیں۔ قافلے والے بولے کہ ہم سب ہی آگئے ہیں۔ وہ بولا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک بچہ وہاں ہے۔ جسے ہم نے اپنے سامان کی حفاظت میں چھوڑا ہے۔ بحیرہ نے کہا کہ افسوس جس کی خاطر یہ اہتمام کیا گیا وہی نہ آیا برات موجود

مگر دولہا غائب۔ جس کے دم کی ساری بہار ہے۔ آپ انہیں ابھی بلا لیجئے۔ میں آپ کے سامان کا ذمہ دار ہوں۔ ایک کیل کا کھٹکا نہیں میں اپنے خدام وہاں بھیجے دیتا ہوں۔ جو آپ کے سامان کی نگرانی کریں گے۔ یہ کہہ کر بحیرہ نے اپنے چند خدام ادھر دوڑائے۔ اور انہیں تاکیداً حکم دیا کہ تم میں بعض لوگ سامان، کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہریں اور بعض ان کو لے کر یہاں پہنچیں۔ خدام نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خادموں کے ساتھ ادھر روانہ ہوئے تو بحیرہ نے یہ دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا آپ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ سمجھ گیا کہ جس گل کی مجھے تلاش تھی وہ یہی ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو درخت کا سایہ آدمیوں سے بھر چکا تھا۔

آپ ایک کنارے پر دھوپ میں بیٹھ گئے۔ درخت نے فوراً جھک کر آپ پر اس طرح سایہ کر دیا کہ دوسری طرف کے لوگ دھوپ میں ہو گئے۔ اب تو بحیرہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سر سے پاؤں شریف تک آپ کو اس نے بہت غور سے دیکھا نبوت کی تمام علامتیں موجود پائیں۔

قافلے کی بہت خاطر تواضع کی بہت اہتمام سے کھانا کھلایا۔ فراغت کے بعد ان سے پوچھا کہ اس دُرِ یتیم کا مربی کون ہے۔ لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے ابوطالب کو مبارک بادیاں دیں۔ اور کہا۔ یہ سید المرسلین خاتم النبیین ہیں یہ ہی ہیں جن کی بشارتیں توریت وانجیل میں ہیں۔ اور بولا کہ میں نے نبوت کی ساری ظاہری علامتیں تو آپ میں دیکھ لیں۔ اے ابوطالب اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ان کا شانہ مبارک کھول کر مہر النبوت کی زیارت کر لوں یہی ایک علامت

رہ گئی ہے۔ جسے میں دیکھ نہ سکا ہوں یہ کہ ابوطالب کی اجازت لے کر کندھا مبارک کھولا۔ اس نے دیکھا کہ گردن شریف کے نیچے کچھ تل ہیں۔ جن پر بال ہیں اور وہ اس ترتیب سے واقعہ ہوئے ہیں کہ پڑھنے میں آتا۔ محمد رسول اللہ وہ دیکھ کر مہر نبوت کو بوسے دینے لگا۔ اور بولا کہ یہ سچے رسول ہیں۔ اگر میں ان کا زمانہ پاتا ان کی بڑی خدمتیں کرتا۔ میں ان پر سچے دل سے ایمان لاتا ہوں۔ پھر اُس نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں یہاں سے واپس کر دو کیونکہ ان کے دشمن بہت ہیں۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دور سے کچھ غبار اڑتا نظر آیا۔ بحیرہ کھٹک گیا۔ اور فوراً تیز سواری پر بیٹھ کر ادھر دوڑا۔ اب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ یہود کا ایک قافلہ ہے۔ جنہیں اپنے کاہنوں سے پتہ لگا ہے کہ نبی آخرالزمان اس طرف سے آنے والے ہیں۔ وہ یہودی انہیں قتل کرنے کے ارادے سے ادھر آتے ہیں اس نے انہیں سمجھا بجھا کر کچھ ڈانٹ ڈپٹ کر واپس کیا۔ اور واپس آکر ابوطالب کو سارا ماجرا سنایا۔ اور تاکیداً عرض کیا آپ انہیں فوراً واپس کر دیں۔

چنانچہ ابوطالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ شخصوں کے ہمراہ کر کے مکہ معظمہ واپس کر دیا۔ یہ ارھاصات وہ ہیں جو ولادت پاک کے بعد نبوت کے اعلان سے پہلے ظاہر ہوئے۔ یہ بھی روائیتوں میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھے ظہور نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔ بہر حال جیسے حضور کے معجزات ہمارے شمار سے باہر ہیں۔ اس طرح حضور کے ارھاصات حد سے ورا ہیں۔ جتنے کہ ان ارھاصات کو دیکھ کر بہت خوش نصیب لوگ اعلان نبوت سے قبل ہی آپ پر ایمان لا چکے تھے جن میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وعظ نمبر ۵۵

انسان کی کامیابی کا راز

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ تھوڑی عبارت اور مختصر آیت میں ایسے عالی شان مضامین بیان فرمادیتا ہے۔ جو انسانی زندگی کے لئے پورا دستور العمل بن سکیں۔ یہ سورۃ بظاہر مختصر ہے۔ اور ایسی مختصر کہ بچہ کو یاد کرنا دشوار نہیں۔ مگر مومن کے لئے کافی وافی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس کے سوا اور کوئی سورۃ نہ آتی تو لوگوں کو کافی تھی۔ (روح البیان) کیوں کہ اس میں کفار کو ڈانٹ ڈپٹ منافق کو جھڑک مومنوں کو بشارت پرہیز گاروں کی عزت افزائی، ایمان کی دعوت نیک اعمال کی ترغیب تبلیغ کے فوائد اصلاح خلق سب ہی کچھ علیٰ وجہ الکمال بیان فرمادیا گیا۔ یوں تو یہ صورت احکام کا سمندر۔ عرفان کا خزانہ ایمان و اعمال کا دریائے ناپید اکنار ہے۔

مگر ہم اس مختصر سی صورت میں صرف چار امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ والعصر[1] انسان[2] نقصان میں کیوں ہے۔ ایمان[3] و عمل سے کیا مراد ہے۔ اور مومن متقی نفع میں کیسے ہے۔ اور[4] حق و صبر کی وصیت سے کیا مراد ہے۔ در حقیقت یہ چار وعظ ہیں۔ مگر ہم کو ایک مجلس میں ان چاروں چیزوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

والعصر۔ عصر کی قسم۔ قرآن کریم اہم مضامین قسم سے ارشاد فرماتا ہے۔ رب العالمین

کی قسم سے اس چیز کی عظمت کا پتہ لگتا ہے۔ جس کی قسم فرمائی۔ اور اس مضمون کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ جس پر قسم فرمائی۔ لہذا والعصر فرمانے سے عصر کی عظمت اور اگلے مضمون کی اہمیت معلوم ہوئی۔

عصر نماز عصر کو بھی کہتے ہیں۔ وقت عصر کو بھی عصر کہتے ہیں زمانہ کو بھی عصر کہتے ہیں یعنی نماز عصر کی قسم جو بیچ کی نماز ہے۔ جس میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں یا وقت عصر کی قسم جب دن سامان سفر کرتا ہے رات کی آمد ہوتی ہے یا مطلقاً زمانہ و وقت کی قسم جس سے عمریں ختم ہوتی ہیں۔ سلطنتیں بدلتی ہیں۔ عالم کے حالات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ یا اس وقت و زمانہ کی قسم جس میں عشاق فراق میں گنہگار توبہ میں بدکار استغفار میں روتے ہیں اور صالحین عبادات میں مشغول ہوتے ہیں۔ مگر بہترین ترجمہ یہ ہے۔ کہ ظہور محبوب کے زمانہ کی قسم جو تمام زمانوں سے افضل و بابرکت ہے جس میں مومنین دیدار یار سے صحابی بنتے نظر آتے ہیں یا حضور کے زمانہ نبوت کی قسم جو قیامت بلکہ ابدالاباد تک ہے۔ یا حضور کے زمانہ فیض کی قسم جو ازل سے ابد تک ہے کہ گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کو حضور ہی سے فیض ملا اسی لئے حضور کا لقب رحمۃ اللعالمین ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور رب کے محبوب اکبر ہیں کہ رب نے ان کے زمان و مکان عمر کی قسم فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ جس وقت یا جس چیز کو حضور سے نسبت ہو جائے وہ بھی محبوب معظم ہے۔ لہذا حضور کے صحابہ و اہل بیت محبوبان بارگاہ الٰہی ہیں تیسرے یہ کہ حضور کا زمانہ خیر القرون ہے۔ اس وقت برکتیں رحمتیں بہت تھیں۔

یہ قرآن کی آخری قسم ہے اور نماز عصر دن کی آخری نماز یا زمانہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کا آخری زمانہ اس لئے یہاں یہ ہی قسم موزوں تھی۔

خیال رہے کہ عصر کے لغوی معنے ہیں نچوڑنا اسی لئے شیرہ کو عصیر کہتے ہیں، کہ وہ بھی نچوڑا جاتا ہے اب وقت عصر کو عصر کہتے ہیں کہ وہ دن کے نچوڑنے کا وقت ہے اور زمانہ کو بھی کہ وہ بھی ختم ہوتا رہتا ہے۔ یہاں یا تو عصر سے نماز عصر مراد ہے یا وقت عصر، چونکہ نماز عصر تمام نمازوں سے زیادہ اہم، اور یہ وقت تمام اوقات سے زیادہ اہم ہے اس لئے اس کی قسم فرمائی، نماز عصر چند وجوہ سے اہم ہے۔

(۱) یہ تو معلوم ہے، کہ ایک شخص کی حفاظت کے لئے ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو کہ ہر وقت ہر آدمی کے ساتھ رہتے ہیں، خواہ بچہ ہو یا جوان یا بڈھا (رشامی)، یہ ملائکہ بعض تو اندرونی اعضاء کی نگرانی کرتے ہیں۔ بعض بیرونی دشمنوں جنات وغیرہ سے بچاتے ہیں۔ اور دو فرشتے اعمال لکھنے کے لئے مقرر ہیں، ایک نیکیاں لکھنے کے لئے، دوسرا برائیاں تحریر کرنے کے لئے، مگر یہ دونوں فرشتے بچوں، دیوانوں، سونے والوں پر مقرر نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے اعمال پر احکام جاری نہیں ہوتے اسی طرح انبیاء پر برائی لکھنے والا فرشتہ اور عشاء کفار پر نیکی لکھنے والا فرشتہ مقرر نہیں کہ نبی تو گناہ سے معصوم ہیں۔ اور ایسے ہی کفار نیکی سے محروم۔

مگر ملائکہ محافظین ہر شخص کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، ان ملائکہ محافظین کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے، دن میں اور فرشتے رہتے ہیں اور رات میں دوسرے مگر نماز فجر اور نماز عصر میں دن و رات کے فرشتوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ کہ عصر کے وقت دن کے فرشتے جانے نہیں پاتے کہ رات کے آجاتے ہیں۔ اسی طرح فجر میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ط لہٰذا نماز عصر دیگر نمازوں سے افضل ہے کہ اس میں دن و رات کے فرشتوں کا اجتماع ہے۔

(۲) نماز عصر وتری اور شفعی نماز کے درمیان واقع ہے، کہ اس سے پہلے نماز ظہر ہے جس کی چار رکعتیں ہیں، اور اس کے بعد نماز مغرب جس کی تین رکعات۔

(۳) نماز عصر دن کی آخری نماز ہے۔ اس کے بعد دن میں کوئی نماز نہ ہوگی نماز مغرب رات کی نماز ہے۔

(۴) وقت عصر سیر و تفریح کا وقت ہے۔ اسی وقت بازار میں رونق ہوتی ہے۔ اسی وقت خرید و فروخت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے زیادہ مشغولیت کا یہ ہی وقت ہے، اور ظاہر ہے، کہ زیادہ مشغولیت میں نماز کا ادا کرنا بہت افضل ہے۔

(۵) یہ وقت دن کی انتہا ہے۔ اور مرتے وقت بلکہ قبر میں جب حساب کے لئے مردہ اٹھتا ہے۔ تو اس کو یہ ہی وقت محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر مردہ نماز عصر کا پابند تھا، تو فرشتوں سے عرض کرتا ہے، کہ مجھے نماز عصر پڑھ لینے دو۔ پھر سوال کرنا، اور مردے کا یہ قول اسکے ایمان کی علامت ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض صوفیاء عصر و مغرب کے درمیان مراقبہ کرتے ہیں کلام وغیرہ سے بچتے ہیں۔

یا عصر سے مطلقاً زمانہ مراد ہے۔ یعنی زمانہ اور وقت کی قسم چونکہ زمانہ اور وقت عظیم الشان چیز ہے اس لئے اس کی قسم فرمائی گئی۔ زمانہ چند وجہ سے اہم ہے۔

(۱) زمانہ دنیا کے تمام واقعات کا ظرف ہے، خواہ آسمانی واقعات ہوں یا زمینی، مگر کسی نہ کسی وقت میں ہی واقع ہوں گے۔

(۲) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ان کی توبہ انبیائے کرام کے اہم واقعات حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت و معراج و ہجرت ماہ رمضان، شب قدر، غرضیکہ ساری مبارک چیزیں زمانہ ہی میں واقع ہوئیں۔ لہٰذا زمانہ بھی مبارک ہے۔ موتی کی سیپ بھی

قیمتی ہوتی ہے۔

(۳) زمانہ اور اس کی تبدیلی رب تعالٰے کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے۔ کہ کبھی سردی ہے کبھی گرمی کبھی دن کبھی رات، اس تبدیلی سے عالم کا فانی ہونا ثابت ہے۔ اور اسی سے خالق کا ثبوت۔

(۴) زمانہ تمام سرکشوں کو خاک میں ملانے والا تمام بہادروں کا غرور توڑنے والا ہے۔ مضبوط عمارتیں پرانی ہو کر برباد ہو جاتی ہیں، اور بڑے پہلوان بڈھے ہو کر کمزور پڑ جاتے ہیں۔ بڑے علماء بڑھاپے میں بے خبر بن جاتے ہیں۔ غرضیکہ رفتار زمانہ کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے بعض بے دینوں نے زمانہ کو خالق مان لیا جنہیں دہریہ بھی کہا جاتا۔

(۵) پیدائش میں زمانہ سب سے پہلے ہے، کہ اولاً زمانہ ہی بنا، پھر زمانہ کی چیزیں اور اس کی انتہا کبھی نہیں، کہ جنت و دوزخ میں وقت ضرور ہو گا اگرچہ اس کی تبدیلی ختم کر دی جاوے گی۔ کہ وہاں نہ دن و رات نہ گرمی سردی، نہ جنتیوں کی عمر ہو جیسے کہ عالم ارواح میں اب بھی ہو رہا ہے غرضیکہ زمانہ بڑی ہی عجیب شے ہے، اس لئے اس کی قسم فرمائی گئی۔

یا عصر سے زمانہ مراد ہے۔ اور اس میں الف لام عہدی ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ، چونکہ وہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل و بہتر تھا، کہ خیر الخلق کا زمانہ تھا۔ اس لئے اس کی قسم فرمائی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي یعنی تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی ہر ساعت تمام ساعتوں سے افضل ہے۔ خیال رہے، کہ رب تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف کی قسم کھائی لَعَمْرُكَ حضور پاک کے شہر پاک کی قسم فرمائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی قسم فرمائی۔ وَالْعَصْرِ، بلکہ

اگر اپنی قسم فرمائی، تو بھی اپنے کو حضور کے ساتھ یا فرمایا وَفَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اے پیارے تمہارے رب کی قسم، معلوم ہوا کہ حضور کی ہر نسبت رب کو محبوب ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شب ولادت، شب قدر سے افضل ہے۔ اور دوشنبہ جمعہ سے بڑھ کر، اور مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے بہتر، کیوں کہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاص نسبت ہے۔

خیال رہے کہ حضور کے زمانے تین قسم کے ہیں، حضور کی رحمت[1] کا زمانہ حضور کے ظہور[2] کا زمانہ اور حضور کی نبوت[3] کا زمانہ۔

حضور کی رحمت کا زمانہ جب سے عالم بنا تب سے ہے اور جب تک عالم رہے گا، تب تک رہے گا آسمان و زمین کا بننا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل، آدم علیہ السلام کی پیدائش، ان کی توبہ کی قبولیت حضور کے طفیل، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آگ کا گلزار ہونا اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے امن پانا، موسےٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات حاصل کرنا سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے ہوا، اسی لئے میثاق کے دن انبیائے کرام سے حضور کا عہد و پیمان لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ خواہ کسی کی نبوت کا ظہور ہو مگر ہر وقت زمانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا ہے۔ اسی لئے پانچ سو برس پہلے ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ میں اس نبی کی خوشخبری دینے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام پاک احمد ہے جس سے معلوم ہوا۔ کہ سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک رب تعالےٰ نے پہلے ہی مشہور کر دیا۔ ؎

فَاِنَّكَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا ۔ يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

اگرچہ دنیا میں وقتاً فوقتاً اور انبیاء کے بھی ڈنکے بجے اور پیغمبروں کے بھی کلمے پڑھے گئے، مگر قبر و حشر، اور دوزخ میں حضور ہی کا ڈنکہ بجے گا۔ چنانچہ سوالات قبر کے وقت حضور ہی کی پہچان کرائی جاتی ہے بعض اکابر نے فرمایا۔ کہ پچھلی امتوں سے سوال قبر یا تو ہوتا نہ تھا یا صرف توحید اور دین کا رسالت کا سوال حضور ہی کے زمانہ سے شروع ہوا۔ قیامت میں حضور ہی کی دھائی ہوگی۔ جنت میں حضور ہی کا قرآن پڑھا جاوے گا۔ نہ وہاں توریت کی تلاوت ہوگی۔ نہ انجیل و زبور کی، یہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانۂ رحمت، جس کی انتہا نہیں، اور ابتدا کا کسی کو پتہ نہیں اس زمانہ کی عمر بہت زیادہ ہے۔

اور زمانۂ ظہور یا تو وہ ہے، جو ولادت پاک سے شروع ہو کر وفات شریف پر ختم ہوتا ہے اور یا وہ جو ظہور نبوت سے شروع ہو کر وفات مبارک پر ختم ہوا جسے خَیْرُ الْقُرُوْن فرمایا گیا یہ زمانہ یوں تو سارا ہی افضل ہے، مگر اس میں بعض ساعتیں بہت ہی خیر، جیسے معراج کی رات فتح مکہ کا دن، ہجرت کے ایام ظہور نبوت کا وقت۔

اور زمانۂ نبوت وہ ہے، جو ظہور نبوت سے شروع ہو کر قیامت تک باقی ہے کہ قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آوے گا نہ کسی کا کلمہ پڑھا جاوے گا۔ نہ کسی کا دین ہوگا، نہ کوئی حضور سے مستغنی ہو۔

لطیفہ:۔ ایک بار مولانا ہدایت رسول صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ دہلی کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ مولوی صاحب شیرینی حاضر ہے، اس پر فاتحہ دے دو، فرمایا، لاؤ، فاتحہ دے رہے تھے، کہ کسی وہابی نے کہا، یہ بدعت ہے شرک ہے۔ فارغ ہو کر پوچھا، کہ بدعت کسے کہتے ہیں؟ وہ بولا جو حضور کے زمانہ میں نہ ہو، فرمایا' یہ کیا تمہارے باوا کا زمانہ ہے، قیامت تک حضور ہی کا زمانہ ہے اس سے یہ ہی زمانہ

نبوت مراد ہے، درخت میں جب بھی پھل پھول وغیرہ لگیں۔ وہ درخت ہی کہلائیں گے۔ کیونکہ اسی جڑ پر لگے ہیں۔ اسلام میں جب بھی اور چیزیں جاری ہوں، وہ اسلام ہی کی کہلائیں گی۔ بدعت سیئہ وہ بُرے کام ہیں۔ جو خلافِ سنّت ہوں، غرضیکہ زمانہ ظہور نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور اسی لئے قیامت تک کلمہ حضور ہی کا پڑھا جاوے گا۔ نماز و قرآن حضور ہی کے قائم رہیں گے، درود حضور ہی پر پڑھا جاوے گا۔ اب بھی کلمہ یہ ہی پڑھا جاتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ نہیں کہا جاتا، کہ اللہ کے رسول تھے۔ یہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ اور قیامت کا دن تو خصوصیت سے حضور کا دن ہوگا ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

اس کی قسم فرمائی گئی وَالْعَصْرِ۔ یہ تو قسم کا ذکر تھا، آگے جواب قسم ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ آدمی بہت نقصان میں ہے یہاں آدمی سے سارے انسان مراد ہیں بچے ہوں یا بوڑھے، امیر ہوں یا غریب مرد ہوں یا عورت، دنیا میں آکر سب ہی خسارہ میں پڑ گئے انسان کا نقصان چند طرح سے ہے۔

(۱) خسر کے معنے ہیں ٹوٹا، خسارہ، نقصان، جو تاجر اصل پونجی کھو بیٹھے، یا اس کی پونجی کم ہو جاوے، وہ خاسر کہلاتا ہے، انسان بھی اپنی عمر کی پونجی دن رات کھیل کود میں برباد کر رہا ہے۔ لہذا ہر وقت نقصان میں ہے ہر گھڑی اس کی گھٹ رہی ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا۔ کہ میں نے عجیب خواب دیکھا ہے کہ میں ایک جنگل میں اکیلا ہوں۔ میرے پیچھے ایک شیر دوڑا۔ میں

اس سے جان بچانے کے لئے بھاگا۔ آگے دیکھتا ہوں۔ کہ ایک خندق ہے میں نے شکر کیا کہ اس میں کود کر شیر سے بچ جاؤں گا، دیکھا تو خندق میں ایک بڑا سانپ منہ کھولے بیٹھا ہے۔ اب میں سخت پریشان ہؤا کہ آگے سانپ ہے اور پیچھے شیر دیکھا کہ خندق کے کنارے ایک درخت ہے۔ میں نے اس پر چڑھ کر جان بچائی۔ اب درخت کے نیچے شیر بھی میری تاک میں کھڑا ہے اور سانپ بھی، ابھی میں نے آرام بھی نہ کیا تھا کہ دیکھا، کہ سفید اور کالے چوہے اس درخت کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ انہوں نے آناً فاناً جڑ کاٹ ڈالی، اور درخت گرا ہیبت میں میری آنکھ کھل گئی۔

بزرگ نے فرمایا کہ وہ جنگل دنیا ہے جہاں بجز پروردگار تیرا کوئی نہیں، اور شیر ملک الموت ہے جو تیرے پیچھے ہے، خندق تیری قبر ہے وہ سانپ قبر کا عذاب ہے، درخت تیری عمر ہے اور سفید کالے چوہے دن رات ہیں۔ جو تیری عمر کو چپکے چپکے ختم کئے جا رہے ہیں۔ تو سمجھ رہا ہے کہ میری عمر بڑھ رہی ہے۔ مگر حقیقت میں ہر وقت گھٹ رہی ہے۔

(۲) ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ عرشی نعمتیں ہیں۔ جو ہر شخص کو قدرت نے بغیر معاوضہ بخشیں۔ مگر یہ بے بہا نعمتیں دنیاوی بکواس اور زر طلبی، عزت کی خواہش میں خرچ ہو رہی ہیں، مولانا فرماتے ہیں ؎

حق بہ فرماید چہ آوردی مرا ✽ اندراں مہلت کہ من دادم ترا
عقل و ہوش و گوش نعمتہاء عرش ✽ خرچ کردی وچہ آوردی زفرش

انسان کی مثال اس بے بیوقوف کی ہے جو روپیہ کے عوض ٹھیکری خریدے۔

(۳) انسان دنیا کے لئے محنت کرتا ہے۔ بہت کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ اور نہایت

آسانی سے چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ کوہ کندن وکاہ برآوردن یعنی پہاڑ کھود کر گھاس حاصل کرنا
انسان پر ہی صادق آتی ہے لہٰذا وہ نقصان میں ہے۔

(۴) کسی نے پڑوسن سے چرخہ مانگا کاتنے کے لئے اُس نے مہربانی کرکے پانچ دن کے لئے
دیا۔ ان پانچ دن میں جو کات لیا۔ وہ اپنا پھر چرخہ چرخے والے کا ہمیں جسم کا چرخہ پانچ دن
کی زندگی کے لئے ملا۔ جو کچھ اعمال کا سوت کات لیا۔ وہ اپنا، پھر یہ چرخہ چرخے والے کا ہے
انسان ان دنوں کو غفلت میں گذار رہا ہے۔ لہٰذا ہر وقت نقصان میں ہے کہ عاریت کی
مدت ہر وقت ختم ہو رہی ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیہ یعنی سارے انسان نقصان میں ہیں سوا
ان کے جو ایماندار، پرہیزگار ہیں۔ جو لوگوں کو حق اور صبر کا حکم کرتے ہیں۔ یعنی خود بھی
اچھے ہیں، اور دوسروں کو بھی اچھا بناتے ہیں۔ خیال رہے کہ ایمان اعمال کی اصل ہے
اور اعمال ایمان کی شاخیں بغیر ایمان کوئی عمل درست نہیں، اور ایمان لاکر بندہ اعمال
سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، پھل درخت سے وہ ہی کھا سکتا ہے۔ جو جڑ کی بھی نگرانی
کرے، اور شاخوں کی بھی حفاظت کرے۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف اور وتواصوا بالحق میں عثمان غنی اور وَتَوَاصَوْا
بِالصَّبْرِ میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی طرف اشارہ ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایمان ایسا کامل، کہ جب اپنی والدہ کے شکم میں
تھے، تو انہیں بت کے سامنے نہ جھکنے دیا، اس شکم پاک میں ایسے سکڑ جاتے، کہ ماں جھک
ہی نہ سکتیں، اسلام سے پہلے بھی نہ بت پرستی کی، نہ شراب پی، نہ زنا کے قریب گئے۔

رب تعالیٰ نے انہیں الاتقی یعنی بڑا متقی فرمایا، ارشاد ہوا سَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں کون شمار کر سکتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں، کہ وہ بھی انسانی شمار سے باہر، اور یہ بھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصلاح خلق الٰہی فرمانے والے ہیں کہ اپنی شہادت کے وقت اپنے کسی غلام کو جنگ کی اجازت نہ دی، بلکہ اپنے قاتل کے مقابل خود اپنے بچنے کے لیے ہاتھ بھی نہ اٹھایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صابرین کے سردار اور ان کے فرزند ارجمند روزہ داروں شہیدوں اور مسافروں کے افسر اعلیٰ کر کربلا کے میدان میں ان تمام امور میں نمبر اول رہے۔

حکایت: تفسیر روح البیان پارہ ۲۰ کے شروع میں آیت اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ کی تفسیر میں ایک عجیب حکایت نقل فرمائی کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہم کو دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں۔ خوشبو، عورت، نماز، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے بھی دنیا میں تین چیزیں پیاری ہیں، یا حبیب اللہ آپ کا دیدار آپ کی مجلس پاک میں حاضری، اپنا جان و مال آپ پر قربان کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ مجھے بھی تین چیزیں پیاری ہیں، اللہ کے پیاروں کی ملاقات دشمنانِ دین پر سختی، عدل و انصاف، حضرت عثمان غنی نے عرض کیا کہ مجھے بھی تین چیزیں پیاری ہیں، اسلام کی اشاعت، بھوکوں کو کھلانا اور جب لوگ سوتے ہوں، تب نماز میں گریہ زاری۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کہ مجھے بھی تین چیزیں بڑی پیاری ہیں۔ ضرب السیف، وصوم الصیف، اکرام الضیف یعنی تلوار کی جنگ گرمی کا روزہ، مہمان نوازی، اتنے میں حضرت جبریل حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بھی تین چیزیں پیاری ہیں، گمراہوں کی راہبری، غربا کی دستگیری اور رب تعالیٰ

سے ہم کلامی، پھر حضرت جبرئیل جا کر دوبارہ حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا، کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے پیارے مجھے بھی تین چیزیں بڑی محبوب ہیں، گنہگار تائبین کے آنسو، متکبرین کی سزا، اور بے قرار دل کی دعا۔ رب تعالیٰ چشم گریاں دل بریاں، زبان ذاکر، اور قلب شاکر نصیب فرمادے۔

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ دنیا میں ہر آدمی نقصان میں ہے، سوا اس کے جسے رب تعالیٰ تین نعمتیں عطا فرمادے، ایمان، پرہیزگاری اور اپنے بال بچوں، اور ماتحتوں کی اصلاح کوئی شخص نہ تو ایمان سے بے نیاز ہے، نہ اعمال سے، نہ تبلیغ سے ایمان جڑ ہے، اعمال شاخیں اور اچھی اولاد اور نیک ساتھی گویا عمدہ کھاد، اور وقت کی بارش ہے جیسے درخت جب ہی پھل دیتا ہے، جب جڑ بھی قائم ہو، اس کی شاخیں بھی ہری ہوں، اس کو کھاد اور پانی بھی وقت پر ملے۔

حکایت:۔ ایک بار حضور غوث پاک عبادت میں مشغول تھے، کہ آپ نے ستارے میں ایک روشنی اور نور سا دیکھا، اوپر جو نگاہ کی، دیکھا کہ ایک بڑی چمکتی شکل والا ایک تخت پر اڑ رہا ہے۔ اس کے چہرے کا یہ نور ہے اس نے کہا، کہ اے میرے بندے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں تجھ سے راضی ہوگیا، اب میں تجھ پر نماز روزہ، ساری عبادات معاف کرتا ہوں آپ نے فوراً خیال کیا، کہ دنیا میں ان آنکھوں سے رب تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، قرآن فرماتا ہے۔ لاتدرکہ الابصار موسیٰ علیہ السلام نے تمنائے دیدار کی، تو فرمادیا گیا لن ترانی، ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عرش پر بلا کر دیدار دیا، نہ کہ یہاں یہ خدا کیسا ہے، جو میری آنکھیں اُسے یہاں ہی دیکھ رہی ہیں! نیز جب حضرت صدیق اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز معاف نہیں ہوئی تو مجھ پر کیسے معاف ہوسکتی ہے۔!

فوراً لاحول پڑھی، پڑھتے ہی وہ تخت اور نور سب غائب ہوگیا۔ شیطان تھا اور جاتے جاتے بولا، کہ عبدالقادر تمہیں تمہارے علم نے بچالیا۔ آپ نے فرمایا، خبیث! مجھے اب بھی دھوکا دیتا ہے۔ اگر علم بچاتا، تو کیا علم کی تیرے پاس کمی تھی؟ تو کیوں مردود بارگاہ الٰہی ہوگیا وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ قرآن کی خبر ہے، مجھے علم نے نہیں، بلکہ رب تعالےٰ کے فضل اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرم نے بچایا۔ رب تعالےٰ ہم سب کو شیطان سے محفوظ رکھے، غرض کسی پر نماز وغیرہ معاف نہیں۔

حکایت:۔ حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کسی مجلس وعظ پر گذرے، دیکھا کہ مولانا عذاب الٰہی اور حساب کا ذکر فرمارہے ہیں۔ اور لوگ زاروزار رو رہے ہیں۔ فرمایا، مولانا! رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اُمّت کو کیوں اتنا رُلا رہے ہو؟ پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ صاحبو! قیامت کے حساب کا خلاصہ صرف دو لفظ ہیں اس کا جواب سوچ لو، وہاں سوال ہوگا۔ من ترا بودم تو کرا بودی بندے ہم تو تیرے تھے۔ بتا تو کس کا ہوکر جیا تھا؟ ہم نے سارے کام تیرے لئے کئے تو نے بھی کوئی کام ہمارے لئے کیا؟ چاند وسورج رزق جنت ودوزخ، حور وقصور سب تیری خاطر بنایا، تو نے بھی میری رضا کے لئے کوئی کام کیا یا نہیں؟ بس اس کا جواب سوچ رکھنا۔

یہاں اس آیت کا منشاء بھی یہ ہے۔ کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوا اس کے جو اللہ کا ہو رہا، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا منشاء ہے اللہ کا ہوجانا۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

ابروباد ومہ وخورشید وفلک درکارند ✦ تاتو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ✦ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

وعظ نمبر ۵۶

نیکیوں کے بدلے کا بیان

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ○

یہ آیت کریمہ شریعت کا گنجینہ اور طریقت کا خزینہ ہے، بندے کی کیا مجال کہ اس مضامین کو کما حقہٗ بیان کر سکے، امام فخر الدین رازی نے فرمایا، کہ میں اعوذ باللہ سے بارہ ہزار مسائل نکال سکتا ہوں، لوگوں نے تعجب کیا تو فرمایا کہ بارہ لاکھ مسائل اس سے نکل سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں شیطان سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے، کہ کفر و نفاق و ارتداد و گناہ سب کچھ شیطانی اغواء سے ہوتا ہے، شیطان سے پناہ مانگنا تمام کفریات اور گناہوں سے پناہ مانگنا ہے اور یہ لاکھوں سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح یہ فقیر بھی عرض کرتا ہے، کہ اس آیت سے لاکھوں کیا کروڑوں مسائل کا استنباط ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں فرمایا، کہ جو کوئی نیکی لائے گا، اُسے اچھا بدلہ ملے گا۔ نہ نیکیوں کی حد ہے، نہ بدلے کی انتہا انسان کے ظاہری، باطنی بہت سے اعضاء ہیں۔ اور ہر عضو کی ہزاروں نیکیاں، ایمان، عرفان، عشق و محبت، دل کی نیکیاں ہیں، اسی طرح قرآن، کعبہ، علماء کی صورت دیکھنا، عشق الٰہی میں رونا وغیرہ آنکھ کی نیکی ہے، کلمہ، قرآن درود شریف وغیرہ پڑھنا، تبلیغ دین وغیرہ زبان کی نیکی، ایسے ہی ہاتھ، پاؤں ناک، کان کی نیکیاں شمار سے باہر ہیں۔ پھر جنت کی نعمتیں، حوض کوثر، حور و قصور، غلمان، لقائے

رحمان، وہاں کی غذائیں وغیرہ بے شمار ہیں۔ اب کون بتا سکتا ہے، کہ کس نیکی کا بدلہ کونسی نعمت ہے غرضیکہ یہ دریا ناپیداکنار ہے، ہم اس صحبت میں شریعت و طریقت کے طور پر کچھ تفسیری اشارات کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرما کر توفیق عمل دے۔

(۱) چونکہ اس آیت سے پہلے قیامت کی ہیبت کا ذکر تھا۔ اب قیامت میں ہونے والے واقعات کا ذکر ہے گویا پہلے قیامت کی ابتدار کا ذکر تھا۔ کہ اس دن صور پھونکا جاوے گا۔ جس سے سب گھبرا جائیں گے اور پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ اب اس کی انتہاء کا تذکرہ ہے کہ قیامت کا انجام، بعض کا عذاب، اور بعض کی نجات ہے۔

نیز پہلے ارشاد ہوا تھا۔ کہ قیامت کا دن بہت گھبراہٹ کا دن ہے اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ یہ گھبراہٹ سب کے لئے نہیں، بعض کے لئے خوشی کا دن ہے اور بعض کے لئے غم کا، اس مناسبت سے یہ آیت یہاں لائی گئی۔

(۲) حسنہ کے لفظی معنے ہیں بھلائی، یہاں یا تو اس سے ایمان مراد ہے جو سب بھلائیوں کی جڑ ہے۔ یا اس سے نیک اعمال مراد ہیں، یا گناہوں سے توبہ، اگر ایمان مراد ہو تو خیر منھا کا من سببیہ ہوگا، یعنی جو ایمان کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ اُسے ایمان کی وجہ سے بہت خیر ملے گی، یہ مطلب نہیں، کہ ایمان سے بڑھ کر خیر ملے گی، کیوں کہ کلمہ اور ایمان میں اللہ و رسول کا ذکر ہے۔ اور جنت کی کوئی نعمت خالق کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی مخلوق بھلا خالق کے ذکر سے بڑھ جاوے (روح البیان یہ ہی مقام) اب آیت کا مقصد یہ ہوا۔ کہ آخرت کی ساری خیر ایمان پر موقوف ہے، کوئی بغیر ایمان وہاں کی خیر کی امید نہ رکھے۔

دوسری صورت میں جبکہ حسنہ سے نیک اعمال مراد ہوں، تو خَيْرٌ مِّنْهَا کا من مقابلہ کا ہوگا۔ یعنی جو کوئی نیکیاں لائے گا، اُسے اس کی نیکیوں سے بڑھ کر خیر ملے گی، کیونکہ نیکی

کرنا بندہ کا کام ہے، اور بدلہ دینا رب تعالےٰ کا کرم، اور ظاہر ہے کہ بندے کے کام سے رب کا کرم زیادہ ہونا چاہیئے بندہ کچھ بھی کرے، پھر بندہ ہے۔ اور رب، رب ہے۔ اس صورت میں خیر کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دنیاوی امیر اپنے نوکروں کو ہزارہا کام کے عوض ایک تنخواہ دیتے ہیں، نوکر مہینہ بھر ترکاری لائے، گھر صاف کرے، روٹی پکائے پاؤں دبائے۔ ہزارہا خدمات انجام دے مگر ان سب کا بدلہ کیا ہے۔ آخر ماہ میں پندرہ روپیہ، رب تعالےٰ کا یہ دستور نہیں۔ وہ کریم تو ایک کام کے لئے جزاء فرماکر ہر چیز کی ہزاروں جزائیں بخشتا رہتا ہے، مثلاً نماز ایک کام ہے چاہیئے تھا، کہ اس کی جزاء بھی ایک ہو۔ مگر نہیں، بلکہ رب کریم اس کی نیکی کے علیحدہ علیحدہ اجزا مقرر فرماتا ہے، اور ہر چیز کی علیحدہ جزاء مرحمت کرتا ہے۔

وضو ایک نیکی ہے، اس کی جزاء علیحدہ، اور مسجد کی طرف چلنا دوسری نیکی، مسجد میں داخل ہونا تیسری نیکی، مسجد میں بیٹھنا چوتھی نیکی جماعت کا انتظار کرنا پانچویں نیکی، نماز ادا کرنا چھٹی نیکی، دعا مانگنا ساتویں نیکی، پھر خود وضو ایک نیکی نہیں، بلکہ منہ دھونا ایک نیکی ہے اس کی جزاء علیحدہ ہے، ہاتھ دھونا، سر کا مسح کرنا، اور پاؤں دھونا علیحدہ علیحدہ نیکیاں ہیں، اسی طرح مسجد کو جانا ایک نیکی نہیں، بلکہ ہر قدم مستقل نیکی ہے جس پر گناہوں کی معافی اور ثواب کی عطا ہے۔ مسجد میں بیٹھنا اگر بہ نیت اعتکاف ہو تو اس کا ثواب بے شمار ہے۔ اسی طرح روزہ ہے، اس میں بھی سحری کھانا روزہ رکھنا، افطار کرنا علیحدہ علیحدہ نیکیاں ہیں۔ غرضیکہ رحمت الٰہی بہانہ چاہتی ہے۔ قیمت نہیں چاہتی۔

دوسرے یہ کہ دنیاوی امیر اپنے مزدوروں کو حتی الامکان کم اُجرت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سستا مزدور تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور مستقل نوکروں کو تھوڑا معاوضہ

دیتے ہیں۔ مگر رب تعالےٰ کی عطا کا یہ حال نہیں۔ وہ کریم زیادہ سے زیادہ جزائیں بخشتا ہے۔ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز کا ثواب پچیس گنا جامع مسجد میں پانچ سو گنا، مسجد نبوی میں پچاس ہزار گنا۔ حرم مکہ میں لاکھ گنا ثواب بخشتا ہے اور مستقل دائمی عبادت کرنے والوں کو بدلہ زیادہ بخشتا ہے۔

تیسرے یہ کہ دنیاوی بادشاہ اپنے بڈھے نوکر کی یا تو پنشن کرتے ہی نہیں، یا کرتے ہیں۔ تو بہت تھوڑی، مگر رب تعالےٰ بے دست و پا کمزور بندوں کی پوری پوری پنشن کرتا ہے کہ جو کوئی جوانی میں عبادت کرتا ہے جب بوڑھا ہو کر زیادہ وظائف و اعمال نہیں کر سکتا تو ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے صرف فرائض پر جوانی کی پوری عبادت کا ثواب لکھو۔

چوتھے یہ کہ رب تعالےٰ ہماری تھوڑی اور فانی عبادات پر بھی دائمی اور بڑی جزا بخشتا ہے۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں نہ مٹنے والی ہیں۔ ان وجوہ سے فرمایا گیا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا۔

تیسری صورت میں جب کہ حسنہ سے توبہ مراد ہو، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جو کوئی ہماری بارگاہ میں توبہ لے کر حاضر ہوگا۔ اُسے بہترین بدلہ ملے گا بہترین بدلہ رب تعالیٰ کی مغفرت اس کی رحمت ہے اگر بندے کی توبہ سے رب کی رحمت و کرم کہیں بڑھ کر ہے۔ دوزخ کی وہ آگ جو کسی پانی سے نہ بجھ سکے گنہگار کے آنسوؤں سے بجھ جاتی ہے۔ مگر وہ آنسو جو توبہ کے لئے اپنے گناہوں کو یاد کرکے رب کی رحمت پر نظر کرکے بہیں، توبہ اس ہیرے کی طرح ہے، جو کانچ کے بڑے دستوں کو کاٹ ڈالتا ہے یا توبہ اس سورج کی طرح ہے جس کی شعاعیں آناً فاناً برف کے پہاڑ اور بے شمار شبنم کو ختم کر دیتی ہیں، شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ؎

نہ ریزد خدا آبروئے کسے ، کہ ریزد گنہ آب چشمش بسے

رب تعالیٰ کبھی اُسے ذلیل نہ کرے گا۔ جو اپنے گناہوں سے روتا رہے۔

(۳) اہل طریقت اس آیت کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو کوئی اصل نیکی یعنی جنت کی چابی اپنے ساتھ لایا فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا اس کو بہت اجر ملے گا۔ گھر کی ہر چیز چابی والے کے قبضے میں ہوتی ہے، چابی اگرچہ دیکھنے میں لوہے کا ایک ٹکڑا ہے، مگر اس ٹکڑے میں گھر کا سارا اسباب اور خزانہ ہے، جنت کی چابی کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ اور ہر چابی میں دندانے ہوتے ہیں اس چابی کے دندانے چار ہیں پاک، زبان پاک دل، پاک پیٹ، پاک جسم۔ پاک زبان وہ ہے، جو غیبت جھوٹ سے محفوظ اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ پاک دل وہ ہے، جو کفر و شرک، بغض و حسد اور خیانت سے بچا ہُوا ہو۔ اور خشوع و خضوع عاجزی سے بھرا ہُوا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ پاک پیٹ وہ ہے جو ناپاک و حرام غذا سے محفوظ ہو۔ پاک جسم وہ ہے جو گناہوں سے بقدر طاقت بچا رہے۔

خیال رکھو، کہ گیلی لکڑی میں آگ اثر نہیں کرتی، پانی کی تری اُسے آگ سے بچاتی ہے ایسے ہی نیکیوں کی تری انسان کو دوزخ سے محفوظ رکھے گی۔ جو جسم حرام غذا سے پرورش پائے وہ آگ کو بہت جلد پکڑے گا۔ جیسے مٹی کے تیل میں بھیگی ہوئی خشک لکڑی۔

عارفین فرماتے ہیں، کہ حسنہ سے مراد رضائے الٰہی ہے۔ اور فلہ خیر منھا میں خیر سے مراد لقائے الٰہی ہے، یعنی جو کوئی ہمیں راضی کر کے آئے گا۔ اُسے ہم اپنا دیدار دیں گے، گویا رضائے یار دیدار یار کا ذریعہ ہے۔ امام ابو عبداللہ جدلی فرماتے ہیں، کہ میں ایک بار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں بتا دوں حسنہ کیا ہے۔ اور خیر کیا۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا حسنہ ہم اہل بیت کی محبت ہے

اور خیر ہماری محبت ہے۔ یعنی جو اہل بیت رسول اللہ سے محبت کرے گا۔ وہ اہل بیت بھی اس سے محبت فرمائیں گے۔ گویا ان حضرات کی محبت ہماری محبت کی جزا ہے (روح البیان) یہ تفسیر بہت لذیذ ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اگر حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہزار سلاموں پر ایک جواب عنایت فرما دیں۔ تو قسم رب کی ان تمام سلاموں کی اعلیٰ قیمت مل گئی۔

عاشقین فرماتے ہیں۔ کہ حسنہ کی حقیقت ہے احکام شریعت پر عمل، آداب طریقت کی توفیق ارباب حقیقت کی تربیت و تعلیم جسے رب تعالےٰ یہ تین نعمتیں نصیب کرے، وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ تو دنیا کی بھلائی ہے۔ آخرت کی بھلائی، عالم حقیقت تک رسائی ابدی دائمی بھلائی اور قیامت کی گھبراہٹ سے نجات ہے، رب تعالےٰ دین و دنیا کی بھلائی نصیب کرے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

خلاصہ مضمون یہ ہے۔ کہ جو کوئی بھلائی کرے گا۔ اُسے دو نعمتیں ملیں گی۔ ایک آخرۃ کی خیر جس کا ذکر خَیْرٌ مِّنْهَا میں ہوا۔ دوسرے قیامت کی گھبراہٹ سے نجات جس کا ذکر هُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ میں ہے۔ خیال رہے کہ انسان کو چند مصیبتیں اور بڑی گھبراہٹیں درپیش ہیں نزع کی گھبراہٹ میزان کی مصیبت۔ پل صراط کی آفت۔ اللہ کے نیک و مقبول بندے تو ان تمام مصیبتوں سے محفوظ ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ صور پھونکنے پر آسمان و زمین کی ساری مخلوق گھبرا جائے گی۔ سوائے خاص اولیاء اللہ کے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ان حضرات کے لئے یہ اوقات

خوشی کے ہوں گے مرتے وقت فرشتوں کی خوشخبریاں، دیدارِ مصطفیٰ حشر میں سایہ ہوش
پل صراط پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ سَلِّمْ فرمانے کی پیاری صدا،
انہیں کا ہے کا غم ہو۔

حکایت:۔ کسی شخص نے خواب میں حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی
زیارت کی۔ دریافت کیا۔ کہ میں نے ایک حدیث سنی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا۔ مومن کی جان ایسی آسانی سے نکالی جاتی ہے۔ جیسے خمیرے آٹے سے بال، کیا یہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے سارشاد فرمایا۔ ہاں، اس نے عرض کیا، کہ قرآن فرماتا
ہے۔ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نزع کی شدت نہایت ہی سخت
ہے۔ اس حدیث اور آیت میں مطابقت کیوں کر ہو۔ ارشاد فرمایا، اس کے جواب کے لئے
سورہَ یوسف پڑھو، آنکھ کھلی، فوراً قرآن کریم کھولا، ساری سورۃ یوسف کئی دفعہ پڑھی مگر
سوال حل نہ ہوا۔ علمائے وقت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا خواب سنا کر بولا۔ کہ میں نے
سورہَ یوسف بارہا بغور پڑھی مگر اس سوال کا جواب نہ پایا۔ ایک عالم نے غور کرکے فرمایا۔
بے شک تیرے سوال کا جواب سورہَ یوسف ہی میں ہے۔ وہ آیت پڑھو۔ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ
اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ
كَرِيْمٌ ۝ یعنی مصری عورتوں نے زلیخا کے گھر جب جمال یوسفی دیکھا۔ تو بجائے لیموں کے اپنے
ہاتھ چھری سے کاٹ لئے۔ اور وارفتگی میں بولیں۔ کہ یوسف علیہ السلام بشر نہیں فرشتہ ہیں۔
دیکھو ان عورتوں کے ہاتھ پر چھری چلی، ہاتھ کٹا، خون نکلا۔ درد ہوا۔ مگر جمالِ یوسفی سے ایسی
وارفتہ ہوگئیں۔ کہ نہ ہائے وائے کی۔ نہ روئیں چلائیں۔ بلکہ ہاتھ کٹتے رہے۔ اور نگاہ چہرۂ

پاک یوسف علیہ السلام پر رہی، اور زبان سے اُن کی مدح و ثنا کرتی رہیں۔

اسی طرح مومن کو مرتے وقت اگرچہ نزع کی شدت، جان کنی کی مصیبت۔ خروج روح کی کلفت سب کچھ ہوتی ہے۔ مگر اُس وقت اس کے سامنے جمالِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتا ہے۔ اب نقشہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ملک الموت اپنا کام کر رہے ہیں۔ مگر وہ اس جمال یار میں محو ہو کر کہہ رہا ہے۔ تمہاری چال کے صدقے۔ خدوخال کے قربان، رفتار پہ نثار، رخسار پر فدا، گفتار پر تصدق، بس یہ تو صدقہ اور قربان ہوتا رہا ادھر جان نکل گئی، قرآن شریف نے واقعی شدت نزع کا بیان کیا لیکن حدیث پاک نے احساس کی نفی کی۔ لہذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ غرضیکہ اولیاء اللہ تمام گھبراہٹوں سے محفوظ ہیں۔ رہے عام مسلمین انہیں اگرچہ نزع کی قبر و حشر کی گھبراہٹ اور وحشت ہوگی۔ مگر حساب جزار، صراط اور میزان کی وحشت نہ ہوگی۔ کیوں کہ انشاء اللہ تعالٰے ان کا حساب یسیر ہوگا۔ رب تعالٰے فرماتا ہے۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ جس کی نوعیت یہ ہوگی، کہ رب تعالٰے فرمائے گا: اے بندے تو نے یہ گناہ کئے؟ عرض کرے گا۔ مولٰے! کئے۔ فرمائے گا۔ دنیا میں تیری عیب پوشی کی۔ آج بخشتے ہیں۔ وہاں شانِ ستاری کی جلوہ گری تھی۔ یہاں شان غفاری کا ظہور ہے۔ مگر کفار سے فرمایا جائے گا۔ کیوں کئے کیوں کا کیا جواب، اس کیوں پر جو گھبراہٹ ہوگی۔ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے کفار کے لئے فیصلہ یہ ہوگا۔ انہیں ہمیشہ کیلئے جہنم میں لے جاؤ۔ اس فیصلہ پر جو گھبراہٹ ہوگی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ اسی طرح میزان پر۔ پلصراط پر اور دوزخ پر پہنچکر جب معلوم ہوگا۔ اب موت نہیں آنے کی۔ اس وقت کی گھبراہٹ ناقابلِ بیان ہے۔ ان گھبراہٹوں سے انشاء اللہ مسلمان محفوظ ہوں گے ؎

گر اس آقا کا ساتھ ہو جائے ۔ پھر تو جا تو نجات ہو جائے

اسی لئے ارشاد ہوا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝

فوائد:۔ یہاں تک ہم نے اس آیت کی مختصر سی تفسیر کی۔ اب فوائد بھی معلوم کرتے چلو۔

پہلا فائدہ۔ ہر شخص کو عمل وایمان کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی حال میں ان سے بے نیاز نہیں، اعلان فرمایا گیا کہ جو نیکیاں لائے گا۔ وہ خیر پائے گا۔ حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا۔ اے لخت جگر ایسا نہ ہو۔ کہ لوگ قیامت میں اعمال لائیں۔ اور تم اپنا نسب لاؤ، عمل کرو عمل کرو! حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب نماز کے لئے وضو کرتے۔ تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا۔ اے امام! نماز کے وقت آپ پر آثار خوف کیوں طاری ہوتے ہیں! فرماتے کہ مخلوق مجھے ابن رسول اللہ ابن علی کہہ کر پکارتی ہے اب خالق کی بارگاہ میں حاضری ہے جہاں پہلے عمل کی پوچھ ہے۔ نہ کہ نسب کی سه

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

دوسرا فائدہ:۔ انسان کو چاہیئے کہ نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دے اور گناہ معمولی سمجھ کر نہ کرے، معمولی نیکی اس تھوڑے پانی کی طرح ہے۔ جو کبھی پیاسے کی جان بچا لیتا ہے، اور معمولی گناہ اس چنگاری کی طرح ہے۔ جس سے کبھی گھر جل جاتا ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا۔ جو کسی قسم کی نیکی لائے گا۔ اسے اس کا اچھا بدلہ ملے گا۔

گناہ بھی دو قسم کا ہے۔ صغیرہ اور کبیرہ۔ اور نیکی بھی دو طرح کی ہے۔ صغیرہ و کبیرہ۔

محققین صوفیاء کے نزدیک گناہ کبیرہ وہ ہے، جسے انسان حقیر سمجھے، اور گناہ صغیرہ وہ ہے جسے مجرم بڑا سمجھے۔ ایسے ہی نیکی صغیرہ وہ جسے انسان بڑی سمجھے، اور نیکی کبیرہ وہ جسے انسان معمولی جانے۔ اپنی نیکی کو حقیر اور جرم کو بڑا سمجھنا علامت ایمان ہے۔ اور اپنی نیکی کو بڑا اور جرم کو ہلکا سمجھنا علامت نفاق ہے۔ قیامت کے دن آدم علیہ السلام اسی ایک گندم کھانے کا ذکر کریں گے۔ جس کی معافی ہو چکی۔ اور رب تعالیٰ سے حیا فرمائیں گے۔ اپنی عبادات کا ذکر تک نہ کریں گے۔ یہ ہے خطا کو بڑا اور نیکی کو ہلکا جاننا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی عشرہ مبشرہ میں داخل، حضور کے خسر، فاطمہ زہرا کے داماد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے جانشین اسلام کے غازی، دین کے پھیلانے والے ہیں۔ پھر مدینہ پاک کی سرزمین، مسجد نبوی، محراب نبی، نماز فجر میں شہید ہوئے۔ غرضیکہ ایسے صفات والے ہیں۔ جس کی مثال آسمان کے نیچے نہیں ملتی۔ مگر بوقت وفات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰے عنہ نے آپ کے فضائل بیان کئے۔ تو فرمایا، علی! یہ وقت فضائل بیان کرنے کا نہیں دعائے مغفرت کا ہے۔ میں تو اس پر راضی ہوں، کہ رب تعالٰے میری ان نیکیوں کو میری خطاؤں کا کفارہ بنا دے، اور لَا لِیْ وَلَا عَلَیَّ ہو جائے میں صرف چھٹکارے کو غنیمت جانتا ہوں، اللہ تعالٰے ان کاملوں کے طفیل ہمیں بھی کمال میں سے حصہ عطا فرما دے آمین،

یہ لوگ آخرت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہیں۔ ان کے لئے فرمایا گیا وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُوْنَ۔ غرضیکہ جو دنیا میں گھبرا گیا وہ آخرت میں مطمئن ہو گیا۔ اور جو دنیا میں مطمئن رہا، اسے وہاں بہت گھبراہٹ ہے دنیا میں خوف الٰہی سے رونا آخرت میں ہنسنے کا باعث ہے خوف کے آنسو اور جہنم کی آگ جمع نہیں ہو سکتی۔

تیسرا فائدہ۔ اگر انسان چاہے، کہ رب تعالےٰ میری مانے، تو اُسے چاہیئے۔ کہ وہ رب کی مانے ہم عملاً رب تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں، کہ ہماری کوئی دعا رد نہ ہو، یہاں فرمایا گیا، کہ جو کوئی خیر بھلائی یعنی رب تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔ اُسے اچھی جزاء یعنی رب تعالےٰ کی رضاء اور مقبولیت دعا ملے گی۔

حکایت:۔ ایک بزرگ کسی جگہ مجلسِ وعظ میں تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب نے بہت اعلےٰ اور لمبا چوڑا وعظ فرمایا، ان بزرگ کو جوش آگیا، اور کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ کہ صاحبو! مولوی صاحب نے مسئلے بیان کئے۔ میں مسئلوں کی ماں بتاتا ہوں، وہ یہ کہ تم رب تعالیٰ کی مانو، رب تعالےٰ تمہاری مانے گا، دیکھو رب تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا، کہ اپنے زن و فرزند کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ، عرض کیا بہت اچھا، پھر فرمایا، اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر ڈالو، عرض کیا، بہت اچھا، غرضیکہ ہر حکم پر بہت اچھا کہا، وجہ بھی نہ پوچھی، اب حضرت خلیل کی باری آئی، عرض کیا، کہ اب میں عرض کروں۔ تو قبول فرما۔ الٰہی جہاں میرا فرزند آکر رہا، وہاں شہر بسا دے، حکم ہوا۔ بہت اچھا، مولےٰ اس شہر میں پیداوار نہ ہو، حکم ہوا۔ بہت اچھا، عرض کیا، مولےٰ یہاں کے باشندے بھوکے نہ مریں، بلکہ دنیا کما تے۔ اور یہ لوگ کھائیں، فرمایا بہت اچھا، مولےٰ! نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم، میری نسل پاک سے پیدا ہوں حکم ہوا۔ بہت اچھا، غرض جلیل نے کہا، خلیل نے مانا، خلیل نے کہا، جلیل نے قبول فرمایا، لہٰذا ہم کو اطاعت لازم ہے۔

وعظ نمبر ۵۷

بُروں کی صحبت سے بچنے کا بیان

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ !

قرآن کریم کا معجزہ ہے، کہ تھوڑی اور مختصر سی عبارت میں بے شمار مضامین بیان فرما دیتا ہے، قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیتوں کی تفسیر کے لئے دفتر درکار ہیں اور اس کی ایک ایک آیت مسلمانوں کے لئے زندگی کا دستور العمل ہے۔

یہ جملہ چند کلمات کا مجموعہ ہے۔ مگر اس میں مسلمانوں کو اس چیز کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ جو ایمان و اعمال، اسی طرح کفر و طغیان اور بدعملیوں کی جڑ ہے، یعنی صحبت فرمایا گیا کہ ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو خیال رہے، کہ اچھی بری صحبت دیگر اعمال سے زیادہ مؤثر ہے، چند وجوہ سے۔

(۱) صحبت کا اثر روزے، نماز، زکوٰۃ وغیرہ سے زیادہ ہے، نماز سے انسان نمازی بن جاوے گا۔ اسی طرح جہاد سے غازی، حج سے حاجی اور علم سے قاضی ہو جاوے گا۔ مگر ان میں سے کسی عمل سے صحابی نہ بنے گا۔ غوث و قطب و ابدال، ولی، عالم نہ ہو سکے گا۔ صحابی وہ ہی ہوگا، جو پیغمبر کی صحبت پائے۔ تابعی وہ ہی کہلائے گا۔ جو صحابی کا صحبت یافتہ ہو اسی طرح عالم، صوفی وغیرہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ سے بن سکتا ہے۔ غرضیکہ صحبت کا فائدہ دیگر عبادات سے افضل ہے، مثنوی میں ہے ؎

یک زمانہ صحبت با اولیا ٭ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اسی طرح کفر و نفاق، ارتداد اکثر بری صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بدعملی کفر نہیں، مگر بری صحبت کا اثر کفر کا ذریعہ ہے۔

(۲) نیک اعمال صرف جن وانس ہی کر سکتے ہیں، اور یہ ہی اس کا فائدہ اٹھاتے ہیں، درخت، جانور، پتھر وغیرہ نہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ نہ حج نہ زکوٰۃ ادا کر سکیں۔ اُن کی تسبیح اور ہی قسم کی ہے، جس کی جزاء کچھ نہیں۔ اسی لئے جنت صرف انسانوں کے لئے ہے۔ مگر صحبت اور صحبت کے فائدے اور نقصان ہر مخلوق کو حاصل ہیں۔ لہٰذا صحبت کا اثر عام ہے۔ دیکھو جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا، وہاں ٹھہرنا، وہاں کی چیزیں استعمال کرنا ممنوع ہو گئیں۔ ایک بار صحابہ کرام نے قوم ثمود کے کنویں کے پانی سے آٹا گوندلیا، تو سرکاری حکم سے وہ آٹا پھینکوا دیا گیا۔ کیوں کہ اس میں عذاب والی قوم کے کنویں کا پانی شامل ہو گیا معلوم ہوا کہ بروں کی صحبت سے وہ زمین کا خطہ منحوس ہو گیا اسی لئے حاجی منٰی کو جاتے وقت اس میدان سے تیزی سے گذریں جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا۔ بت خانہ، شراب خانہ حمام وغیرہ میں نماز نہ پڑھنا چاہیئے۔ کہ یہ زمین بروں کی صحبت کی وجہ سے نماز کے قابل نہ رہی یہ تو بری صحبت کے آثار دیکھے۔ آؤ اب اچھی صحبت کے آثار بھی دیکھتے چلو۔

مدینہ پاک و مکہ مکرمہ کی زمین باقی زمین سے اعلیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے متصل ہے۔ عرش اعظم سے بڑھ کر ہے۔ کیوں؟ جسم اطہر کے فیض صحبت سے۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری حج کو جاتے ہوئے میدان قادسیہ سے گذرے، جہاں صحابہ کرام اور عیسائیوں کی مشہور لڑائی جنگ قادسیہ ہوئی، اونٹ پر سوار تھے۔ اچانک اونٹ سے کود کر ریت پر لوٹنے لگے، لوگ سمجھے، کہ حضرت کو گرمی ہو گئی، پانی لے کر دوڑے

ہاتھ منہ پر پھیرنے لگے۔ فرمایا، یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ کہ آپ کو گرمی لگ گئی، ٹھنڈک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں، فرمایا، نہیں، بلکہ یہاں کچھ عرصے پہلے حضرت خالد ابن ولید صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے دوڑے ہیں، ان گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو انوار نکلے ہیں، وہ آج تک ان ذرّوں میں جگمگا رہے ہیں۔ میں اُن ذرّوں پر اسی لئے لوٹ رہا ہوں، کہ رب تعالے ان انوار کی تجلیاں مجھے بھی عطا فرمائے۔ آمین

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہما سفر حج میں ہر اُس جگہ قیام فرماتے تھے۔ جہاں حضور انور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ امام بخاری نے حاجیوں کو اُن مقامات کا پتہ بتایا، جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ جس جگہ اللہ والے کا گذر ہو جاتا ہے وہاں کے در و دیوار ذاکر ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ اچھی بری صحبت کا اثر ہر مخلوق پر پڑتا ہے۔

(۳) اچھی صحبت کی برکت سے بُرا اچھا ہو جاتا ہے۔ اور بُری صحبت سے اچھا بُرا بن جاتا ہے۔ دیکھو کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا گویا خاندانِ نبوت کا ایک فرد تھا۔ مگر بُری صحبت میں پھنس کر کافر ہو گیا، جس کے بارے میں رب تعالے نے فرمایا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اے نوح علیہ السلام وہ آپ کا اہل بیت ہی نہیں کیوں کہ انه عمل غیر صالح اُس کے عمل اچھے نہیں، وہ بُروں کا صحبت یافتہ ہے۔ اور اصحاب کہف کی صحبت سے کتا قابلِ عظمت ہو گیا، کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ اب اس کتے کا ذکر نمازمیں، مسجد کی محراب میں، منبر پر وعظوں میں اچھی طرح ہو رہا ہے لہٰذا اُس کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔

عمل، جب کسی پر کتا حملہ کرے۔ تو یہی آیت پڑھے۔ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

بِالْوَصِیْدِ ، ان شاء اللہ کتے کے حملے سے محفوظ رہے گا۔ مجرب ہے۔

عمل ۔ جب کوئی شخص کسی مصیبت میں پھنسے، تو اصحاب کہف کا توشہ مانے، جب حاجت پوری ہو جاوے۔ تو توشہ پکائے اور سات نیک لوگوں کی جو حقہ نہ پیتے ہوں دعوت کرے، اور ایک کالے کتے سے دن میں کہدے، قطمیر آج ہمارے گھر تیری دعوت ہے فلاں وقت فلاں جگہ آجانا، انشاء اللہ تعالےٰ وقت مقررہ پر کتا اُس کے گھر آجاوے گا۔ اُسے بھی پوری خوراک دے۔

سبحان اللہ نیکوں کی صحبت کی برکت سے گندے کتے کو یہ درجات ملے۔ مفسرین فرماتے ہیں، چند جانور بشکل انسان جنت میں جائیں گے جیسے اصحاب کہف کا کتا، صالح علیہ السلام کی ناقہ عیسےٰ علیہ السلام کا دراز گوش، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناقہ قصواء وغیرہ۔

(۴) اچھی صحبت کی برکت سے بے عمل بھی متقین کے درجے پالیتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ؎

دیدم گلے تازہ چند دستہ ❊ بر گنبدے از گیاہ بستہ
گفتم چہ بود گیاہ ناچیز ❊ تا در صف گل نشیند او نیز
بگریست گیاہ وگفت خاموش ❊ صحبت نہ کند کرم فراموش!
گو نیست جمال و رنگ و بویم ❊ آخر نہ گیاہِ باغ اویم!

یعنی میں نے پھولوں کے چند گلدستے گھاس سے بندھے اچھے مقام پر دھرے ہوئے دیکھے، تو میں نے تعجب سے کہا، کہ یہ ناچیز گھاس گدھوں کی خوراک بھی پھولوں کے ساتھ بیٹھ گئی، تو گھاس رو کر بولی۔ اے سعدی، یہ نہ دیکھو کہ میں کون ہوں، یہ دیکھو، کہ کہاں کی ہوں، اگرچہ مجھ میں پھول کی سی رنگ و بو نہیں، مگر اُس کے باغ کی گھاس اور اُس کی صحبت یافتہ ہوں، پھول

درخت سے ٹوٹ کر مجھ پر گرتے تھے۔ جب وہ باغ سے چلے، تو مجھ سے بولے، کہ چل تو بھی ہمارے ساتھ اس صحبت کے فیض سے میں یہاں قالین اور غالیچوں پر بیٹھی، امیروں وزیروں کے ہاتھوں میں پہنچی۔

دیکھو تل اور اس کا تیل ایک معمولی اور بے قدری چیز ہیں، مگر جب تل کچھ دیر پھول کی صحبت میں رہ لئے، تو پھول کی طرح مہک گئے۔ اور ان کے تیل کا نام چنبیلی کا تیل ہوا، امراء، وزراء کے سر پر جگہ ملی۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا، کہ اچھی صحبت عطار کی دکان کی طرح ہے۔ کہ اگر تم وہاں سے عطر نہ بھی خریدو۔ تب بھی خوشبو ضرور پا لوگے۔ اور بری صحبت لوہار کی بھٹی کی طرح ہے۔ کہ اگر تم وہاں نہ بھی جلو، مگر کپڑے اور منہ ضرور کالے کر لوگے۔ غرضیکہ صحبت عجیب چیز ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

خیال رہے، کہ صحبت والا جتنا قوی ہوگا، اسی قدر صحبت کی تاثیر زیادہ ہوگی، نبی کی صحبت کی تاثیر اور ہے۔ ولی کی صحبت کی تاثیر کچھ اور علماء کی صحبت کی تاثیر اور ہے۔ صالحین کی صحبت کی تاثیر جداگانہ پھر سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی تاثیر کچھ اور ہی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحبت یافتہ بعض لوگ ایک آن میں عالم عارف حافظ. قاری وغیرہ بن گئے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ کرو۔

دیکھو کوئلہ کا رنگ کالا، شکل میں برا۔ چھونے میں ٹھنڈا ہوتا ہے مگر کچھ دیر آگ کی صحبت میں رہ کر اس کا رنگ آگ سا، نام اور کام سب آگ کی طرح ہوگیا۔

خیال رہے، کہ یہاں بدوں کے پاس بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے بیٹھنے سے مراد محبت

والفت کے طریقہ پر نشست و برخاست رکھنا ہے، تبلیغ یا تردید کے لئے بُروں کی مجلس میں بیٹھنا عین عبادت ہے۔ اگر علماء فضلاء بُروں کو اپنے پاس بیٹھنے کا موقع نہ دیں، تو ان کی اصلاح کیوں کر ہوگی۔ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بُروں کو اچھا، طالعین کو صالحین، کافرین کو مومنین بنایا، لیکن یہ اُن لوگوں کے لئے ہے، جو دوسروں کو فیض دے سکیں، عام مسلمان بُروں سے مطلقاً بچیں، کہ ممکن ہے۔ وہ ان کو اچھا نہ کر سکیں، بلکہ یہ اچھے خود بُرے بن جائیں۔ اسی طرح دنیاوی کاروبار میں کسی بے دین کے پاس اتفاقیہ بیٹھ جانا بُرا نہیں، ورنہ ریل کی سواری، تجارتی کاروبار سب بند ہو جائیں گے۔ کہ ان سب میں ضرورتاً ہندوؤں اور دیگر کفار کے پاس بیٹھنا پڑتا ہی ہے۔

یہ بھی خیال رہے۔ کہ صحبت کی چند صورتیں ہیں، صحبت[۱] جسمانی صحبت[۲] روحانی، صحبت[۳] ایمانی، صحبت[۴] عرفانی اور صحبت[۵] قلبی وغیرہ یہ آیت کریمہ ان تمام صحبتوں کو شامل ہے، صحبت جسمانی میں جسماً قرب ضروری ہے۔ اسی صحبت پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً صحابی وہ کہلائیں گے، جنہیں ایمان کے ساتھ حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس جسم سے حاضری نصیب ہوئی ایسے ہی تابعی وہ جو اس جسم کے ساتھ صحابی کے صحبت یافتہ ہوں روحانی قرب پر یہ احکام جاری نہیں، ورنہ ہر مسلمان صحابی ہونا چاہیئے۔ ہاں فیض ہر قسم کی قرب اور ہر طرح کی صحبت سے حاصل ہے، دیکھو لوط علیہ السلام کی بیوی اگرچہ عذاب کی رات لوط علیہ السلام کے ساتھ بستی سدوم سے نکل آئی تھی، مگر چونکہ اس کا دل اسی مجرم قوم کے ساتھ تھا، لہٰذا راستہ ہی میں ہلاک کر دی گئی، یہ صحبت روحانی اور دلی قرب ہؤا۔ حضرت اویس قرنی حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے جسماً دور رہے۔ مگر روح اور دل کے لحاظ سے قدم پاک پر حاضر رہے، لہٰذا قرن میں بیٹھے ہوئے مدینہ سے وہ فیض پایا

کہ سبحان اللہ۔

سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ اور گندی زمین اُس سے صدہا میل دور، مگر جب نورانی کرنوں سے اس طرف توجہ کرتا ہے، تو اس کی گندگی کو خشک کرکے پاک وصاف بنا دیتا ہے۔ جب آسمان کا، سورج اتنی دور سے گندی زمین کو پاک کر دے۔ تو اگر مدینہ کا سچا سورج ہم گندوں کو وہاں سے پاک وصاف فرمادیں، تو کیا تعجب ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

گرچہ صد مرحلہ دورم ز بہ پیش نظرم
وَجْهُهٗ فِیْ نَظَرِیْ كُلَّ غَدَاةٍ وَّعَشِیٍّ

حکایت۔ شرحِ قصیدہ بردہ میں امام خرپوتی فرماتے ہیں۔ کہ ابوجہل نے اپنے ایک یمنی دوست حبیب یمنی کو خبر بھیجی۔ کہ مکہ میں ایک نیا دین آیا ہے۔ جس کے پیغمبر نے تمام لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اس دین کی اس زور سے اشاعت ہو رہی ہے۔ کہ رو کے نہیں رکتی۔ جلد مکہ پہنچ، اور لوگوں کو اسلام سے روک، ورنہ ہمارے دین کی خیر نہیں۔ مکہ والوں پر تیرا احسان ہے۔ لوگ تیری مان لیں گے۔ وہ یہ خبر پاکر فوراً مکہ پہنچ گیا۔ ابوجہل نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی، اور یہاں کا سارا ماجرا بیان کیا، وہ بولا کہ یار بات یہ ہے۔ کہ دونوں فریق کی بات سن کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ میں نے تیری تو سن لی۔ مگر ضروری ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) سے بھی گفت گو کر لوں۔ دیکھ تو لوں وہ ہیں کیسے، ابوجہل گھبرا تو گیا، مگر کچھ کہہ نہ سکا۔

حبیب نے بارگاہ نبوی میں پیغام بھیجا۔ کہ میں یمن سے آیا ہوں۔ ملاقات چاہتا ہوں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر تشریف لائے۔ حضور کے تشریف لاتے ہی مجلس پر سناٹا چھا گیا، سب لوگ مرعوب ہو گئے۔ کسی میں لب کشائی

کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کار کچھ دیر کے بعد خود سرکار نے ارشاد فرمایا، کہ حبیب ہمیں کیوں بلایا ہے؟ وہ اور کچھ تو عرض کر نہ سکا، گھبرا کر بولا کہ میں نے سنا ہے۔ کہ حضور نبوت کے مدعی ہیں۔ انبیاء کے لیے معجزات چاہئیں۔ حضور کا معجزہ کیا ہے؟ فرمایا جو تو چاہے۔ عرض کرنے لگا جو میں چاہوں، فرمایا، ہاں، جو چاہے، اس نے عرض کیا، کہ دو چیزیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اس وقت چاند اپنی پوری روشنی پر ہے، اسے پھاڑ کر دو ٹکڑے کر دیئے جائیں، فرمایا کوہ صفا پر چل۔ یہ سارا مجمع صفا پہاڑ پر پہنچا۔ حضور نے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ فرمایا، پورا چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک پہاڑ کے اس طرف دوسرا اُس طرف، دوسرے اشارے پر پھر دونوں ٹکڑے مل کر یکساں ہو گئے۔ فرمایا، بول دوسری بات کیا ہے؟ عرض کرنے لگا۔ کہ حضور خود ہی بتائیں کہ میں دوسری بات کیا چاہتا ہوں۔ فرمایا، سن! تیری ایک بے دست وپا لڑکی ہے جس کے نہ ہاتھ ہیں، نہ پاؤں، نہ آنکھ، نہ کان، وہ تجھ پر بوجھ ہے۔ تو چاہتا ہے۔ کہ اُسے شفا ہو جائے۔ جا اُسے وہاں ہی شفا بخش دی گئی، یہ سن کر حبیب بے اختیار ہو گیا۔ اور کانپتی ہوئی آواز سے چیخا۔ اے ابوجہل سن لے! اے اُمیہ سن لے اور اے مکہ کے در و دیوار سن لو! میں صدق دل سے پڑھتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اب سے میں دین اسلام کا سچا مبلغ ہوں، یہ کہہ کر اپنے گھر خوشی خوشی روانہ ہوا، جب گھر پہنچا، تو رات کا وقت تھا دروازے پر دستک دی، وہ ہی بے دست وپا لڑکی دروازہ کھولنے کے لئے آئی باپ کو دیکھ کر پڑھنے لگی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حبیب بولا بیٹی تجھے یہ کلمہ کہاں سے ملا۔ تو کیسے اچھی ہو گئی؟ تو بزبانِ حال بولی سے

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے، تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل ہے اور نہ وہ دل ربا رہی جان سو وہ بھی بار ہے

فلاں رات کو میں سو رہی تھی، کہ کوئی چاند سے چہرے والے، سیاہ زلفوں والے خواب میں تشریف لائے، فرمایا کہ بیٹی تیرے باپ کو ہم مکہ میں کلمہ پڑھا رہے ہیں تو یہاں مسلمان ہو جا۔ پڑھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اٹھی تو تندرست تھی اور یہ کلمہ زبان پر جاری تھا۔ یہ صحبت روحانی یا ایمانی ہے۔ غرضیکہ قلبی تعلق بھی فیض کا ذریعہ ہے۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ ماں کا پیارا بچہ پردیس میں ہو۔ تو اگر وہ پردیس میں بیمار پڑے۔ تو ماں کے دل پر یہاں اثر پڑتا ہے کیوں کہ ماں کا دلی تعلق قائم ہے۔

غرضکہ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اچھوں کے پاس بیٹھیں، اچھوں سے الفت رکھیں، بُروں سے جسماً قلباً دور رہیں۔ بد مذہبوں کے جلسوں میں جانا بھی حرام ہے، کہ اس آیت کے حکم میں یہ بھی داخل ہے، خیال رہے کہ کسی کی تصنیف دیکھنا، اس کے مضامین پڑھنا، اور اس کے چاہنے والوں کے پاس بیٹھنا بھی ایک قسم کی صحبت ہے، بد مذہبوں کی دینی کتابیں پڑھنا ان کے ساتھیوں سے الفت رکھنا اس آیت کے رو سے ناجائز ہے کیونکہ جیسے کسی کی ظاہری صحبت اثر کرتی ہے۔ ایسے ہی اس کی تقریر وغیرہ بھی مولانا فرماتے ہیں ؎

تا توانی دور شو از یار بد! • یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند • یارِ بد بر دین و بر ایماں زند

بُرے یار کی صحبت بُرے سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، کہ برا سانپ صرف جان لے گا۔ اور بُرا یار دین و ایمان برباد کر دے گا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم پر کسی کی صحبت کا اثر پڑے گا ہی نہیں ہمارا ایمان نہایت مکمل ہے خواہ ناول پڑھیں یا سینما دیکھیں، بد مذہبوں کے جلسوں میں جائیں، یا جسے چاہیں اپنا یار بنائیں، وہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان پیغمبر زادہ تھا،

مگر صحبت کفار نے اُسے کافر بنا دیا، یہ لوگ پیغمبر زادے تو نہیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار توریت کا نسخہ بارگاہ نبوی میں لاکر حضور کو سنانے لگے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور متغیر ہونے لگا، صدیق اکبر نے فرمایا کہ اے عمر تمہیں تمہاری ماں روئے، کیا تم نہیں دیکھتے، کہ حضور کے چہرہ پاک پر غضب کے آثار نمودار ہیں۔ تب حضرت فاروق نے عرض کیا۔ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہمارے پاس کیا نہیں ہے۔ جو تم بگڑی ہوئی توریت میں ڈھونڈتے ہو۔ قسم رب کی اگر موسیٰ علیہ السلام بھی آج زندہ ہوتے (ظاہری زندگی) تو انہیں ہماری اطاعت کرنا پڑتی۔ دیکھو حضرت عمر جیسی ہستی جن سے شیطان بھاگتا ہے انہیں توریت پڑھنے سے منع فرما دیا۔ حالانکہ وہ کلام الٰہی تھا۔ اگرچہ بگاڑ دیا گیا تھا، تو کیا ہم لوگ حضرت عمر سے زیادہ کامل ایمان رکھتے ہیں؟ یا آج کل کے عام ناول و بدمذہبوں کے رسالے بگڑی ہوئی توریت سے زیادہ افضل ہیں کہ ہم بالکل ہی احتیاط نہ رکھیں۔

خیال رکھو کہ دولت وہ ہی محفوظ رکھ سکتا ہے، جو چوروں سے دور رہے، صحت وہ ہی بچا سکتا ہے جو طاعونی علاقوں میں نہ جائے۔ ایسے ہی دولت ایمان وہ ہی محفوظ رکھ سکتا ہے، جو ایمان کے چوروں سے بچے ؎

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے ٭ تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے مت ہی تیری نرالی ہے

شیخ سعدی نے فرمایا ؎

نگہدارد آں شوخ در کیسہ دُر ٭ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

وعظ نمبر ۵۸

والدین سے احسان کا بیان

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

یہ آیت کریمہ عبادات اور معاملات کی جامع ہے، انسان کی کامل زندگی یہ ہی ہے کہ اس کے عبادات بھی درست ہوں اور معاملات بھی ٹھیک، یا یوں سمجھو کہ انسان کے دو قسم کے رشتے ہیں، روحانی اور جسمانی، روحانی رشتہ اللہ سے، پیغمبر سے، استاد سے، مشائخ سے، بزرگان دین سے ہے کہ اللہ کا بندہ ہے، رسول کا امتی ہے، دینی استاد کا شاگرد ہے اور شیخ کا مرید ہے۔ بزرگوں کا معتقد ہے جسمانی رشتہ ماں باپ سے، بھائی بہن سے، خالہ ماموں سے، دیگر اہل قرابت سے بیوی بچوں سے ہے، کہ ماں باپ کا بیٹا ہے، بہن کا بھانجہ ہے، اہل قرابت کا قریبی ہے بیوی کا شوہر ہے، بچوں کا باپ ہے۔ کامل شخص وہ ہے جو سارے رشتوں کے حقوق ادا کر کے جاوے، انسان اس ڈاکیہ کی طرح ہے جو ڈاک خانہ سے حقوق کی گٹھڑی لیے ہوئے نکلتا ہے۔ کسی کا خط، کسی کی رجسٹری، کسی کا منی آرڈر، کسی کا بیمہ اسے ادا کرنا ہے، کامیاب ڈاکیہ وہ ہے جو سب کی ڈاک پہنچا کر ڈاک خانہ میں واپس ہو اگر ایک کا حق مار دیا گیا، جیل گیا۔

اس آیت میں اَلَّا تَعْبُدُوْٓا میں عبادات کا بیان ہے اور وبالوالدین احسانًا میں معاملات کا چونکہ روحانی رشتوں میں رب تعالٰی کے ساتھ رشتہ بہت قوی ہے کہ رب خالق رازق ہے اور جسمانی رشتوں میں ماں باپ کا رشتہ نہایت مضبوط ہے کہ ماں باپ اولاد کے وجود کا سبب ہیں اور پرورش کا ذریعہ دوسروں سے رشتہ ماں باپ کی طفیل ہے، کہ ماں کی بہن خالہ کہلائی، باپ

کی بہن پھوپھی، ماں کے والدین نانا نانی بنے، باپ کے ماں باپ دادا دادی کہلائے وغیرہ نیز اگر ماں باپ پال پوس کر اسے جوان نہ کر دیتے۔ تو یہ کسی کا شوہر اور کسی کا باپ کیسے بنتا اسی طرح رب کے رسول ہمارے نبی ہوئے، اس کے مقبول بندے ہمارے آقا، نیز اگر رب ہم کو پیدا ہی نہ کرتا، تو ہم نہ کسی کے مرید بنتے نہ پیر، اس مناسبت سے رب کی عبادت والدین کی اطاعت ساتھ مذکور ہوئیں۔

خیال رہے کہ امر اور حکم ہر معمولی اور اہم ہلکے اور بھاری حکم کو شامل ہے مگر تقاضاء اور وصیت ایسے ہی اہم حکم کو کہا جاتا ہے۔ جس کی اپیل ناممکن ہے حق تعالٰے نے عبادت اور ماں باپ کی خدمت کے لئے یہاں قضٰی فرمایا اور دوسرے مقام پر وصیت وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا جس سے پتہ لگا۔ کہ یہ دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں۔ یہ بھی خیال رہے، کہ رب کی عبادت میں انبیاء کی فرماں برداری اور بزرگانِ دین کی اطاعت داخل ہے، اور والدین کی اطاعت میں نانا نانی، دادا دادی بلکہ تمام اہل قرابت سے سلوک کرنا شامل ہے۔ جس سے رب راضی ہو وہ عبادت ہے، اور جس سے ماں باپ کا دل خوش ہو وہ خدمت والدین ہے، اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی اطاعت سے رب خوش ہوتا ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، اور قرابت داروں سے سلوک کرنے سے ماں باپ کا دل خوش ہوتا ہے، لہٰذا یہ آیت عبادات اور معاملات کا مکمل بیان ہے، اب ہم عرض کرتے ہیں، کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی کیا صورت ہے اور اس کے فضائل کیا ہیں۔

ماں باپ کی خدمت کی کوئی حد ہی نہیں، اولاد کبھی بھی ان کے حق سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مگر خدمتِ والدین کے کچھ اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ جن سے ہزارہا جزئیات حاصل ہو سکتے، ان اصول کو خیال میں رکھو اور عمل کی کوشش کرو۔

یاد رہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک دو طرح کے ہیں، ایک ان کی زندگی میں دوسرے ان کی وفات کے بعد، زندگی میں سلوک تو یہ ہیں کہ کبھی اُن کو نام لے کر نہ پکارو، کبھی ان سے اشرف مقام پر نہ بیٹھو، اور انہیں ذلیل جگہ نہ بٹھاؤ اُن کے ہر جائز حکم کی اطاعت کرو، حتیٰ الامکان اُن کی ضروریات پر روپیہ خرچ کرو، خیال رہے، کہ حاجتمند والدین کو خرچ دینا واجب ہے، اور غنی ماں باپ پر خرچ کرنا بہت اچھا، اور باعث برکت ہے، اگر ماں باپ غلام ہوں تو اُنہیں آزاد کراؤ۔ اگر مقروض ہوں، توان کا قرض ادا کرو۔ اگر کافر ہوں تو نرمی سے ہدایت پر لاؤ، اگر بدعمل ہوں تو کوشش کر کے انہیں دیندار بناؤ ہمارے نبی نے تو اپنے والدین کو اُن کی وفات کے بعد زندہ کر کے کلمہ پڑھایا، اور انہیں اپنا صحابیؓ اور اس اُمّت کا ولی بنایا، اگر ماں باپ بدعملی سے باز نہ آئیں تو بھی ان کے حقوق مادری ادا کرو۔ علماء فرماتے ہیں، کہ کافر ماں کو مندر نہ پہنچاؤ۔ لیکن اگر وہ اندھی، یا بے دست وپا ہو تو اُسے مندر سے گھر لے آیا کرو (روح البیان) سورۃ عنکبوت، ہوسکے تو انہیں حج کراؤ خود اپنے ہاتھ پاؤں سے خدمت کرو پاؤں دباؤ، ان کے کپڑے دھوؤ۔

حکایت ۔ موسےٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، کہ مولیٰ جنت میں میرا ساتھی کون ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ فلاں شہر کا قصائی جس کا نام یہ ہے، آپ سفر کر کے اس کی دکان پر پہنچے، دیکھا تو وہ گوشت بیچ رہا ہے، بہت دیر تک اس کے اعمال میں غور کیا، کوئی خاص نیکی نہ دیکھی، خیال فرمایا، کہ دکان کی زندگی تو میں نے دیکھ لی، اس کی خانگی زندگی بھی دیکھنی چاہیئے۔ فرمایا کہ آج ہم تیرے مہمان ہیں، اس نے عرض کیا بہت اچھا اور گھر کہلا بھیجا، کہ آج ایک آدمی کا کھانا زیادہ پکاؤ، ایک مہمان بھی ہے، شام کو فارغ ہو کر حضرت کو اپنے گھر لے آیا، آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اس نے گھر پہنچ کر کسی کی طرف توجہ نہ کی، سب سے پہلے روٹی شوربہ میں ملی، اور چارپائی پر

ایک بہت ہی ضعیفہ عورت پڑی تھی، اولاً اس کا ہاتھ منہ دھلا کر چمچہ سے تھوڑی دہ بلی ہوئی روٹی اُس کے منہ میں ڈالی، اسی طرح برابر کھلاتا رہا، یہاں تک کہ اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بس، پھر چمچہ ہی سے پانی پلایا اور اُس کا منہ صاف کیا۔ اس بوڑھیا نے کھانا کھا کر کچھ ہونٹ ہلائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے منہ پر کان رکھ کر سنا، تو کہہ رہی تھی کہ مولیٰ میرے اس نیک بخت بچہ کو جنت میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رکھنا، تب آپ نے اس قصائی کو بشارت دی کہ مبارک ہو تیری ماں کی دعا تیرے لئے قبول ہے، تو جنت میں میرا ساتھی ہے۔ خیال رکھو کہ اولاد کتنی ہی خدمت کرے مگر ماں باپ کے حق سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

حکایت:۔ ایک شخص نے اپنی ماں کو سات حج کندھے پر لے کر کرائے یعنی عرفات منیٰ مزدلفہ وغیرہ پر کندھے پر لے گیا، ساتویں حج میں خیال آیا کہ شاید اب میں نے حق مادری ادا کر دیا ہوگا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے شخص ایک رات سخت سردی تھی، تو چھوٹا بچہ تھا۔ اپنی ماں کے پاس سو رہا تھا۔ کہ تو نے پاخانہ کر دیا، ماں نے رات میں اُٹھ کر بستر دھویا، غریبی کی وجہ سے دوسرا بستر نہ تھا۔ اسی گیلے بستر پر خود سوئی، اور تجھے رات بھر اپنے سینہ پر رکھا ابھی تو اس کی ایک رات کا حق ادا نہیں کر سکا۔

جس کی خدمت سے ماں باپ خوش ہوں ان سب کی خدمت کرو۔

مسئلہ اگر بیٹا نفل نماز پڑھ رہا ہو اور ماں کو خبر نہ ہو، وہ بے خبری میں پکارے تو چاہیے کہ نفل نماز توڑ کر ماں کی خدمت کرے، پھر نفل کی قضا کرے (شامی)

حکایت:۔ حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ جریج ایک دن اپنے عبادت خانہ میں نماز پڑھ رہا تھا، کہ اس کی ماں نے پکارا، یہ نماز کی وجہ سے ماں کو جواب نہ دے سکا۔ اس نے کئی آوازیں دیں، جواب نہ دیا، بددعا کی، مولیٰ جریج کو کسی رنڈی کی مصیبت

میں پھنسا دے، یہ کہہ کر چلی گئی۔ اتفاقاً ایک چرواہی عورت نے حرام کا بچہ جنا، لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ وہ بولی، جریج کا اس نے مجھ سے زنا کیا، اس کا یہ بچہ ہے، لوگوں نے جریج کو بہت مارا، اور اس کا عبادت خانہ گرا دیا، اور کہا کہ تو عابدوں کی شکل میں زانی ہے جریج نے وضو کیا۔ اور بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اے بابوس اُس رب کے حکم سے بول۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری۔ کہ تو کس کا ہے۔ وہ حکم الٰہی بولا کہ فلاں چرواہے کا ہوں۔ تب سب لوگ یہ کرامت دیکھ کر اس کے پاؤں چومنے لگے، اور بولے کہ ہم تیرا عبادت خانہ سونے کا بنا دیں، جریج نے کہا نہیں جیسا مٹی کا تھا ویسا ہی بنا دو۔

دیکھو جریج جیسا عابد و زاہد ماں کی بددعا کا شکار ہو گیا، مگر چونکہ عابد اور بے قصور تھا۔ اس لئے بعد کو نجات پا گیا۔

مسئلہ، چند بچوں نے بچپن میں کلام کیا، عیسےٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والے بچہ نے، حضرت آسیہ کی خادمہ کے بچہ نے جسے فرعون نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا۔ اور وہ چیخا، کہ اماں یہاں جلد آ یہاں جنت ہے۔ جریج کے اُس بچہ نے بنی اسرائیل کے اس شیر خوار بچہ نے جس نے ماں کا پستان چھوڑ کر کہا کہ زاہد غریب، فاسق بادشاہ سے بھی افضل ہے۔ یہود کے اُس بچہ نے جو اپنے ماں باپ کو لے کر بارگاہِ نبوی میں آیا۔ اور بزبانِ فصیح عرض کیا، مثنوی

گفت کودک سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْكَ ⁂ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جِئْنَا اِلَیْكَ

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی رب کی حمد اور سجدہ کیا مگر کسی انسان سے کلام نہ فرمایا، غرضکہ ماں باپ کو ہر حال میں خوش رکھے اُن کی دعائیں لے، یہ دونوں جنت کے کھلے ہوئے دروازے ہیں، ان کی دعا سے ہزار ہا بلائیں ٹل جاتی ہیں۔

حکایت:۔ مجھ سے مدینہ منورہ میں ایک بزرگ نے فرمایا، کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر بے کھٹک حاضری دیا کرتے تھے، ایک روز جو حاضر ہو کر رب سے ہم کلام ہوئے، تو ارشاد ربانی ہوا کہ اے موسیٰ بہت احتیاط سے یہ راستہ طے کیا کرو۔ کہ اب تک تمہاری والدہ حیات تھیں۔ ان کی ظاہری دعائیں آپ کے شامل حال تھیں، اب وہ وفات پا چکیں، وہ سایہ آپ پر نہیں رہا، احتیاط لازم ہے۔

ماں باپ کو محبت و پیار سے دیکھنا عبادت ہے۔

مسئلہ:۔ چند چیزوں کا دیکھنا عبادت، قرآن کو، کعبہ کو، عالم دین کے چہرے کو، ماں باپ کو، اسی طرح ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومنا ثواب ہے

حکایت:۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے ایک روایت نقل کی کہ ایک صحابی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کرنے لگے، کہ میں نے نذر مانی تھی، کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا۔ تو جنت کی اوپر نیچے والی چوکھٹ چوموں گا، اب رب کے فضل سے میرا کام ہوگیا، نذر کیسے پوری کروں؟ فرمایا تو اپنی ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی چوم لے، ماں کا پاؤں جنت کی نچلی چوکھٹ ہے۔ اور باپ کی پیشانی جنت کی اوپر والی چوکھٹ ہے دوسرے صحابی نے عرض کیا، کہ یا حبیب اللہ اگر اس کے والدین وفات پا گئے ہوتے، تو یہ نذر کیسے پوری کرتا؟ فرمایا پھر اپنی ماں کی قبر کی پائتی اور باپ کی قبر کا سرہانہ چوم لیتا۔ دیکھو اس حدیث کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں۔

جو علماء قبر کے بوسہ سے روکتے ہیں، وہ بھی والدین کی قبر کا بوسہ جائز فرماتے ہیں، دیکھو عالمگیری اور شامی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِکُمْ۔ یعنی جنت تمہاری ماؤں

کے قدموں کے نیچے ہے اور فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے چونکہ ماں نے نو ماہ اپنے پیٹ میں رکھا۔ اور دو سال اپنا خون پلا کر بچہ کو پالا، مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ اس لئے اس کا حق زیادہ رکھا گیا، اور باپ نے صرف زر پلا کر پرورش کیا۔ لہٰذا اس کا درجہ ماں سے کم رکھا گیا، ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ماں کا حق باپ سے سات گنا زیادہ ہے۔

وفات کے بعد والے سلوک

حسبِ ذیل ہیں۔ ماں باپ کا کفن دفن اپنے ہاتھ اور اپنے مال سے کرے۔ بعد موت ان کا قرض ادا کرے، جس سے جو کوئی وعدہ کر گئے، اُسے پورا کرے، تقریباً ہر نماز کے بعد اُن کے لئے دُعائے مغفرت کرے، اکثر انہیں تلاوت قرآن اور صدقہ وخیرات کا، ثواب پہنچاتا رہے، کم از کم ہر ہفتہ اُن کی قبر کی زیارت کیا کرے، اگر جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ زیارت کیا کرے، تو زیادہ بہتر، خصوصاً متبرک تاریخوں میں ضرور زیارت کرے، جیسے پندرھویں شعبان۔ عید، بقر عید وغیرہ اُن کے دوستوں اور ان کی سہیلیوں کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھے اور اُن کے ساتھ سلوک کیا کرے۔

حکایت:۔ ایک بار سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما خچر پر سوار جا رہے تھے، کہ سامنے سے ایک بدوی آیا، آپ اُسے دیکھ کر خچر سے اتر پڑے اور بہت تعظیم سے پیش آئے، اپنی پگڑی اور کچھ نقدی دے کر اُسے رخصت کیا لوگوں نے پوچھا یہ کون تھا۔ فرمایا یہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کا دوست تھا۔ اور میں نے حضور سے سنا ہے۔ کہ فرماتے تھے کہ باپ کے دوست کو باپ کی طرح سمجھو، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کی طرف سے قربانی فرما کر ان کی سہیلی عورتوں کو

بھیجتے تھے۔

حکایت:۔ تواریخ میں ہے، کہ ایک جنگ میں کچھ عورتیں گرفتار ہوئیں ان میں سے ایک عورت نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تمہارے لشکر کا امیر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس لشکر کی کمان خود آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے، بولی، وہ کہاں تشریف فرما ہیں؟ فرمایا، اپنے خیمہ میں عرض کرنے لگی، کہ مجھے ان کے پاس لے چلو! انہوں نے فرمایا تجھے اُن سے کیا کام ہے؟ بولی انہیں سے عرض کروں گی، غرضکہ اس کو مع چند دیگر عورتوں کے بارگاہِ عالی پیش کیا گیا، یہ سب عورتیں رسی سے بندھی ہوئی سامنے کھڑی ہیں، اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ کہنے لگی یا حبیب اللہ آپ مجھے پہچانتے ہیں میں کون ہوں فرمایا تو ہی بتا؟ بولی میں دائی حلیمہ کی دودھ کی بیٹی ہوں، میں نے بھی وہ ہی پستان چوسے ہیں جو کبھی آپ کے لبوں سے متبرک ہوئے تھے، یہ سنتے ہی تمام صحابہ کرام بلکہ حضور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی، اور فرمایا کہ اسے اور اس کی تمام ساتھی عورتوں کو چھوڑ دو، اور ہر ایک کو اونٹ دغلّہ وغیرہ عنایت فرمایا۔

رب تعالےٰ ہم کو اہل حقوق کے حق ادا کرنے کی توفیق دے، آمین۔ ثم آمین۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت حلیمہ دائی جو صرف دودھ کی ماں تھیں، ان کی وہ تعظیم وتوقیر فرمائی، جو آج ہم حقیقی ماں کی اتنی توقیر نہیں کرتے۔

حکایت:۔ ایک بار مجمع صحابہ ہے، دربار نبوی لگا ہوا ہے۔ حضور اُن کے درمیان ایسے جلوہ گر ہیں۔ جیسے تاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند، گویا آج عرش سے فرش پر قدسی اتر آئے ہیں، کہ اچانک ایک بی بی، سر سے پاؤں تک، چادر میں ملبوس تشریف لائیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو گئے۔

اور ان کے لئے اپنی چادر پاک بچھادی، دیکھنے والے حیران تھے، کہ خدایا یہ کون خوش نصیب بی بی ہیں، کہ حضرت جبرئیل بلا اجازت بارگاہ میں حاضری کی جرأت نہیں فرماتے، اور ان کو ایسی باریابی حاصل ہے، کہ چادر پاک ان کے لئے بچھائی جاتی ہے، جب تک وہ تشریف فرما ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کرم انہیں کی طرف رہی، کسی طرف التفات نہ فرمایا جب وہ چلیں، تو ان کو دور تک وداع فرمایا، عرض کیا گیا، کہ حضور یہ کون تھیں، فرمایا، یہ میری ماں حلیمہ تھیں رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔ رب تعالےٰ حلیمہ رض کے قدم پاک برکت سے ہمیں خدمت والدین کی توفیق دے ۔

بڑی تو نے توقیر پائی حلیمہ ۔ کہ ہے تو اس آقا کی دائی حلیمہ

علماء فرماتے ہیں، کہ تمام اعمال کی سزا یا جزاء آخرت میں ملے گی۔ مگر ماں باپ کی فرماں برداری یا نافرمانی کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور آخرت میں بھی، کہ ماں کا خدمت گذار ہمیشہ مزے میں رہتا ہے، اور نافرمان ہمیشہ مصیبت میں، ماں کی بددعا سے خاتمہ خراب ہونے کا سخت خطرہ ہے اور جیسا ہم اپنے ماں باپ سے سلوک کریں گے، ویسا ہی سلوک ہماری اولاد ہم سے کرے گی۔

حکایت: کسی نالائق نے اپنی بیوی کے کہنے میں آکر اپنے باپ کو گھر سے نکال دیا۔ باپ نابینا اور بہت ضعیف بوڑھا تھا۔ اس کم بخت کا بیٹا اپنے دادا سے بڑی محبت کرتا تھا، وہ بھی دادا کے ساتھ نکل کھڑا ہوا، لاکھ سمجھایا مگر نہ مانا، کچھ دور جا کر بولا، کہ دادا میاں رات کو سخت سردی ہوگی اوڑھو گے کیا؟ بڈھا بولا، بیٹا! میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، کہ میرے ساتھ نہ چل وہ بولا ٹھہر جاؤ، میں گھر سے لحاف لے آؤں، آ کر ضد کرنے لگا۔ کہ دادا کو لحاف دو، باپ نے مجبور ہو کر پھٹا سا کمبل دیا، وہ بولا کہ اس کے دو حصے کردو، آدھا میاں رکھو اور آدھا

مجھے دو، باپ بولا کیوں؟ بچہ نے کہا، آج تم اپنے باپ کو پھٹا ہوا کمبل دے کر نکال رہے ہو، کل جب تمہارا بڑھاپا، اور میری جوانی کا زمانہ آئے گا۔ تو میں بھی تمہیں یہ آدھا کمبل دیکر نکالوں گا، تب باپ کی آنکھیں کھلیں، تو اس نے بوڑھے باپ سے معافی چاہی۔

خیال رہے، کہ ماں باپ کی اطاعت بے شک ضروری ہے، مگر جب وہ ناجائز کام کا حکم دیں۔ اگر حرام کاری یا کفر کا حکم کریں، یا ایمان و فرائض اعمال سے روکیں، تو اُن کی ہرگز نہ مانے، ماں باپ ہی کیا اُستاذ پیر، سلطانِ اسلام سب کا یہی حکم ہے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے۔ وان جاهداك لتشرك بى ماليس لك به علم فلا تطعهما خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرے۔ اس کی چند وجہ ہیں، اطاعت بقدر احسان واجب ہے۔ دیکھو ماں کا احسان باپ سے زیادہ ہے، اس ہی لئے ماں کا حق باپ سے سات گنا زیادہ قرار دیا گیا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اور ماں باپ کا احسان بھائی، چچا سے زیادہ اس لئے ان کا حق زیادہ اسی قاعدے سے، اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ماں باپ سے لاکھوں گنا زیادہ ہے، لہٰذا ان کا حق بھی تمام سے زیادہ ہونا چاہیئے، ماں باپ سے اولاد کا تعلق پیدائش سے قائم ہوا، اور مرتے وقت ہی ختم ہو گیا۔ مگر اللہ رسول سے تعلق عالم ارواح میں بھی تھا، اور نزع قبر، حشر، جنت وغیرہ میں ہر جگہ رہے گا، لہٰذا یہ دائمی ہے وہ عارضی نیز ماں باپ اولاد کو لالچ و غرض سے پالتے ہیں۔ کہ بڑھاپے میں کام آئے، ہمارے گھر کا چراغ بنے۔ اللہ و رسول بغیر کسی غرض کے احسان فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کونسی غرض تھی، کہ رات بھر ہمارے لئے جاگے، ہمارے لئے گریہ زاری فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم، نیز ماں باپ اول تو پالتے اور کھلاتے ہیں۔ مگر بڑھاپے میں پلتے اور اولاد کی کمائی کھاتے ہیں۔ اللہ رسول ہمیشہ نعمتیں کھلاتے ہیں، کبھی ہم سے اپنے لئے مانگتے نہیں۔

نیز ماں باپ کے ذریعہ ہمیں صرف جسم ملا، مگر اللہ رسول نے لاکھوں نعمتیں دیں، رب نے جان دی، رسول نے ایمان دیا، رب نے ایمان بخشا، رسول نے عرفان عطا فرمایا، رب نے بولنا سکھایا، رسول نے قرآن اور کلمہ پڑھایا، رب نے جہنم بنایا، رسول نے ہمیں جہنم سے بچایا رب نے جنت بنایا، رسول نے اُسے بسایا، جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم غرض کس زبان میں طاقت ہے کہ اس کے احسانات شمار کر سکے، لہٰذا، ماں باپ کی اطاعت انہی احکام میں ہوگی جو شریعت سے ٹکرا نہ جائیں، ورنہ لاکھوں ماں باپ حضور کے قدم پاک پر قربان، اُن کے مقابل کیسا حقیقت ہے، ماں اور باپ یا کسی اور کی۔ لہٰذا اگر ماں باپ نماز، روزہ، حج، فرض ادائے زکوٰۃ سے روکیں، یا ایمان سے باز رکھیں، تو ان کی مخالفت ضروری ہے۔ یہ بھی خیال رہے، کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مطلق مطاع ہیں، یعنی ان کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ خواہ وہ حکم قرآن و حدیث کے خلاف ہی ہو، ماں باپ مطاع مقید ہیں، کہ اگر ان کا حکم موافق شریعت ہو، تو اطاعت ضروری، ورنہ مخالفت لازم۔ نبی اور دیگر بزرگوں کی اطاعت میں یہ فرق ہے کہ اگر حضور کسی کو ایسا حکم دیں۔ جو بظاہر خلاف قرآن ہو، تو کہا جاوے گا۔ کہ یہ شخص اس حکم قرآنی سے مستثنےٰ، دیکھو حضرت علی کو فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرما دیا، تو حضرت علی نے یہ نہ کہا کہ قرآن تو فرماتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع یعنی مردوں کو چار بیبیاں رکھنے کی اجازت ہے۔ مجھے اس اجازت سے فائدہ حاصل کرنے کی ممانعت کیوں ہو رہی ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری کی ایک گواہی دو کے برابر فرما دی، تو کسی نے یہ نہ کہا، کہ رب تعالےٰ تو فرماتا ہے۔ واشھدوا ذوی عدل منکم تم اپنے دو گواہ بنالو، ان کی ایک ہی گواہی کیوں کافی ہو رہی ہے۔ حضرت سراقہ ابن مالک کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی، تو کسی کو یہ عرض کرنے کی جرأت

نہ ہوئی، کہ حضور آپ نے خود تو فرمایا کہ میں سونا اپنی اُمت کے مردوں پر حرام کرتا ہوں، حضرت سراقہ بھی تو مرد ہیں، اُن پر یہ حرام کیوں نہیں؟ کیوں کہتے، وہ سمجھتے تھے، کہ جس زبان پاک سے ہم نے وہ احکام سُنے تھے، اُسی کن کی کنجی سے یہ احکام سن رہے ہیں، جیسے ان احکام کا ماننا ضروری تھا، ایسے ہی ان کا ماننا لازم ہے، وہ احکام ان حضرات پر جاری ہی نہیں، اس کی نفیس اور لذیذ تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو۔

یہ تو مخلوق کا معاملہ ہے، آؤ اب خالق کا کرم دکھائیں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا، جس پر عتابانہ انداز میں آیات اتریں، کہ ماکان للنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض (الآیہ) جس سے بظاہر معلوم ہوا، کہ یہ فعل خلافِ رضائے الٰہی ہوا، اب سوال یہ ہو سکتا تھا، کہ یہ مال حلال ہے یا حرام، اس کو کھائیں یا قیدیوں کو واپس کر دیں، فرمایا گیا۔ فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً یہ مال جو تم نے لیا، مزے سے کھاؤ، حلال اور طیب ہے، اور قانون بھی بنا دیا۔ کہ آئندہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ سکتے ہو۔ فاما منّا بعد واما فداءً سبحان اللہ بظاہر عتاب بھی ہے اور عنایت بھی ہے

مالک ہیں خزانۂ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
ہے جنبش لب قانونِ خدا قرآن و خبر کی گواہی ہے!

اور کیوں نہ ہو، ماں باپ وغیرہ مطاع ہیں، مگر حضور ایمان وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین ۰

تمت بالخیر

ملنے کا پتہ

مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی کتب خانہ گجرات

فہرست مضامین مواعظ نعیمیہ مکمل

تصانیف حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نور العرفان	حاشیہ قرآن مجید مع ترجمہ اعلیٰ حضرت کنز الایمان شریف
تفسیر نعیمی	تفسیر القرآن اول تا گیارہ
جاء الحق	اختلافی مسائل پر لاجواب کتاب (رد وہابیت)
شان حبیب الرحمٰن	آیات قرآن مجید سے شان مصطفےٰ ﷺ کا بیان
علم القرآن	ترجمہ قرآن مجید کے قواعدِ اصولیہ۔ جس سے غلط یا صحیح ترجمہ کی پہچان ہو سکتی ہے
مراۃ شرح مشکوٰۃ	مشکوٰۃ شریف کی بے مثال شرح حکیم الامت کے شاہکار قلم سے نکلی ہوئی سادہ اور سلیس (۸ جلد)
رسائل نعیمیہ	حکیم الامت کے آٹھ رسائل، دیوان سالک، رسالہ نور، سلطنت مصطفےٰ، الکلام المقبول، ایک اسلام، اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں، اسرار الاحکام، درس القرآن کا مجموعہ
مواعظ نعیمیہ	حکیم الامت کے چند معرکۃ الآراء وعظوں کا مجموعہ
اسلامی زندگی	موجودہ معاشرے کی غلط رسومات کی نشاندہی اور صحیح اسلامی طرز زندگی کا بیان
رحمت خدا بوسیلہ اولیاء	وسیلہ اولیاء کے متعلق قرآن وحدیث وسلف صالحین سے ناقابل تردید دلائل
حضرت امیر معاویہ	حضرت امیر معاویہ کے مناقب وحالات کی تحقیق اور اُن کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمی کا ازالہ
علم المیراث	میراث کی شرعی تقسیم اور اس کے قوانین کا اردو زبان میں آسان اور عام فہم بیان
معلم تقریر	علم تقریر پر خطباء اور طلباء کی رہنمائی فرمائی گئی ہے
سلطنت مصطفےٰ	کائنات میں نبی پاک کے اختیارات کا بیان اور مخالفین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب
فتاویٰ نعیمیہ	حکیم الامت کے مختصر فتاویٰ جات کا مجموعہ جو کہ آپ نے مختلف موقعوں پر جاری فرمائے (ایک جلد)
سفر نامے	پاکستان سے حجاز مقدس تک بذریعہ بس سفر کے حالات وبیت المقدس وغیرہ کی زیارات وحالات
حالات زندگی	حکیم الامت کی سوانح حیات پر میسور یونیورسٹی ہندوستان میں کی گئی پی ایچ ڈی کا مقالہ

الدرایہ

فی

تحقیق الروایہ

اصولِ حدیث

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

نعیمی کتب خانہ